تاریخِ کشمیر

اسلامی عہد میں

ڈاکٹر صابر آفاقی

شاہین بکسٹال اینڈ پبلشرز، سرینگر، کشمیر

تاریخ کشمیر
اسلامی عہد میں
ڈاکٹر صابر آفاقی
شاہین بکسٹال اینڈ پبلشیرز
بڈشاہ چوک سری نگر کشمیر

ڈاکٹر صابر آفاقی

شاہین بکسٹال اینڈ پبلیشرز
بڈشاہ چوک سری نگر کشمیر

بارِ اوّل — مارچ سنہ ۱۹۸۷ء

تعداد — ایک ہزار

پبلیشر — شاہین پبلیشرز

زیرِ نگرانی — محمد جاوید

قیمت — نوّے روپیہ

ڈسٹری بیوٹرز

شیخ غلام محمد اینڈ سنز بکسیلرز

مائسیمہ بازار (بڈشاہ چوک) سری نگر کشمیر

فہرست

باب ہفتم

باب ہشتم

باب نہم

باب دہم

باب یازدہم

باب دوازدہم

گزارشِ مؤلّف

ریاست جموں و کشمیر پر مسلمانوں کا اقتدار پانچ صدیوں کو محیط ہے۔ اس طویل و تابناک عہد میں کشمیر نے تہذیب و تمدّن، فن و ہنر، شعر و ادب اور صنعت و حرفت میں بے نظیر ترّقی کی۔ بدقسمتی سے ۱۸۱۹ء میں پنجاب کے سکھ حکمران، رنجیت سنگھ نے ریاست پر قبضہ کر لیا اور پھر ۱۸۴۶ء میں منحوس بیعنامۂ امرتسر کے ذریعے انگریزوں نے اس علاقہ کو ڈوگرہ حکمران کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

اس واقعہ کے کوئی ایک سو سال بعد ـــ ۱۹۴۷ء میں طویل جدّوجہد اور جانی و مالی قربانیوں کے نتیجہ میں ریاست جموں و کشمیر کا ایک حصّہ آزاد ہوا جہاں آزاد حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا۔

جموں و کشمیر کی ریاست پر تین قسم کے مسلمان بادشاہوں نے حکومت کی۔

۱۔	خود مختار سلاطین	(۱۳۲۰ء - ۱۵۸۶ء)
۲۔	مغل	(۱۵۸۶ء - ۱۷۵۳ء)
۳۔	پٹھان	(۱۷۵۳ء - ۱۸۱۹ء)

اس ریاست میں پانچ سو سالہ مسلم اقتدار کی سیاسی و تہذیبی تاریخ پر بیسیوں تالیفات ملتی ہیں۔ جو سنسکرت فارسی انگریزی اور اردو میں قلم بند ہوئیں۔ علاوہ ازیں درجنوں ایشیائی و یورپی سیّاحانِ کشمیر کے سفرنامے بھی شائع ہو چکے ہیں۔

مگر افسوس یہ ہے کہ اکثر تواریخ .... میں مستند تاریخی واقعات اور ان کا تجزیہ نہیں ملتا۔ حالات کے اسباب و نتائج پر منطقی بحث بھی کم ملتی ہے۔ ان تاریخ نویسوں نے پسند و ناپسند کے ذاتی معیار کو سامنے

رکھ کر تاریخی واقعات سے اپنی مرضی کے نتائج نکالنے کی کوشش کی ہے۔

میں عرصے سے ایک ایسی مستند وجامع تاریخ کشمیر کی کمی محسوس کر رہا تھا جو مختلف زبانوں میں موجود اسناد ومدارک اور مآخذ ومصادر کو پیش نظر رکھ کر مدوّن کی گئی ہو، جو مذہبی، نسلی اور وطنی تعصّبات سے پاک ہو اور جس میں تاریخ کے عمل و ردِّ عمل کا قدرتی عکس جھلکتا ہو۔

ایران میں میرے چار سالہ قیام کی مدت کشمیر پر اسناد و مآخذ کی جمع آوری میں گزری۔ پھر جب میں ۱۹۷۶ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے کر میں وطن لوٹا تو جلد ہی تاریخ کشمیر کی تدوین کا کام شروع کر دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس مقصد میں مجھے کامیابی ہوئی اور کئی طویل وقفوں کے باوجود، تاریخ کشمیر میں نے ۱۹۷۹ء میں مکمل کر لی جو تخلیق بھی ہے اور ماخوذ مستفاد بھی۔ یہ تالیف آپ کو کشمیر کی سیاسی تاریخ کیساتھ ساتھ یہاں کی تمدنی ثقافتی اور مذہبی تاریخ کی جھلکیاں بھی دکھائے گی۔ میں نے اکثر مسلم وغیر مسلم مؤرخین کے برعکس باشندانِ کشمیر کو بُرا بھلا کہنے کی بجائے ان کا احترام سکھایا ہے اس طرح پہلی بار ایک کشمیری کے صحیح خدوخال سامنے لانے اور اب ولر کے "گوہر یکدانہ" کی چمک دکھانے کے قابل ہوا ہوں۔

اسلامی عہد کی تاریخِ کشمیر مدوّن کرتے وقت میرے سامنے دو اہم مقاصد تھے، ایک یہ کہ ریاست جموں وکشمیر اور پاکستان کے گوناگوں اور دیرینہ تاریخی وثقافتی نیز مذہبی ولسانی روابط کو اجاگر کر کے دونوں ملکوں کے باشندوں کو نزدیک سے نزدیک تر لایا جائے۔ . . . . دوسرا مقصد یہ تھا کہ تعصّب وتنگ نظری کا پردہ اٹھا کر جموں وکشمیر کے باسیوں کا وہ سچا چہرہ دکھایا جائے جسے مؤرخین صدیوں سے خاص مقاصد کے تحت بگاڑ کر پیش کرتے رہے۔

باب اوّل

جغرافیائی خدوخال

طبعی روپ

ملکوں کی خصوصیات ان کی گزشتہ تاریخ کی طرح طبعی ماحول سے بھی متعین ہوتی ہیں۔ غالباً برصغیر ہند و پاک کے کسی علاقے کے جغرافیہ نے اس کی تاریخ کو اتنا متاثر نہیں کیا۔ جتنا کشمیر کو کیا ہے۔ یہ وسیع اور حسین ترین وادی ہمالیہ کے دامن میں واقع ہے اردگرد کے پہاڑی سلسلوں سے، خاص طور سے بانہال، سرینگر میں کوہ سلیمان اور شمال میں جھیل ولر کے کنارے بابا شکر الدین کے مزار سے دیکھا جائے تو وادی ایک چھوٹی سی دنیا نظر آئے گی جسے اونچے اونچے اور پیچیدہ پہاڑی سلسلوں نے گھیر رکھا ہے جنہوں نے کشمیر کو ماضی میں منفرد جغرافیائی ثقافتی اور تاریخی زندگی کی ضمانت دی۔

نام کی اصل

کشمیر کا ذکر ہیرودوت نے کیا ہے۔ وہ دریائے سندھ کے سمندر میں گرنے کا جائزہ لینے سے متعلق داریوش کی دلچسپی کے ضمن میں شہر کاسپترِس کا حوالہ دیتا ہے۔ کاسپترس کی مطابقت کاش پاؤرس یا کاشیا پورہ یا کشیاپا سے کی گئی ہے جو داستانی طور پر بانی کشمیر ہے۔ بابر کے مطابق کشمیر کا نام پہاڑی قبیلہ کش سے نکلا ہوگا۔ ڈاکٹر سٹائن نے کش کو پائین جہلم وادی میں بسنے والے کھسوں سے مطابقت دی ہے۔

مندرجہ بالا کلاسیکل اطلاعات کے علاوہ ایک قدیم کہانی بھی مشہور و مروج ہے۔ جس کے

مطابق کشمیر اصل میں ایک وسیع جھیل تھی جسے ستی سر (ستی کی جھیل) کہا جاتا تھا۔[1] کچھ عرصہ کے بعد اس جھیل پر دیو جلودبھاؤ[2] قابض ہو گیا وہ قرب وجوار کے لیے بڑی پریشانی کا باعث بنا ہوا تھا۔ آخرکار ایک درویش کشیاپا نے جھیل کو خشک کر کے دیو کو قتل کر دیا۔ پھر وہ اس سرزمین میں مقیم ہو گیا۔ ہیون سانگ، جس نے ۶۳۱ء میں کشمیر کی سیاحت کی تھی کہانی کو بودھ شکل میں بیان کرتا ہے۔

مسلمان مورخین میں ابوالفضل پہلا آدمی ہے جس نے یہ کہانی درج کی حیدر ملک چادورہ نے اسے دھرایا۔ اس کے معاصر مؤلف بہارستان شاہی نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بدیع الدین کو چھوڑ کر بعد کے سبھی مورخین کشمیر نے یہ داستان دھرائی ہے۔ ان کے مطابق کشمیر کا نام کشپ مر سے نکلا ہے جس کا معنی کشپ کا گھر ہے۔ علم طبقات الارض سے داستان کی تائید ہوتی ہے۔

گمان غالب ہے کہ یہ داستان وادی اور اردگرد کے پہاڑوں کی جغرافیائی شکل وصورت سے اپنا تخلیقی تعلق رکھتی ہوگی۔ پہلا یورپی سیاح جس کی توجہ اس طرف گئی۔ برنیئر ہے جس نے ۱۶۶۳ء میں اورنگ زیب کے ہمراہ کشمیر کی سیر کی۔ بارہ مولا کی تنگ گھاٹی دیکھنے کے بعد جو دریائے جہلم اور اس کے معاون دریاؤں کے نکلنے کا واحد قدرتی راستہ ہے وہ لکھتا ہے۔ میں یقیناً انکار کرنے کی طرف مائل نہیں ہوں کہ یہ علاقہ کسی زمانے میں پانی سے ڈھکا ہوا تھا۔ مگر میں آسانی سے اپنے آپ کو باور نہیں کرا سکتا کہ پانی کی یہ نکاسی آدمی کا کام تھا کیونکہ پہاڑ بہت لمبا چوڑا اور اونچا ہے بلکہ میں تو خیال کرتا ہوں کہ پہاڑ کسی زیرزمین غار میں اتر گیا جس کا منہ کسی شدید زلزلہ کے باعث جو ان ملکوں میں کم ہی آتا ہے، بند ہو گیا۔

برنیئر کے مشاہدات کی سائنٹیفک تشریح مشہور ماہر ارضیات اور جغرافیہ دان میجر رینل اور فریڈرک ڈریو نے بھی کی ہے۔ میجر رینل لکھتا ہے ابھی تک میں ایسی جھیل کے وجود سے متعلق جس سے وادی کشمیر نکلی ہو شک میں تھا لیکن میں اب دیکھنے سے کسی روایت یا تاریخ کے بغیر بھی اس کا

---

(۱) ہندو مائی تھالوجی کی رو سے ستی۔ شیو کی زوجہ ہے۔ (مولف)

(۲) پانی سے پیدا ہونے والا (مولف)　(۳) ٹریولز۔ برنیئر۔ ص: ۹۵-۲۹۴

قائل ہو گیا ہوں۔ ڈریو نے کشمیر کی جغرافیائی ہیئت کا موقعہ پر مطالعہ کیا تھا وہ لکھتا ہے مقامی لوگوں کی روایات جن کا سراغ تاریخی طور پر ازمنہ قدیمہ میں تلاش کیا جا سکتا ہے، اسی بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ وادی قدیم جغرافیائی عہد میں پورے طور پر جھیل میں ڈوبی ہوئی تھی اور روایات سے عموماً ان نتائج کی تصدیق ہوتی ہے جو یہاں کے مظاہر فطرت کا مطالعہ کرنے کے بعد اخذ کئے گئے۔ نتیجہ سے اتفاق کرتے ہوئے جیسا کہ میں کرتا ہوں۔ روایات کو میں اس خیال کے استحکام کے لیے مدنظر رکھتا ہوں مجھے ذرا شک نہیں کہ ان روایات کی بھی خود اسی جغرافیائی ثبوت سے ابتدا ہوتی ہے جس کو بعد کے سیاحوں نے دریافت کیا ہے (۱)

جبال کشمیر کا دفاعی رول

کشمیر کے قدرتی خدوخال نے براہ راست اس کی تاریخ کو متاثر نہیں کیا جتنا اس کے اونچے اونچے پہاڑی سلسلوں نے کیا ہے۔ جنہوں نے اسے گھیرا ہوا ہے۔ صدیوں سے یہ پہاڑ یہاں کے باشندوں کو بیرونی خطرات سے بچاتے چلے آئے ہیں۔ انہوں نے ان کو خود پسند بھی بنا دیا اور آرام طلب بھی۔ کلہن فخریہ انداز میں لکھتا ہے: یہ ملک روحانی طاقت سے فتح کیا جا سکتا ہے مگر سپاہیوں کی طاقت سے نہیں، باشندے صرف دوسری دنیا سے ڈرتے ہیں (۲)

ان پہاڑوں کی دفاعی اہمیت پر بیرونی سیاحوں کی نظر بھی پڑی ہے، ہیون سانگ (۶۳۱-۳۳) رقم طراز ہے: ملک کو پہاڑوں نے گھیر رکھا ہے یہ پہاڑ بہت اونچے ہیں، اگرچہ ان پہاڑوں کے درمیان درے موجود ہیں، لیکن وہ بے حد تنگ اور سمٹے ہوئے ہیں (۳) ہمسایہ

---

(۱) جموں۔ ڈریو ص: ۲۰۷ (۲) راج ترنگنی ترنگ اول اشلوک ۳۹

(۳) سی یو کی جے ۱، ص ۱۴۸

ریاستیں جو اس پر حملہ آور ہوئیں کبھی اسے قبضے میں لانے میں کامیاب نہیں ہو سکیں۔ ایک دوسرا چینی سیاح اوکانگ (۶۳-۵۹) لکھتا ہے ملک تمام اطراف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے جو اس کی قدرتی فصیل ہیں فقط تین راستے ان میں کھلے ہیں اور ان کی بھی بڑے گیٹوں کے ذریعے حفاظت کی جاتی ہے۔

قدیم مسلم جغرافیہ دانوں نے بھی اسی انداز سے لکھا ہے۔ المسعودی (۹۴۳-۹۴۱) جس نے وادی سندھ کا دورہ کیا۔ دوسری باتوں کے علاوہ کشمیر کے بارے میں بھی اپنے تاثرات قلم بند کرتا ہے۔ وہ تحریر کرتا ہے۔

ایک طرف کو چھوڑ کر کہیں سے اس علاقہ میں رسائی نہیں ہو سکتی۔ اس طرح وہ (بادشاہ کشمیر) اپنی ساری قلمرو کو ایک دروازے سے بند کر سکتا ہے، کیونکہ اسے اتنے اونچے اونچے پہاڑوں نے گھیر رکھا ہے کہ نہ انسان اور نہ ہی جنگلی جانور ان پر چڑھ سکتے ہیں ..... اس ملک کی قدرتی قلعہ بندی خراسان اور دیگر صوبوں میں خوب مشہور ہے اور یہ دنیا کی عجیب چیزوں میں سے ایک ہے۔ (۱)

البیرونی (۱۰۱۵-۱۰۲۱) کے مطابق کشمیر ایک سطح مرتفع پر واقع ہے جس کا پہاڑوں نے احاطہ کر رکھا ہے وہ (کشمیری عوام) خاص طور پر اپنے ملک کی قدرتی توانائی کے بارے میں بے تاب رہتے ہیں اور اس لیے وہ ملک میں داخل ہونے والے راستوں اور شاہراہوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں۔ (۲)

المسعودی اور البیرونی کشمیر میں کبھی داخل نہیں ہوئے لیکن ان کے بیانات کو سولھویں صدی تک دہرایا جاتا رہا حالانکہ خطہ کشمیر پہلے ہی بیرونی حملوں سے دوچار ہو چکا تھا۔ تیمور

---

(۱) مروج الذہب ج ۱، ص ۳۸۲

(۲) البیرونی۔ انڈیا ج ۱ ص ۲۰۶ (سخاؤ)

اور اس کے مورخین بھی کشمیر میں داخل نہیں ہوئے مگر اس عہد کی تواریخ میں اس ملک کے قدرتی خد وخال کی مکمل تصویر ہمیں مل جاتی ہے یہ اقوال ملفوظات تیموری اور ظفرنامہ میں محفوظ کر دیے گئے ہیں۔

مرزا حیدر دغلت اگرچہ خود بھی کشمیر سے خوب واقف تھا لیکن پھر بھی وہ اس ملک کے قدرتی مناظر تحریر کرنے وقت ظفرنامہ کے حوالے دیتا ہے۔

پہاڑی درّوں کی اہمیّت

جبال کشمیر تین بڑے سلسلوں پر مشتمل ہیں۔ سلسلۂ پیر پنجال، سلسلۂ وادی جہلم اور شمالی مشرقی سلسلہ۔

ا۔ سلسلہ پیر پنجال

یہ جنوب مشرق میں بانہال سے شروع ہوتا ہے اور نیم دائرہ کی صورت میں پھیلتے ہوئے شمال مشرق میں ایسے مقام پر نمایاں ہوتا ہے جہاں جہلم ندی بارہ مولا کی تنگ گھاٹی میں گرتی ہے۔ یہ سلسلہ جنوب مشرق میں وادی کی قدرتی حدود کو تشکیل دیتا ہے۔

مذکورہ بالا سلسلہ بڑی سیاسی و تجارتی اہمیت کا حامل رہا ہے تمام اہم راستے جو کشمیر کو پنجاب سے ملاتے ہیں اسی سلسلۂ کوہ سے گزرتے ہیں۔ یہ راستے مندرجہ ذیل درّوں سے گزرتے ہیں۔

ا۔ درّہ نوسہ میدان (۱)

جو راستہ اس درہ سے گزرتا ہے وہ آسان ترین اور محفوظ ترین راستہ رہا ہے۔ یہ کشمیر کو

(۱) بلندی ۔ ۱۰,۵۰۰ فٹ

پاکستان سے ملاتا ہے اور بڑی سیاسی و دفاعی اہمیت رکھتا ہے۔ محمود غزنوی نے دو مرتبہ اسی درّہ سے کشمیر میں داخل ہونے کی کوشش کی (۱)

ب۔ درّہ پیر پنجال (۲)

یہ کشمیر کو براہ راست پنجاب سے ملاتا ہے سکھوں کی آمد تک یہ عام استعمال کا راستہ تھا۔۔۔۔۔ اکبر کا جنرل قاسم خان اور سید یوسف خان کشمیر کے آخری سلطان یعقوب خان چک کا تختہ الٹنے کے لیے اسی راستہ سے کشمیر میں داخل ہوئے تھے۔

مغلوں کے زمانہ میں یہ امپیریل روٹ بنا۔ اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب نے جب کشمیر کی سیر کی تو یہی راستہ اختیار کیا۔ اکبر نے اسے استعمال کرنے سے قبل آراستہ اور وسیع کروایا تھا، علی مردان خان نے اپنی نظامت کشمیر کے عہد میں اسے اور بہتر بنایا اس نے اس راستے پر چند ریسٹ ہاؤس بھی تعمیر کروائے۔

ج: درّہ بدھل (۳)

جو سڑک اس درّہ سے گزرتی ہے وہ کشمیر کو براہ راست اکھنور (جموں) اور سیالکوٹ سے ملا دیتی ہے جموں کے راستے کشمیر کو بغرض مواصلات و ٹرانسپورٹ پنجاب سے ملانے کا یہ نزدیک ترین راستہ سمجھا جاتا تھا۔

د: درّہ بانہال (۴)

اس درّہ سے گزرنے والا راستہ کشمیر کو براہ راست اپر چناب اور مشرقی پنجاب کی پہاڑی ریاستوں سے ملاتا تھا کشمیر میں ڈوگرہ حکومت کے قیام کے بعد جموں کے ساتھ مواصلات و ٹرانسپورٹ کی اسی راستے سے حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ اس وقت سے جموں جانے کیلئے یہ آسان ترین

---

(۱) (۱۰۲۰ - ۱۰۱۵ء)
(۲) بلندی ۱۲۰،۱۴ فٹ (۳) بلندی ۱۴،۱۲۰ فٹ
(۴) بلندی ۹۲۰۰ فٹ۔

اور آرام دہ راستہ چلا آتا ہے جو ہر قسم کی ٹرانسپورٹ کے لیے موزوں ہے عام طور سے یہ سال بھر کھلا رہتا ہے بجز ان دنوں کے جب درہ برف سے بھر جائے۔

۲۔ سلسلہ جہلم وادی

یہ سلسلہ دو چھوٹے چھوٹے پہاڑی سلسلوں پر مشتمل ہے جو سلسلہ پیر پنجال اور سلسلہ قاضی ناگ سے جدا ہوتے ہیں یہ بارہ مولا سے نیچے کی طرف جاتے ہیں اور دریائے جہلم کے ساتھ ساتھ کوئی اسی میل تک نیچے ________ تک چلے جاتے ہیں ان دو سلسلوں کے درمیان بائیں جہلم وادی واقع ہے۔ اس کے کنارے پر اوڑی کی تنگ گھاٹی واقع ہے۔ بارہ مولہ اور رام پور کے درمیان کے علاقہ میں جنگل والے پہاڑ پھیلے ہوئے ہیں جو مواصلات اور ٹرانسپورٹ دونوں کو مشکل بناتے تھے۔ ۱۹۵۰ء تک وادی پر اپنے وقتی حملوں کے دوران مشہور کھکھ اور بمبہ قبائل خوف و ہراس پھیلاتے اور عوام کو لوٹتے رہے۔

یہ راستہ ہمیشہ سے ہی وادی کے لیے بڑی دفاعی اہمیت کا حامل رہا ہے اور اس کی یہ اہمیت آج بھی مسلّم ہے۔ اس کی اہمیت کا اعتراف ہیون سانگ اور اوکانگ نے بھی کیا ہے۔ کیونکہ وہ اسی راستے سے کشمیر وادی میں پہنچے تھے۔ البیرونی نے بھی اس راستہ کا ذکر کیا ہے۔ کشمیر وادی پر منگولوں کا اولین تباہ کن حملہ اسی راستے سے ہوا۔ راجہ بھگوان داس نے پہلا مغل حملہ اسی راستے کردایا (۱) اکبر اسی راستے سے کشمیر سے واپس ہوا تھا۔ نادر جیرو م ایکسویئر نے جو اولین معلوم یورپی سیاح کشمیر ہے اسی راستے سے سفر کیا۔ جہانگیر نے اس راستہ کی بہترین جغرافیائی معلومات درج کی ہیں (۲) پھر پٹھان عہد حکومت (۱۸۱۹ء-۱۷۵۳ء) کے دوران کشمیر و کابل کے درمیان ہر قسم کی ٹریفک اسی راستے سے جاری رہی۔

---

(۱) اکبر نامہ ج ۳ ، ۲۔ توزک ج ۲

مسلم سلاطین کے عہد میں یہ راستہ کشمیر کی سیاسی و ثقافتی تاریخ پر زبردست اثر ڈالتا رہا ہے۔ شاہمیر کشمیر میں اس راہ سے داخل ہوا اور مسلم حکمرانوں کے پہلے سلسلہ کی بنیاد رکھی۔ سید علی ہمدانی اور ان کا بیٹا سید محمد ہمدانی اپنے سینکڑوں مریدوں کے ہمراہ اسی راستے سے وادی میں پہنچے اور مسلم تہذیب و ثقافت کو فروغ دیا۔

۳۔ شمال شرقی سلسلہ

پہاڑوں کا یہ سلسلہ شمال اور شمال مشرق کی طرف سے کشمیر کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور اسے لداخ، بلتستان اور دردستان کے ہمسایہ علاقوں کی ...... ثقافت سے علیحدہ رکھے ہوئے ہے کیونکہ ان علاقوں میں زوجیلہ اور برزل دروں سے گزر کر ہی جایا جا سکتا ہے۔

۱۔ برزل درہ (۱)

یہ کشمیر وادی کو استور، چیلاس اور ہنجی اور اس سے آگے گلگت، چترال یاسین پونیال اور داریل وغیرہ سے ملاتا ہے ان تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر اب پاکستان کی حکومت ہے یہ علاقہ بیحد دفاعی اہمیت رکھتا ہے۔ تین بڑے ملکوں، چینی ترکستان ..... سوویت ترکستان اور افغانستان کی سرحدیں یہاں ملتی ہیں۔ قدیم عہد میں ان اضلاع کو مجموعی طور پر دردستان یا درد لوگوں کا علاقہ کہا جاتا تھا۔

چک جن کے مقدر میں مغلوں سے ایک صدی پہلے کشمیر کی سیاسی و ثقافتی تاریخ میں اہم رول ادا کرنا لکھا تھا۔ انہی دردوں کی اولاد تھے۔ البیرونی ان کا ذکر ترک قبائل معروف بہ بھٹواریان کی حیثیت سے کرتا ہے جن کے ہاتھوں کشمیر کو شدید مصائب اٹھانا پڑے۔ کلہن کے بقول وہ ایک

(۱) بلندی : ۱۰۷۴۰ فٹ

نجس قوم تھی جو بار بار وادی کے باشندوں پر حملے کرتی تھی۔ [۱]

درّہ زوجیلا [۲]

اس درّہ سے جو راستہ گزرتا ہے وہ کشمیر کو لداخ بلتستان اور تبت سے اور مرکزی ایشیا کے علاقہ بدخشان، سمرقند، ختن، بخارا، کاشغر وغیرہ سے ملاتا ہے ان میں بعض ریاستیں اب سوویت ازبکستان اور کچھ چینی ترکستان (سنکیانگ وغیرہ) کا حصّہ ہیں۔ قدیم ترین ایام سے ہی یہ راستہ اہم شاہراہ رہا ہے چودھویں اور پندرھویں صدیوں کے دوران ملک کی سیاسی تاریخ پر اثر انداز ہوتا رہا ہے بدھ مت کا پیرو رنچن جو کشمیر کا پہلا مسلم بادشاہ بنا اسی راستے سے وادی میں داخل ہوا تھا۔
مرزا حیدر دغلت نے جب ۱۵۳۲ء میں کاشغر کے سلطان سعید خان کی بھاری فوج کے ساتھ کشمیر پر حملہ کیا تو وہ بھی اسی راستے سے گزرا تھا۔
یہ کشمیر اور تبت کے درمیان اہم تجارتی شاہراہ بھی رہی ہے۔ کشمیر اپنی مشہور شال کی اون، نمبتی گائے، خشک میوہ، نمک، چائے وغیرہ اس راستے درآمد کرواتا تھا۔ برطانوی دور میں یہ راستہ ٹریٹی ہائی روڈ کہلاتا تھا۔ انگریز اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانے (۱۸۵۷-۵۸ء) سے اس روڈ پر ہر قسم کی ٹریفک پر زار روس کے جارحانہ عزائم کے خلاف پیش بندی کے طور پر کڑی نظر رکھی جاتی تھی۔

دروں کا انتظامی کنٹرول

پہاڑی درّے کشمیر کی قدرتی قلعہ بندی میں نازک مقامات تھے۔ ہندو بادشاہ ان پر چوکیاں

---

(۱) راج ترنگنی ترنگ اشلوک ۱۶ - ۳۱۲ (۲) بلندی - ۱۱۳۰۰ فٹ

بناتے خطرہ کے دنوں میں وہ ان گیٹوں کو بند کر دیتے۔ ایسا حادثہ ایک بار خلیفہ المنصور (۷۵-۷۵۴) کے عہد میں پیش آیا۔ جب سندھ کے گورنر امیر ہاشم کی فوجوں نے گندہارا کی فتح کے بعد کشمیر کے جنوب میں واقع علاقہ پر حملہ کر دیا کشمیر کا بادشاہ حفاظت خود اختیاری کے لیے مجبور ہو گیا کہ وہ زوجیلہ، برزل اور بارہ مولا کے درّوں کے علاوہ باقی تمام دروں کو بند کر دیے[1] گیارھویں صدی میں کشمیر کو توسہ میدان کے درہ سے حملہ محمود غزنوی کا دو بار شدید خطرہ لاحق ہو گیا تھا مگر دونوں مرتبہ وہ لوہر کوٹ کے قلعہ پر قبضہ جمانے میں ناکام رہا۔ اندریں حالات تمام غیر مجاز ورود پر کڑی نگاہ رکھی جاتی تھی۔ البیرونی جو مذکورہ محاصرہ کے وقت یہاں موجود تھا لکھتا ہے، شاہان کشمیر ملک میں جانے والے راستوں اور سڑکوں پر مضبوط کنٹرول رکھنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے ہیں جس کے باعث اس ملک سے مواصلات و ٹرانسپورٹ برقرار رکھنے میں مشکل پیش آتی ہے۔ مزید براں یہ کہ جب تک ذاتی طور پر جانتے نہ ہوں کسی ہندو کو بھی ملک میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے دوسرے لوگ تو ان سے بھی کم ہیں (۲)

ان گیٹوں کے فوجی انتظام کا ذکر کرنا بہت ضروری ہے کلہن ان دیدگاہوں کو .... درنگ کا نام دیتا ہے۔ یہ نام آج بھی بارہ مولہ اور ہیرپور کے درنگوں کے نام سے زندہ ہے مسلم مورخین ان کو درہ کوتل یا کرتل کا نام دیتے ہیں۔

ہندو عہد میں ان درّوں کا افسر انچارج دوار پتی یا دوار بیدا کہلاتا تھا۔ وہ فوجی خدمات میں جاگیر پانے والا سردار اور سپاہیانہ خصوصیات، فوجی فہم و فراست کا مالک اور مشکل فرائض انجام دینے کی اہلیت رکھتا۔ آزاد و مستقل سلاطین کے عہد میں فقط نام تبدیل ہو گئے تھے۔ ترلور اور شک کی تواریخ میں دوار پتی کو مارگا پتی یا مرگیش لکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر سٹائن نے مرگیش کو مسلم عہد کے

---

(۱) البیرونی ج ۱ ص ۲۰۶

(۲) البیرونی کتاب مالہند ج ۱ ص ۲۰۶

ملک قرار دیا ہے مگر یہ بات قابلِ یقین نہیں ہے کہ سنسکرت کی اصطلاح کشمیری میں آکر ماگری بن گئی۔ دونوں اصطلاحیں شاہراہوں کی حفاظت سے متعلق پیشہ کی نشاندہی ...کرتی ہیں، البتہ سبھی ماگری تو اس پیشہ کے لوگ نہیں تھے۔ جس طرح تمام دیوان اور وزیر یہ خطابات رکھنے کے باوجود اپنے عظیم اسلاف کے فرائض انجام نہیں دیتے تھے جنہوں نے شروع میں یہ خطابات پائے تھے۔ مسلمانوں کے عہد میں مارگیش جو ایک بڑا قبیلہ بن گئے تھے۔ ماگری کے نام سے مشہور ہو گئے، ان میں سے جنہوں نے سرحدی راستوں کی حفاظت کا کام جاری رکھا ان کو ملک کا خطاب دیا گیا۔ جسے وہ اپنے نام کے ساتھ استعمال کرتے رہے۔

لفظ ملک کی بڑی متنوع تاریخ ہے۔ آزاد وخود مختار سلاطینِ کشمیر کے عہد میں چار سیاسی جماعتوں، ماگری ڈار، رینہ اور چک کے لیڈر برسر اقتدار سلاطین سے وفاداری کے صلے میں خطاب ملک پاتے۔ اکبر کے ذریعے کشمیر کے الحاق کے بعد اکثر ملک قتل کر دیے گئے یا جلاوطن کر دیے گئے، کیونکہ وہ اپنی آزادی کے لیے مغلوں کے خلاف نبرد آزما ہوئے تھے۔ سب سے زیادہ نقصان ملکوں کو اٹھانا پڑا۔ جنہوں نے یا تو چکوں کے ماتحت کام کیا تھا یا پھر اس کمیونٹی سے پورا تعلق رکھتے تھے۔ مگر جنہوں نے نئی حکومت کی اطاعت اختیار کر لی اور وفاداری کا حلف اٹھایا ان کو زمین وغیرہ کے نئے عطیے اکبر کی طرف سے ملے۔

انہوں نے اپنی جاگیر کے اندر واقع راستوں کی حفاظت کا آبائی کام جاری رکھا، ان کے اختیارات جاگیر کی مقدار کے مطابق ہوتے تھے۔ مختصر یہ کہ مغل حکومت کے ماتحت ملکوں کو سزائے موت دینے کے اختیارات حاصل تھے اور وہی اپنی جاگیر کے اندر موت اور شادی کے موقعوں پر مروجہ پیش کشیں وصول کیا کرتے تھے۔ تاہم ۱۷۵۳ میں پٹھان حکومت کے قیام کے بعد ان کے اختیارات بتدریج سکڑتے چلے گئے۔ حفاظتی مقاصد کے پیش نظر پٹھانوں نے تقریباً سبھی راستے بند کر دیئے تھے۔ فقط بارہ مولہ کا راستہ کابل سے براہ راست مواصلات کے لیے کھلا رکھا گیا تھا۔ حفاظتی فرائض سے سبکدوش ہونے کے بعد ملکوں نے عدالتی فرائض

سنبھال لیے تھے وہ فوجداری مقدمات کی سماعت کرتے اور قرون وسطیٰ کی سخت سزائیں مثلاً ناک اور کان کاٹنے کی سزائیں دیتے۔ سکھوں کے عہد میں ٹریفک تمام راستوں پر جاری ہوئی اور کشمیر کو پنجاب سے ملا دیا گیا۔ نئے حکمرانوں نے ملکوں کو بے ضرر بنانے کی غرض سے ان کی جاگیریں واپس لے لیں یا کم کر دیں اور اس کی جگہ ان کو نقد وظیفہ دیا جاتا رہا۔ ۱۵۰۰ روپیہ کی سب سے بڑی رقم بانڈی پور کے ملک دلاور کو دی گئی، لیکن اسے اس کے عوض ۵۰۰ رضاکاروں کا لشکر تیار کرنا پڑا۔

اپنی زمینوں سے محروم ہونے کے بعد ملکوں نے رسوم راہداری پر قناعت کر لی جو وہ تجار سے ایک جگہ سے دوسری جگہ مسافرت کے وقت ان کی جان و مال کی حفاظت کے صلہ میں وصول کرتے۔ ان میں جو حریص ملک ہوتے وہ تجار کو لیٹروں کے ذریعے خوفزدہ کرتے اور انہیں مجبور کر دیتے کہ وہ اپنی سلامتی کے لیے بھاری فیس ادا کریں، بہر حال کشمیر کے سکھ حاکموں نے ایسے مقدمات کو بڑی سختی کے ساتھ نمٹایا حتیٰ کہ جہاں تاجروں کی جان و مال کو خطرہ لاحق ہوا وہاں انہوں نے قدیم ملکوں کی جگہ سکھ ملک تعینات کر دیئے، مجموعی طور پر ملک تاجروں کا سرمایہ تھے۔ ان کے بغیر وہ بڑی مشکلات و خطرات کا سامنا کرتے۔ اس واسطے بیرن ہیوگل کے الفاظ میں اگر ان کی فیس بے حد زیادہ تھی تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ (۱)

جب ڈوگرہ برسر اقتدار آئے اور مواصلات و ٹرانسپورٹ کی حفاظت کے لیے بعض شاہراہوں پر جا بجا پولیس چوکیاں قائم کر دی گئیں تو ملک ایک ادارہ کی حیثیت سے غائب ہو گئے۔ جو بات باقی رہی وہ یہ تھی کہ ان میں سے کچھ نے ہندو یاتریوں کو امرناتھ کی گپھا اور ہر مکت گنگا میں لے جانے کا کام جاری رکھا۔ اس کے عوض وہ ان جگہوں سے جمع شدہ نقد و جنس نذرانوں کا ایک

---

(۱) ہیوگل کشمیر ج ۲، ص ۱۷۱

تہائی وصول کرتے۔

وادی

کشمیر وادی جہلم ندی اور اس کے معاون دریاؤں سے بنے ہوئے میدان اور سطح مرتفع پر مشتمل ہے جسے اونچے اونچے پہاڑوں کی فصیل گھیرے ہوئے ہے۔ اس کا عرض شمالاً ۳۰ و ۳۲، اور ۳۰ و ۳۴ اور طول بلد شرقاً ۲۰ و ۷۴، اور ۴۰ و ۷۵، ہے۔ یہ شکل وصورت میں بیضوی ہے اس کی لمبائی تقریباً ۸۹ میل ہے اور چوڑائی شمال مغرب کی طرف ۲۰ سے ۲۵ میل ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً ۲۰۰۰ مربع میل ہے۔
اس کی خوشگوار وصحت افزا آب وہوا کھیتوں اور جنگلوں کے زنگارنگ مناظر حسین وعالی شان پہاڑ مسحور کن حسن فطرت نے عالم گیر شہرت حاصل کی ہے ایسا کون ہوگا جس نے کشمیر کے قدرتی عجائبات کے بارے میں کچھ نہ سنا ہو۔ گزشتہ صدہا برسوں سے یہ ملک سیاحوں اور درویشوں پر ایک جادو کرتا آیا ہے۔ ایک جادو جو ان کو بار بار کھینچ کر یہاں لاتا رہا۔
فادر جیروم اکسویئر جس نے ۱۵۹۷ میں اکبر کے ہمراہ کشمیر کی سیاحت کی۔ ...... رقمطراز ہے: کشمیر کی قلمرو ہندوستان بھر کے ملکوں میں بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ مشرق میں خوشگوار ترین اور حسین ترین قلمرو ہے اس کو پورے طور پر بلند وبالا پہاڑوں نے گھیرے میں لے رکھا ہے جو سال کا اکثر حصہ برف سے ڈھکے رہتے ہیں اور باقی ملک ایک خوبصورت میدانی علاقہ ہے جسے ہرے بھرے بوقلموں درختوں کے جھنڈ اور باغات نے ڈھانپ رکھا ہے جن کو چشمے اور نہریں سیراب کرتی ہیں۔ یہاں کے باشندوں کے لیے یہ سرزمین بے حد پسندیدہ وخوشگوار ہے۔
برنیئر پر تو وادی نے جب اس نے ۱۶۶۳ء میں اس کی سیر کی جادو ہی کر دیا تھا۔
پروفیسر فوچر نے بھی نہایت لطیف انداز میں حسن کشمیر کی تعریف کی ہے وہ لکھتا ہے: میرا خیال ہے کہ اس مخصوص حسن کا جسے ہر آدمی پسند کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ بھی جو اس کا تجزیہ نہیں کر پاتا اصل سبب یہ نہیں کہ اس میں جھیلیں ہیں برف پوش پہاڑوں کا جلال ہے یا ٹھنڈی

ہوا میں چلنے والی ہزاروں نہروں کے نغمات ہیں بلکہ جو چیز صرف کشمیر میں ہی پائی جاتی ہے وہ ہے حسن کی دونوں اقسام کا فطرت کے اندر اجتماع جو بے جان چیزوں کو ایک پر اسرار زندگی بخشے ہوئے ہے (۱)

آئیے اب یہ دیکھیں کہ کشمیر کے بارے میں ایشیائی کیا کہتے ہیں:

تیمور کہتا ہے: اپنی دل فریبیوں، لطافت ہوا موسم کی خوشگواری اور میووں کے تنوع کے اعتبار سے ملک کشمیر منفرد ہے (۲) مرزا حیدر دغلت کے الفاظ میں ریاست کشمیر دنیا کے مشہور ترین ملکوں میں شمار ہوتی ہے اور کشش و حیرت انگیزی کے لیے قابل تعریف، فیضی تو بالکل ہی کشمیر کا دالہ و شیدا تھا۔ ابوالفضل نے اس ملک کو سحر انگیز قرار دیا اور ایک ایسا ملک جسے صحیح طور پر بہار جاویداں کا گلشن کہنا چاہیے جس کو ایک نا ملک بوس قلعہ نے گھیرا ہوا ہے جو بجا طور پر دنیا دار کے لیے آرام دہ اور تارک الدنیا کے واسطے سکون بخش ٹھکانا ہے (۳) کشمیر کے حسن سحر پرور نے عرفی پر ہیناٹزم کا سا اثر کیا تھا۔ اس نے کشمیر کی آب و ہوا کے جواں ساز اثر کا ذکر اپنے مشہور شعر میں کیا ہے (۴)

اکبر اس ملک سے اس قدر مسرور ہوا کہ اس نے اسے اپنا ذاتی باغ قرار دیا۔ جہانگیر جو پیدائشی طور پر فطرت پرست اور ماہر چمن بند تھا اسی کے حسن کا ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ تحریر کرتا ہے۔ کشمیر بہار جاوداں کا ایک چمن ہے یا وہ سلاطین کیلئے آہنی حصار، سلاطین کیلئے ایک مسرت بخش پھولوں کی سیج اور درویشوں کے لیے نعمت دل کشا۔ وہ ان الفاظ پر اپنا بیان ختم کرتا ہے کہ اگر کوئی کشمیر کی تعریف کرنے بیٹھے تو اسے ضخیم کتاب لکھنا پڑے گی۔ (۵)

۱۔ راج ترنگنی (ترجمہ پنڈت) مقدمہ ر (۲) ملفوظات تیموری قلمی ص ۵۹۱

(۳) آئین ج ۲، ص ۳۴۸ (جیرٹ)

(۴) ہر سوختہ جانی کہ بکشمیر در آید ۔ گر مرغ کباب است کہ با بال و پر آید ۔ (عرفی)

(۵) توزک ج ۲ ص ۱۴۳-۱۴۴

لیکن اس تصویر کا دوسرا رُخ بھی تو ہے۔ کشمیر کا موسم بہار اور ڈھلی ہوئی بہاریں اس کے حسن کے دائمی خد وخال نہیں ہیں یہاں سردی بھی تو ہے جو بے حد شدید ہوتی ہے۔ کشمیر کے حسن کی تعریف کرنے والوں میں سے غالباً بہت کم کو اس سردی کا تجربہ ہوا ہوگا ہیون سانگ کشمیر کی سردی کا حال جس کا تجربہ اسے ذاتی طور پر ہوا تھا اس طرح لکھتا ہے:

موسم ٹھنڈا اور سخت ہے برف زیادہ گرتی ہے لیکن ہوا کم چلتی ہے لوگ چمڑے کی صدری اور سفید سوتی کپڑے پہنتے ہیں (۱) کشمیر کا موسم سرما بہت طویل اور شدید رہا ہے جس میں شدید برف باری ہوتی جو زندگی کو تقریباً مفلوج کر دیتی بلکہ جہلم ندی اور اس کی نہریں منجمد ہو جاتی رہی ہیں۔ کلہن نے ان سختیوں کی تفصیل دی ہے جو بھوج (۴۹-۲۸-۱۱۶) کی فوج نے موسم سرما میں برف پوش پہاڑیوں سے گزرتے ہوئے برداشت کیں (۲) یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اس زمانے میں شدید سردیوں میں اونچے پہاڑی سلسلوں پر برف زیادہ سے زیادہ چالیس سے ساٹھ فٹ تک گرتی تھی (۳) شدید سردیوں میں زندگی معطل ہو جاتی تھی بے وقت کی برف باری ہولناک کال امراض اور اموات پر منتج ہو جاتی۔ ان حالات میں بلند برف پوش پہاڑ قحط زدہ کشمیریوں کو سنگین زندہ خانہ میں بند کر دیتے جہاں سے بھاگ نکلنا مشکل اور اشیائے خوردنی کی درآمد ناممکن ہو جاتی۔ زندگی کی ان شرائط اور ایسے ماحول نے کشمیریوں کے کردار، روایات اور رسم و رواج کو مرتب و متاثر کیا ہے۔

---

(۱) سی لوکی ج ۱ ص ۱۴۸

(۲) راج ترنگنی ترنگ ۸ ص ۱۳۷۶

(۳) جغرافیۂ قدیم (انگریزی) سٹائن فقرہ ۸ نوٹ ۱۰

باب دوم

تاریخی پس منظر

اگرچہ کشمیر کی ابتدائی تاریخ بڑی حد تک اندھیرے میں ڈوبی ہوئی ہے تاہم بعض یقینی و مستند حقائق ہم متعین کر سکتے ہیں جو تاریخ کے ابتدائی نقوش کے طور پر قبول کیے جا سکتے ہیں ۔

موریہ خاندان

معلوم ہوتا ہے کہ اشوک نے کشمیر کو اپنی مذہبی تبلیغ میں شامل کیا تھا اس کا کوئی فرمان ابھی تک وادی میں دریافت نہیں ہو سکا لیکن مانسہرہ کا فرمان اس کا ایک ثبوت ہے ۔ ہیون سانگ کے بقول اشوک نے کشمیر میں ستوپا اور وہار تعمیر کروائے تھے (۱) کلہن بیان کرتا ہے کہ بادشاہ اعظم اشوک نے جس نے ساری زمین پر حکومت کی خیرات خانے تعمیر کروائے اور کشمیر کے پایہ تخت سری نگر شہر کی بنیاد رکھی (۲)
اشوک کے بعد کشمیر پر جلوک نے حکومت کی وہ بودھ مت کا دشمن تھا لیکن اس نے امن و امان قائم کیا اور قنوج کے برہمنوں کو یہاں لاکر آباد کیا اس نے ملیچھوں (یونانیوں) کو جو اشوک کے عہد میں یہاں گھس آئے تھے نکال باہر کیا اور انتظام و مملکت داری کا مکمل سسٹم قائم کیا (۳)

کشان

کشمیر کو قلمرو کشان میں شامل کیا گیا تھا۔ کشان بادشاہ ہشک، جشک اور کنشک نے بالترتیب

(۱) سی یو کی ج ۱، ص ۱۵۰ (۲) راج ترنگنی ترنگ ۱، ص ۱۰۴
(۳) راج ترنگنی ترنگ ۱، ص ۱۲۰-۱۱۰ ۔

خوبصورت قصبوں اشکور ، زدکور اور کانشک پور کی بنیاد رکھی کنشک نے تیسری عظیم بودھ کونسل کنڈل وَن (۱) میں منعقد کرائی اور ملک کو بودھ چرچ کے سپرد کر دیا ۔ ہیون سانگ کے مطابق وہ فیصلے جو اس کونسل میں کیے گئے تانبے کی تختیوں پر کندہ کر کے سٹوپا کے سنگی ظرف میں رکھے جاتے جس پر سٹوپا تعمیر کیا جاتا ۔

کشانوں کے زوال کے بعد کشمیر پر ابھی مینو حکومت کرنے لگا اس کا نام گاؤں بمیون سے زندہ ہے جو سری نگر سے جنوب مغرب کی طرف دو میل کے فاصلے پر واقع ہے ۔ اس کا عہد بودھ مت اور برہمن مت کے درمیان کشمکش کا عہد تھا آخر بودھ مت کو دھچکا لگا اور بادشاہ بدھ مت کا دشمن ہو گیا ۔ وہ اولین معلوم بادشاہ ہے جو موسم سرما میں دارد ابیسار (۲) کے علاقوں میں اتر آتا اس کے بعد گونند خاندان کے بانی راجہ گونند نے اقتدار سنبھالا ۔ وہ ناگ پوجا کا زبردست سرپرست تھا ۔ یہ مسلک اس کے عہد میں خوب پھلا پھولا ۔ اس کے آٹھ جانشینوں کے فقط نام ہی معلوم ہوئے ہیں ۔

هُن

ھنوں کی یورش سے ہم تاریخ کشمیر کے ایک اہم موڑ پر پہنچ جاتے ہیں ۔ تورمان نے پانچویں صدی کے آخر تک حکومت کی ۔ اس کے بیٹے مہرکل کے کارناموں اور کردار پر کلھن نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے ۔ وہ اسے جابرانہ کاموں کا آدمی اور زمین پر خدا کا "تازیانہ" قرار دیتا ہے جس نے لوگوں کو بلا امتیاز تہہ تیغ کر دیا ۔ آخر میں وہ شیومت کا پرجوش حامی بن گیا اور بودھوں کا قتل عام کروایا ۔ برہمنوں کو بے دریغ نوازنا شروع کیا اور ان کی رسوم و روایات کو دوبارہ زندہ کر دیا ۔

مہرکل کی موت سے کارکوٹ خاندان کے برسر اقتدار آنے تک کے درمیانی عرصہ میں کوئی پچیس

(۱) شالامار باغ اور ہارون کے نزدیک

(۲) جہلم اور چناب کے درمیان پائیں اور درمیانی پہاڑوں کا علاقہ بشمول راجوری و بھمبر : مؤلف ؛

حکمرانوں نے کشمیر پہ حکومت کی لیکن ان میں سے فقط تین قابل توجہ ہیں۔
پہلا تو گوپادت ہے جس نے سری نگر کے محلہ گپکار اور مندر جیشور (تخت سلیمان) کی بنیاد رکھی۔
دوسرا ماتری گپت ہے جس نے اجین کے راجہ بکرامادت کی مدد سے حکومت کشمیر پہ قبضہ کیا۔ تیسرا پرورسین
ہے جس نے سری نگر شہر کو آباد کیا۔

کارکوٹ خاندان

کارکوٹ خاندان کی تخت نشینی کے ساتھ تاریخ کشمیر حقیقی و واقعی بنتی ہے اب یہ تاریخ قصہ کہانی نہیں رہتی۔ اس کے بعد اہم شاہان و واقعات کا ذکر سکوں، بیرونی سیاحوں کی تحریروں اور معاصر تاریخوں میں ملتا ہے، کارکوٹ خاندان کا پہلا بادشاہ درلبھ وردھن ہوا ہے چینی تواریخ میں اسے بادشاہ تولوپا کہا گیا ہے۔ اس کے عہد حکومت میں ہیون سانگ کشمیر آیا اور یہاں دو سال تک (۳۳-۶۳۱) ٹھہرا۔ اس نے بادشاہ کو مہمان نواز اور بودھوں کا خیر خواہ پایا مگر اس کی رعایا بودھ ذہن نہیں رکھتی تھی۔ لوگ ہندو روایات کے پیرو اور ہندو دیوتاؤں کے پرستار تھے اس عہد میں قلمرو کشمیر بہت وسیع تھی اس میں ٹیکسلا ہزارہ سلسلہ کوہ نمک اور راجوری و پونچھ کی پہاڑی ریاستیں شامل تھیں (۱) ملک میں امن و خوشحالی کا دور دورہ تھا۔

دوسرا بادشاہ چندرپید ہے چینی ریکارڈ میں اسے چن تو لو-پی-لی ضبط کیا گیا ہے وہ چینی بادشاہ ہیون سنگ ۵۵-۷۱۳) کے ساتھ سیاسی و تجارتی اتحاد رکھتا تھا کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے بھائی تاراپید کے جادو کا شکار ہو گیا جو بعد میں تخت نشین ہوا (۲) خود تاراپید کو برہمنوں نے سحر و افسوں کے ذریعے ہلاک کر دیا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کا جانشین للتادت ہوا۔

---

(۱) حیات ہیون سانگ۔ بیل ص ۶۸، ۱۹۲
(۲) کشمیر میں جادوگری سے متعلق دیکھیے: مارکو پولو یول ۱، ص ۱۷۵

للتادت (مکتا پید)

یہ کشمیر کا مشہور ترین ہندو حکمران ہو گزرا ہے ۔تانگ خاندان کا ریکارڈ اس کو مو۔تو۔پی کے نام سے یاد کرتا ہے جو بادشاہ ہیون سنگ کے پاس ۲۰۰۰۰ فوجی دستوں کی امداد لینے کے لیے پہنچا تاکہ تبتیوں کے خلاف جنگ لڑی جاسکے ۔البیرونی اس کا موتائی کے نام سے ذکر کرتا ہے جو ایک وسیع سلطنت کا حکمران تھا ۔کشمیری ہندو اس کی کامیابی کا جشن برپا کرتے ہیں ۔کلہن اسے ایک جلیل القدر فاتح قرار دیتا ہے جس نے حدود کشمیر سے باہر بھی اپنا لوہا منوایا اس نے قنوج کے راجہ لیشوورمن کو تخت سے اتار کر مروا ڈالا اور وہ مشہور شاعر بھاؤ بھوتی کو اپنے دربار میں لایا (۱) اس نے بلخ و بخارا پر چڑھائی کی ،مغربی تبت کو فتح کیا اور کانگڑہ و جالندھر کا فرمان روا بنا (۲)۔ اندرونی طور پر بھی اس کے دور میں کشمیر نے ترقی کی ۔مارتنڈ کے عظیم الشان مندر کے کھنڈر اس کے عہد کی عظمت اور رعایا کی خوشحالی کے آثار و نشانات ہیں۔

تاریخ کشمیر کئی ایسے عظیم و بہادر بادشاہوں کی مثالیں پیش کرتی ہے جن کی جانشینی عموماً کمزور کاہل اور جابر حکمرانوں کو ملی ۔للتادت کے بڑے بیٹے نے ایک سال کے بعد حکومت چھوڑ دی اس کا چھوٹا بیٹا سنگ دلانہ کاموں اور شہوت پرستی میں اپنی طاقت ضائع کرنے لگا ۔اس نے اپنی رعایا ملیچھوں کے ہاتھ بیچ دی اور ان کی تہذیب و ثقافت اپنالی۔

اس کے پوتے جایا پیڈ نے للتادت کی روایات کا احیاء کیا اس نے خوبصورت شہر اندرکوٹ بسایا اور علوم و فنون کی سرپرستی کی دمودر گپیت ،کیسر پانڈتا ،منورتھ ،اور بھٹ اودا بھٹ جن کی تصانیف معاصر زندگی اور سماجی حالات پر بڑی روشنی ڈالتی ہیں اس کے دربار کے آفتاب و

---

(۱) ارلی ہسٹری ۔ص ۳۹۲

(۲) ارلی ہسٹری ۔ ص ۱۶۶

ماہتاب تھے۔ آخری عمر میں وہ بدچلن اور ظالم ہو گیا اس نے بھاری ٹیکس لگانے، کسانوں کو فالتو غلہ سے محروم کر دیا اور برہمنوں سے زمینی جاگیریں واپس لے لیں۔ اس پر برہمنوں نے بغاوت کر دی اور بھوک ہڑتال پر اتر آئے۔ جایا پید کے بعد کارکوٹ خاندان کی تاریخ چھ کٹھ پتلی بادشاہوں کے سبب ریکارڈ باعث ننگ سے موعمار بن گئی۔ آخری بادشاہ اپتلا پید کو اس کے وزیر سور نے ۸۵۵ میں برطرف کر کے اونتی ورمن کو تخت حکومت پر بٹھا دیا۔

اپتلا خاندان

اونتی ورمن (۸۵۵-۸۳)

کارکوٹ خاندان کے آخری عہد میں کشمیر نے کافی مصائب برداشت کیے یہاں تک کہ کشمیر کی ریاستیں بھی اس سے الگ ہو گئیں۔ مگر نیا بادشاہ اونتی ورمن اپنی رعایا کا زبردست دوست و خیر خواہ رہا۔ اس نے زیادہ تر تعلق اندرونی سلامتی اور ملک کی خوشحالی سے رکھا جو وقت کی سب سے بڑی ضرورت تھی، وہ خوش نصیب تھا کہ اس نے اپنے دو وزیروں سور اور سویا کی مدد سے اپنا منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچایا۔ سور بے نظیر قابلیت اور سمجھ کا حامل تھا وہ سخت گیر تو تھا مگر غیر جانبدار بھی تھا۔ بادشاہ کو تخت اسی کی وجہ سے ملا تھا اور ہسیر لوز کا شہر اسی نے تعمیر کروایا تھا۔

اس کے برعکس سویا زرعی اقتصادیات اور علم قوۃ المائیں خوب ماہر تھا وہ غالباً پہلا آدمی ہے جس نے غیر معمولی ذہانت کی وجہ سے یہ نکتہ سمجھ لیا کہ کشمیر میں سیلابوں کا بڑا سبب دریائے جہلم ہے، جب اس کی گذرگاہ بارہ مولہ کے نزدیک پتھروں اور مٹی سے بھر جاتی ہے جو یہ دریا اور اس کی معاون ندیاں بہنے ساتھ لاتی ہیں تو سیلاب آتا ہے گزرگاہ کو صاف کرنے کے لیے جو پرانا مقامی طریقہ اس نے اپنایا اس پر عصر حاضر کے ماہرین قوۃ المار حیران ہوں گے، جو کچھ اس نے کیا وہ بے حد سادہ سا کام دکھائی دیتا ہے۔ اس نے دیار گل کے مقام پر جہاں دریا کی روانی رک گئی تھی پانی میں سکے

پھینک دیئے۔ فوراً ہی قحط زدہ لوگ سکوں کے لیے پانی میں کود پڑے۔ زر کی تلاش میں انہوں نے دریا کی تہہ کو صاف کر دیا اور پانی تیزی سے رواں ہو گیا اس کے بعد سویا نے دریا کی رفتار کو باقاعدہ بنا دیا اس نے جہاں بھی ممکن ہوا، زمینیں کاشت کروائیں اور نہروں کے ذریعے خشک زمینوں کو سیراب کرنے کا انتظام کیا، جلد ہی کشمیر میں خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا۔ کیونکہ کسانوں نے جی بھر کر اناج پیدا کیا شالی کی قیمت جو اس ملک کی خاص پیداوار ہے ۲۰۰ دینار سے گر کر ۳۶ دینار خروار ہو گئی۔ آج تک سویا کا نام سوپور کے حوالے سے جسے اس نے بسایا تھا زندہ ہے۔ ملک کی اندرونی خوشحالی کا پتا کثیر التعداد مندروں سے بھی چلتا ہے جو بادشاہ نے تعمیر کروائے تھے۔ خاص طور سے شہر اونتی پور کے بانی کی حیثیت سے اسے یاد کیا جاتا ہے۔ اونتی پور میں مندر کے موجودہ آثار اس کی سخاوت و فیاضی اور رعایا کی ثروتمندی کا واضح ثبوت ہے۔

اونتی ورمن نے اپنے بیٹے ششنکر ورمن کو اور جانشین شنکر ورمن کو ایک آسودہ و مرفہ الحال ریاست ورثہ میں دی۔ اس نے اسے موقع دیا کہ وہ جنوب کی پہاڑی ریاستوں میں کشمیر کے اقتدار اعلیٰ کو منوا سکے اس نے کانگڑہ، گجرات اور ہزارہ کو مطیع کیا (۱) لیکن اس کے جمع شدہ وسائل فتوحات کا منصوبہ مکمل کرنے سے پیشتر ہی ختم ہو گئے۔ ان حالات سے مجبور ہو کر اس نے عوام پر مزید ٹیکس ٹھونس دیئے اس نے مندروں سے دولت لوٹی۔ پیمانوں کا وزن گھٹا دیا اور مکروہ ترین سسٹم کار بیگار رائج کیا جب وہ مر اتو ہزارہ کو پوری طرح مطیع نہیں کر پایا تھا۔

خانہ جنگی

دسویں صدی کے شروع ہوتے ہی ہمیں تین سیاسی پارٹیاں نظر آتی ہیں جو دراصل فوجی اور دولت مند خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ مغرور و سرکش لوگ تھے اور سیاسیات کشمیر میں المناک رول ادا

---

(۱) راج ترنگنی ترنگ ۵، ۱۴۰-۱۴۹، ۲۱۷

کرتے رہے۔ یہ تنتری۔ ڈامر اور اکانگ کے ناموں سے مشہور ہوئے۔ طاقت ور حکمرانوں کے عہد میں
میں ان کی بے تاب و مفسد فطرت کنٹرول میں رہی، لیکن جنوبی ہند، کابل، اور کشمیر سے ملحق علاقوں پر
مسلم حملہ کے نتیجہ میں بڑھتی ہوئی سیاسی بے چینی کے سبب ......، غیر یقینی ماحول نے کشمیر کو بھی اپنی
گرفت میں لے لیا۔ اس کی پہلی علامت تو یہ تھی کہ سرحدی سرداروں نے جو عام طور پر کوٹ راجہ کہلاتے
تھے، باغی ہو گئے اور انہوں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ وادی کے اندر بھی کرایہ دار سپاہیوں کے
دستوں اور خود غرض جاگیر داروں نے قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ تنکر ورمن کی اچانک موت نے صورت حال
کو اور بھی بگاڑ دیا تھا۔

پھیلی ہوئی اس افراتفری سے نابالغ ولی عہد گوپال ورمن اور اس کی ماں سوگندھا نے پربھاکر دیو
کی پناہ لے لی جو اپنے وقت کا طاقت ور وزیر تھا مگر ملکہ کے بدکارانہ چال چلن نے عام نفرت پیدا کر دی تھی۔
تنتریوں نے بغاوت کر کے اس پر غلبہ پا لیا۔ انہوں نے تاج پارتھ (۲۱ - ۹۶۰) کے سر پر رکھ دیا جو
شاہی خاندان کا فرد تھا۔ یہ فیصلہ ملکہ کو خوش نہ رکھ سکا اس نے اکانگیوں کو اعتماد میں لے کر حصول
تخت کے لیے ایک اور کوشش کی، لیکن وہ ناکام رہی اور اسے جان کی قیمت ادا کرنا پڑی۔ سوگندھا
کی موت نے تنتریوں کی فتح کا اعلان کر دیا۔ جن کی بالادستی ۹۳۶ تک قائم رہی جب ڈامروں نے
ان کو میدان سے نکال باہر کیا۔ انہوں نے آئینی بادشاہ چکر ورمن کو تخت پر بٹھا دیا، لیکن وہ بُرا انتخاب
ثابت ہوا۔ اس نے جلد ہی ان کو بھلا دیا اور خاندان ڈومب کے ہاتھوں میں کھیلنے لگا جو اس کا اخلاق
خراب کرتا رہا۔

اس صورت حال کو ڈامر، جو تنتریوں سے زیادہ تند و تیز تھے۔ ہرگز برداشت نہ کر سکتے تھے
وہ بادشاہ کو اپنی خواب گاہ میں موت کے گھاٹ اتارنے میں کامیاب ہو گئے۔ تب انہوں نے
پارتھ کے بیٹے انمت اونتی (۳۹ - ۹۳۷) کو تخت پر لا بٹھایا۔ نیا بادشاہ سب سے بُرا نکلا اس
محسن کش نے اپنے باپ کو مروا دیا، اپنے سوتیلے بھائیوں کو فاقوں سے ہلاک کروا دیا۔ وہ مرد و زن کو پیدائشی
درندوں کی طرح قتل کرنے میں شیطان کی مانند خوشی محسوس کرتا تھا۔

—— ۵ ——

اممنت اونتی کی موت سے ایک طرف ڈامروں، اکانگیوں اور تنتریوں کے اور دوسری طرف کمانڈر ان چیف کمال وردھن کے مابین جنگ جاہ طلبی کا آغاز ہوا۔ ملٹری کی جماعت کامیاب ہوئی۔ تاج کمال وردھن کے پاؤں میں ڈال دیا گیا مگر وہ اسے پہننے سے پس وپیش کرتا رہا حد سے زیادہ احتیاط کرتے ہوئے وہ برہمنوں کی اسمبلی میں پہنچا اور ان سے یہ فیصلہ کرنے کو کہا کہ بادشاہ کس کو ہونا چاہیئے وہ سمجھتا تھا کہ اس کا انتخاب طے شدہ مسئلہ ہے کیونکہ اس نے بادشاہ کی پارٹی کو ہرا دیا تھا لیکن اس کے تخمینے غلط نکلے وہ یہ سنہری موقعہ ہاتھ سے دے بیٹھا۔ خودغرض ومکار برہمنوں نے اس کی جگہ یسکر کا انتخاب کر لیا کیونکہ اسے شاہ پرست بھی پسند کرتے تھے۔

یسکر (۴۸-۹۳۹)

وہ تعلیم یافتہ اور تجربہ کار تھا خود اختیار جلاوطنی نے اس کو فہم وفراست میں پختگی عطا کر دی تھی لیکن جاہ طلبی میں بھی اضافہ کر دیا تھا وہ باجرأت اور انصاف پسند تھا اچھے عادات واطوار اور بڑی معاملہ فہمی کا مالک تھا اس نے اپنے آپ کو برسراقتدار پارٹی کا چہیتا بنا لیا تھا جس سے برہمن اسمبلی کے ہاتھ مضبوط ہو گئے بادشاہ کی حیثیت سے اس نے بدنظمی کے طویل عرصہ کے بعد ملک میں نظم وسکون قائم کیا۔ بے لاگ انصاف سے حکومت کرتا رہا۔ تمام لوگ اپنے اپنے پرامن اور تخلیقی پیشوں میں مصروف ہو گئے کسان کھیتی باڑی کرتے اور برہمن پڑھتے پڑھاتے۔ انہوں نے ہتھیار اٹھائے پھرنا اور تہواروں میں شراب نوشی کو ترک کر دیا تھا۔ درویش وجوگی شادی نہ کرتے۔ کوئی شخص گھر یا دکان وغیرہ کا دروازہ مقفل نہ کرتا۔ سفر آرام وسلامتی سے کیا جاتا کیونکہ چوری ورہزنی کو طاقت کے ذریعے ختم کر دیا گیا تھا لیکن آگے چل کر یسکر جیسا اچھا بادشاہ بھی حرص وشہوت رانی کا شکار ہو کر رہ گیا۔ آخر اپنے ہی وزیروں کے ہاتھوں زہر کھا کر المناک موت مرا۔ اب تخت پر اممنت ونتی کے جاہ طلب وزیر پرو گپت نے قبضہ

کر لیا مگر وہ ڈیڑھ سال کے عرصہ میں ہی چل بسا اور اس کا بیٹا کشیم گپت تخت نشین ہوا۔ کشیم گپت کی شادی پونچھ کے راجہ سیم راجہ کی لڑکی ددا سے ہوگئی اور اس طرح کشمیر کا اقتدار اعلیٰ پونچھ خاندان میں منتقل ہوگیا اور حکمرانوں کے لوہر خاندان کی بنیاد پڑی۔

ملکہ ددا اودھند کے بادشاہ بھیم شاہی کی پوتی تھی۔ وہ زبردست سیاسی فہم و فراست کی مالک اور سہم جو تھی اپنے باپ سے اس نے حکمت و سیاست میں کافی تربیت پائی تھی مگر اس کی کوتاہیاں بھی زیادہ تھیں۔ وہ بے حد شہوت پرست اور جاہ طلب تھی کشیم کی موت پر تمام اختیارات ددا کے ہاتھوں میں آ گئے۔ وہ اپنے بیٹے ابھی مینو (۲، -۹۵۸) کے قائم مقام کی حیثیت سے کام کرتی رہی اور اس کی موت پر بھی اپنے نابالغ بیٹے نندی گپت (۳، ۲-۹۷۲) کی طرف سے امور مملکت چلاتی رہی۔ پھر اس میں ایک اچانک تبدیلی آگئی وہ اپنے اعمال پر نادم ہوگئی۔ اپنا بیشتر وقت دعا و مناجات میں گزارتی۔ اس نے مذہبی موقوفات قائم کئے۔ سری نگر کا موجودہ محلہ ددہ مر اس کے نام کا زندہ ثبوت ہے۔

لیکن یہ تبدیلی عارضی ثابت ہوئی اس کی اصلی فطرت پھر عود کر آئی۔ ہوس اقتدار میں اس نے اپنے نابالغ بیٹے نندی گپت اور اس کے بھائی کو مروا دیا۔ پھر اس نے تنگ کو جو دراصل پونچھ کا گوجر تھا نوازنا شروع کر دیا خوش بختی اسے اپنے پانچ بھائیوں کے ہمراہ کشمیر میں لائی تھی۔ یہاں اس کو نامہ رسانی کی ملازمت مل گئی۔ وہ موٹا تازہ حسین نوجوان تھا اور ملکہ کی اس پر جب اچانک نظر پڑی تو وہ اس پر عاشق ہوگئی اور اسے اپنے زیر سایہ لے آئی وہ رفتہ رفتہ اس کا وزیر اعظم بن گیا تنگ اور اس کے پانچ بھائیوں کی حمایت سے ددا نے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ اور وہ ۲۳ سال (۱۰۰۳-۹۸۰)[1] تک مطلق العنان ملکہ بنی رہی۔ رعایا نے اس کی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ برہمنوں نے اسے مجبور کرنے کے لیے بھوک ہڑتال کر دی لیکن ہوشیار ملکہ نے تمام مخالفین کو موقعہ کے مطابق رشوت یا ڈپلومیسی سے دبا دیا گھر میں مضبوط ہو کر وہ باہر کے لیے اور مضبوط ہوگئی۔ اس کا شروع سوخ اور بڑھا جب تنگ نے راجوری کے

---

[1] (۱۰۰۳-۹۸۰)

طاقت ور راجہ پرتھوی پال پر فتح حاصل کر لی۔ ملکہ نے زندگی ہی میں اپنے بھتیجے سنگرام راج کو جو بلاشبہ ایک لائق شاہزادہ تھا اپنا جانشین بنا دیا تھا۔

—— ۶ ——

لوہر خاندان (۱۰۰۳-۲۸)

گیارھویں صدی میں شمالی ہند کی ہندو سلطنت پر ترکوں کے پیہم حملے شروع ہوئے۔ سبکتگین اور اس کے بیٹے محمود غزنوی کے متواتر حملوں نے اس قدر گرد بڑ پھیلادی کہ بنیادی طور پر برصغیر کی تاریخ ہی بدل گئی۔

محمود نے فتح ہند کی سکیم میں کشمیر کو شامل رکھا تھا تاکہ سنگرام راجہ کو جو ترلوچن پال کا رشتہ دار اور اتحادی تھا سزا دی جائے بقول عتبی ہند کا کوئی علاقہ کشمیر کے سوا غیر مفتوح نہ رہا تھا چنانچہ محمود نے اس ملک پر چڑھائی کا فیصلہ کر لیا (۱)

محمود نے دو بار پنجاب سے ہو کر کشمیر پر حملہ کیا پہلا حملہ ۱۰۱۵ء میں کیا۔ وہ جہلم سے پونچھ ندی کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا تاکہ توسہ میدان سے کشمیر وادی میں گھس سکے۔ اس حملہ کو لوہر کوٹ کے پہاڑی قلعہ پر روک دیا گیا جس کا اس نے محاصرہ کر لیا مگر شدید برف باری کے باعث مواصلاتی نظام درہم برہم ہو گیا پھر بھی وہ ایک ماہ تک ڈٹا رہا۔ آخر کار وہ محاصرہ اٹھانے اور واپس لوٹ جانے پر مجبور ہو گیا۔

دوسری بار محمود نے ستمبر، اکتوبر ۱۰۲۱ء میں کشمیر پر حملہ کیا۔ اب کے بھی اس نے وہی رستہ اختیار کیا اور لوہر کوٹ کے قلعہ پر ایک ماہ تک محاصرہ برقرار رکھا۔ انہی دنوں شدید سردیاں شروع ہوئیں اور اس کی فوجیں مایوسی و بیچارگی کا شکار ہو گئیں۔ اس بار بھی اسے نہایت ہی مایوسی

لے: تاریخ ہند (ایلیٹ وڈوسن) ج ۲، ص ۴۱

میں محاصرہ اٹھانا پڑا۔ اور آخر کار محمود نے فتح کشمیر کا خیال ہی چھوڑ دیا۔

اننت (۱۰۲۸-۶۳)

سلطان محمود کی شدید مایوسی ؤ شکست کے بعد سنگرام راجہ کئی برسوں تک زندہ رہا وہ ۱۰۲۸ میں دو بیٹے چھوڑ کر مرا۔ بڑا بیٹا ہری راجہ تخت نشین ہوا۔

لیکن وہ بائیس دن کے بعد اپنی بدکار ماں سری لیکھا کے ایجنٹوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا اب اس نے آپ تاج پہننے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی تاہم وہ اپنے نابالغ بیٹے اننت کے سرپرست کے طور پر کام کرتی رہی۔

اننت کا ابتدائی عہد اُستروں کی مالا ثابت ہوا اسے ڈامروں کی طاقت ور بغاوت کو جس کی حمایت کمانڈر ان چیف کر رہا تھا دبانا پڑا۔ پھر اسے پونچھ اور چمبہ کے راجاؤں کے مشترکہ حملے کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی پر بس نہ ہوئی بلکہ وردستان کے چیف نے بھی حملہ کر دیا۔ اننت تمام آزمائشوں میں کامیاب ہوا۔ اس کی کامیابی ذاتی ہمت اور شاہی شہزادوں[1] کی وفادارانہ حمایت کی وجہ سے ہوئی جو ان دنوں محمود کے خوف سے ترک وطن کر کے کشمیر میں مہاجرت کی زندگی گزار رہے تھے تاہم جلد ہی سیاسی پریشانیوں، غیر محتاط عادات اور کمزور کردار نے اننت کو مالی مشکلات سے دوچار کر دیا مگر باثر ملکہ سوریامتی اور وفادار وزیر اعظم ہلدھر نے حالات پر قابو پا لیا۔

کلس (۱۰۶۳-۸۹)

جلد ہی راجہ اننت کے کمزور کردار نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ اپنے بیٹے کلس کے حق میں تخت سے دست بردار ہو جائے یہ بیٹا باپ سے بڑھ کر بیکار نکلا۔ کلس کی بدکاری اور والدین دشمنی

---

[1] ہندو کا شاہیہ خاندان

نے باپ کو اتنا ستایا کہ وہ خودکشی پر مجبور ہو گیا سوریامتی شوہر کی چیتا پر زندہ جل مری۔

والدین کی المناک موت نے کلس کے اخلاق پر اچھا اثر ڈالا وہ نادم ہوا اور اپنا وقت اور طاقت مذہبی امور اور خدمت خلق میں صرف کرنے لگا اس سے اس کو بہت بڑی اخلاقی طاقت نصیب ہوئی وہ پڑوس کی پہاڑی ریاستوں، ہزارہ، چمبہ، بلادر، راجوری، پونچھ، بھدرواہ اور کشتواڑ کو مطیع بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ ان ریاستوں کے شکست خوردہ سردار حلف وفاداری اٹھانے کے لیے راجہ کے سامنے سری نگر میں پیش ہوئے، لیکن اس کی زندگی کے آخری برسوں کو اس کے من چلے بیٹے ہرش نے داغدار بنا دیا۔ سکون حاصل نہ ہوا۔ وہ غم میں دیوانہ سا ہو گیا اور شہوت رانی سے دل بہلانے لگا سو وہ اپنے دوسرے بیٹے اتکرش کو جانشین نامزد کر کے ۱۰۸۹ میں مر گیا۔

ہرش (۱۰۸۹ - ۱۱۰۱)

اتکرش احمق بھی تھا اور کنجوس بھی۔ رعایا اسی کے خلاف ہو گئی عام بے اعتمادی کے نتیجہ میں کھلی بغاوت ہو گئی چنانچہ اسے تخت سے اتار کر زنداں میں ڈال دیا گیا اور ہرش کو راجہ بنا دیا گیا۔

کشمیر کے آخری ہندو حکمرانوں میں راجہ ھرش بڑی عجیب شخصیت معلوم ہوتا ہے وہ ذہین تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ غیر سالم ذہن کا مالک بھی۔ اس نے ظلم وجور کو لطف وکرم اور سخاوت کو حرص و آز کے ساتھ ملا لیا تھا۔ اس نے خیر خواہ بادشاہ کی طرح جہانگیر سے کوئی پانچ صدیاں پہلے، محل کے چاروں گوشوں میں انصاف کی گھنٹیاں لٹکوا دی تھیں تاکہ فوری اور مساوی انصاف کیا جا سکے۔

جرائم کے خاتمے کے واسطے وہ مجرموں کو کان اور ناک کاٹنے کی سزا دیتا تاکہ وہ آئندہ اپنے تیئں چھپا نہ سکیں[1]۔ اس نے شاندار دربار سجایا۔ سونے کا سکہ جاری کیا، اور اپنی فوج کی ٹریننگ

[1] راج ترنگنی - ۷ - ۸۹۲

کے لیے ترکوں کو ملازم رکھا۔ ترکوں کے لباس اور زیورات بھی مقرر کیے۔ یہ تغیرات بتاتے ہیں کہ مسلم تہذیب و ثقافت مسلمانوں کی حکومت کے قیام سے تقریباً دو صدیاں پہلے ہی وادی میں سرایت کر چکی تھی۔[1]

" با ایں ہمہ ہرش کے طور طریقے مجنونانہ تھے اس نے ترک لونڈیوں کو ملازم رکھا اور ان کے زیر اثر وہ اپنی بہنوں، پھوپھیوں اور باپ کی داشتاؤں سے دل بہلاتا۔ اس کے کچھ ہی دن بعد اسے مالی بحران نے اپنی گرفت میں لے لیا اس نے مندروں اور مذہبی اوقاف سے آزادانہ دولت سمیٹ کر شاہی خزانہ بھرنا شروع کر دیا، اس سے عوام پر کھوکھلا پن ظاہر ہو گیا اور وہ بغاوت پر اتر آئے۔ اسے اپنی سلامتی بھاگ نکلنے میں ہی نظر آئی لیکن گرفتار کر لیا گیا اور بدترین حالات میں مرگیا۔

ہندو اقتدار کا آخری رُخ

(۱۱۰۱ ——— ۱۳۲۰)

اس مدت کے دوران شمالی ہند کے حالات متواتر ترک حملوں کے نتیجہ میں بگڑتے چلے گئے اور آخر کار سلطان محمد غوری کے ہاتھوں سلطنت دہلی قائم ہو گئی۔ خطۂ کشمیر وقت کے نتائج سے بچ نہیں سکتا تھا، چنانچہ اس کا ہمسایہ پہاڑی ریاستوں سے قبضہ اٹھ گیا۔ مقامی طاقتیں اپنے پاؤں جمانے ہیں موقعہ سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔

سازش، قتل اور ہلاکت آفرین جنگ کا ایک طویل دور شروع ہوا۔ آخر ملک کو دو بھائیوں اسچل اور سوسل کے ذریعے نجات ملی جنھوں نے ڈامر سرداروں کی مدد سے تخت حکومت پر قبضہ کیا، لیکن تمام دولت و اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد یہ انگلستان کے

---

[1] : راج ترنگنی ۷، ۱۱۰۳-۹۲۸

نوابوں کی طرح قلعہ بند محلوں میں رہنے لگے۔

اسچل جس نے تخت پہلے سنبھالا ایک ہوشیار سیاست دان تھا اپنی رعایا سے گہری محبت کا ثبوت دیا اور ان کو آرام و سکون فراہم کرنے کی غرض سے ڈامروں اور کائستھوں پر جو عوامی امن کے دشمن تھے اپنی گرفت مضبوط کر لی یسازش سے اپنے آپ کو نیز ملک کو بچانے کے لیے سوسل کو پونچھ کا گورنر مقرر کر دیا۔ ڈامروں کے درمیان تفرقہ ڈال کر انہیں اطاعت پر مجبور کر دیا۔ دوسری طرف کائستھ قتل اور ہر قسم کے جرائم کا ارتکاب کرنے اور دوسروں کی دولت لوٹنے کے لیے بے تاب رہا کرتے تھے اس نے ان کے خلاف سخت اقدام کیا لیکن آخر کار وہ خود ان ہی کی سازش میں پھنس گیا۔

اسچل اپنے بھائی سوسل کا جانشین بنا جس نے سترہ سال تک حکومت کی ہنگامہ پرور ڈامر اس سے طاقت ور نکلے اور ۱۱۲۸ میں اسے قتل کر کے اس کے بیٹے جینگہ کو گدی پر بٹھا دیا۔

جینگہ (۱۱۲۸-۵۵)

جینگہ کشمیر کا آخری ہندو حکمران ہے جو فی الواقع بڑی سیاسی فہم و فراست بہترین منصوبہ بندی اور ہوشیارانہ حکمت عملی کا مالک تھا۔ جب وہ تخت نشین ہوا تو سیاسی ماحول میں مخالفت کے باعث گھٹن تھی۔ اس کے باپ کے قاتل ابھی آزاد تھے۔ خزانہ خالی تھا اور عوام کے وسائل درآمد تقریباً ختم ہو گئے تھے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ ڈامروں نے اپنی طاقت و برتری دوبارہ حاصل کر لی تھیں۔ بہر حال وہ دھیرے دھیرے نظم و ضبط بحال کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے دشمن جب مقامی طور پر پاؤں نہ جما سکے تو انہوں نے پونچھ اور کرناہ میں گڑبڑ پھیلانی شروع کر دی کرناہ میں فسادات بڑے خطرناک ثابت ہوئے، یہاں دردوں اور ڈامروں نے جو شرارت اور فسادات کے لیے مشہور تھے اپنے آپ کو راجہ کے خلاف اپنے لیڈر المکار چکر کی رہنمائی میں جو بالائی وادی نیلم کا طاقت ور سردار تھا منظم کیا۔ المکار چکر لوتھن اور بھوج کی حمایت کر رہا تھا

اور ان کو تخت کے حق داروں کی حیثیت سے آگے لانا چاہتا تھا لیکن منصوبہ ناکام ہوگیا اور جیسنگہ ریاست میں امن و امان قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا، تب اس نے اپنے بڑے بیٹے گلہن کو جوان دنوں پونچھ کا گورنر تھا جانشین نامزد کر دیا۔ جیسنگہ ۱۱۵۵ء میں چل بسا۔

خاتمہ

جیسنگہ کی موت کے بعد ۱۶۵ سال تک برائے نام ہی سہی کشمیر میں آزاد ہندو ریاست ترک حملہ سے اس لیے محفوظ رہی کہ کوہ ہمالیہ و ہندو کش کے بلند پہاڑی حلقے ترکوں کو ڈراتے اور ان کو محمود غزنوی کے ۱۰۱۵ اور ۱۰۲۱ کے حملوں کا انجام یاد دلاتے رہے۔ اس کے ساتھ شمالی ہند پر منگولوں کے تباہ کن حملوں نے دہلی کے ترک سلاطین کی توجہ کشمیر سے ہٹائے رکھی۔

اس عرصہ کے دوران جو نراج کے مطابق گیارہ بادشاہوں نے کشمیر پر حکومت کی یہ عام طور سے کمزور و مجبور تھے، اور ہمیشہ اپنے کوٹ راجاؤں کے رحم وکرم پر رہتے جو بڑے خود غرض، تنگ نظر، ناقابل اعتماد، بے وفا اور غیر محب وطن لوگ ہوتے تھے، اپنے آباؤ اجداد کی مانند یہ بھی مضبوط، قابل اور خود شناس بادشاہ کے خلاف ہو جاتے جو ملک میں امن و امان قائم کرنے اور اسے اندرونی و بیرونی طور پر مضبوط و طاقت ور بنانے کے قابل ہوتا۔ وہ اپنی خود مختاری کے مدعی بن جاتے اور لاقانونیت پھیلاتے جس کی وجہ سے معاشرہ منتشر، ملک کی اقتصادیات تباہ اور قانون معطل ہو کر رہ جاتا۔

چودھویں صدی کے آغاز میں ہر چیز ہندو ریاست کے زوال کی نشاندہی کر رہی تھی ۱۳۲۰ میں زلجو کی قیادت میں منگولوں کے حملے نے اس افسانہ کو غلط ثابت کر دیا کہ کشمیر ناقابل تسخیر ہے۔

---

۵ (۱۱۵۵ - ۱۳۱۹)
۲ : مراد سرحدات کے سرداران۔

باب سوم

کشمیر مسلم ریاست بنتی ہے

۱۔ حملہ مغول

چودھویں صدی عیسوی کے آغاز میں شمالی ہندوستان پہ علاؤالدین خلجی کی فوجی حکومت تھی اس کی فوج حیرت انگیز کامیابی کے ساتھ ہندوستان کے جنوب میں دور دور تک چلی گئی تھی اور اس کی حکومت سرحد کشمیر سے لیکر رامیشورم تک پھیل چکی تھی لیکن اس نے کشمیر پر حملہ نہ کیا شاید محمود غزنوی کی ناکامی اس کا دل توڑ دینی ہو آخر ش کشمیر پہ منگولیا کے تخریب کار دل نے حملہ کر دیا ہوا اور اسے زبردست نقصان پہنچایا یہ واقعہ راجہ سہدیو کے عہد حکومت میں رونما ہوا راجہ سہدیو اپنے بڑے بھائی سہم دیو کا جانشین تھا اسے اپنے ایک وزیر نے قتل کر دیا تھا کیونکہ وہ فضول خرچ اور کاہل ہوگیا تھا اور قومی فرائض کو بھلا بیٹھا تھا عوام بیحد غربت اور تنگدستی میں چھوڑ دیئے گئے تھے لیکن سہدیو جو اگرچہ فطرتاً بزدل تھا ہوشیار و محتاط بھی تھا وہ اپنے بھائی کی افسوسناک موت کے اسباب جانتا تھا اور ہمیشہ محتاط رہا تاکہ وہ خود اسی طرح کے حالات سے دوچار نہ ہوجائے۔

اس نے نظم ونسق بحال کرنے اور عوام کو خوشحال بنانے کا پختہ عزم کر لیا چندکو جو وادی لار کا طاقت ور اور با اثر جاگیر دار تھا اپنا وزیر اعظم بنا لیا اور ان دونوں نے پالیسی کو عملی جامہ پہنانا شروع ہی کیا تھا کہ ۱۳۲۰ء میں ملک پر مغل شہسواروں نے زلچو کی قیادت میں دھاوا بول دیا۔

یہ مغل کون تھے

یہ لوگ منگولیا کی دیران سطح مرتفع کے باشندے تھے ملک کی ویرانی نے انہیں ہمیشہ

اسپ سوار بنا دیا یہ لوگ جنگجو لیکن وحشی و خونخوار بھی تھے اسی وجہ سے ان کا دوسرے لوگوں اور قبیلوں سے اختلاف رہتا جہاں تک شمالی ہندوستان کا تعلق ہے ان کے حملے چنگیز خان (۱۱۶۲-۱۲۲۷ء) کے دور میں شروع ہوئے اگرچہ وہ خود دریائے سندھ سے آگے نہ بڑھا۔ تاہم اس کے چند سوار خیوا کے آخری تاجدار جلال الدین (۱۲۲۰ - ۳۱) کی تلاش میں پنجاب تک گھس آئے تھے۔

سلطان التمش (۱۲۱۱ - ۳۶ء) کے دور حکومت میں یہ لوگ ہندوستان کی شمالی سرحدوں پر منڈلانے لگے لاہور پر ان کا قبضہ ۱۲۴۱ء میں ہوا اور وہ ملتان سندھ اور پنجاب کی طرف بڑھے بلبن (۱۲۶۶ - ۸۶ء) نے ان کو سزائیں دیں اور ۱۲۹۱ء میں شکست دی جلال الدین خلجی (۹۶-۱۲۹۰ء) نے ان کے حملوں کو پسپا کیا اور پھر ان کا جوش ٹھنڈا کرنے کی خاطر دہلی کے قرب وجوار میں آباد کر دیا لیکن یہ عمل بھی پائدار امن کا ضامن نہ بن سکا۔

انہوں نے پھر سے انتشار پھیلانا شروع کر دیا اور ۱۲۹۷ء میں علاؤ الدین خلجی کے عہد میں اپنے سردار قتلغ خواجہ کی سرکردگی میں تازہ حملہ کر دیا اور بدامنی کی وجہ سے پورے شمالی ہندوستان کو ہلا کر رکھ دیا تاہم انہیں شکست کھانا پڑی لیکن دوبارہ ۱۳۰۲ء میں وہ منظر عام پر آگئے انہوں نے پنجاب کو پائمال کیا اور دہلی کا پھر محاصرہ کر لیا اور بعد میں وہ اچانک محاصرہ اٹھا کر چل دیئے۔

اس بات کا پورا امکان ہے کہ ان میں سے کچھ زلچو کی قیادت میں کشمیر میں داخل ہوئے ہوں گے کشمیر ان کے لئے کوئی اوپرا ملک بھی نہیں تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ تسخیر کشمیر چنگیز خان کے تیسرے بیٹے اوکتائی اور پھر ہلاکو خان کی سکیموں میں شامل تھی لیکن ابدالیں خطہ کشمیر ان کے حملے سے محفوظ رہا (۱) اب وہ اچانک ایک

---

(۱) طبقات ناصری ص ۱۱۳۵ (نوٹ)

زبردست طوفان کی مانند ستر ہزار گھوڑسوار اور پیادہ فوج کے ساتھ درہ بارہمولہ سے وادی میں داخل ہوئے کشمیر گہری نیند سو رہا تھا کہ گھوڑوں کی ٹاپوں نے اسے جگادیا راجہ سہدیو اور اس کے اراکین حکومت خوف کے مارے بے حس ہوکر رہ گئے ۔ انہوں نے سوچا کہ وہ صلح کرکے تباہی سے بچ جائیں گے اس لئے راجہ نے جہاں تک ممکن تھا تحائف جمع کرکے زلچو کے سامنے پیش کئے لیکن اس نے بڑی رعونت سے انہیں ٹھکرادیا۔

اس کے باوجود کہ مغل کشمیر کی بربادی اور تباہی کا ولولہ لئے گھوم رہے تھے (۱) بالآخر ضروریات زندگی کی کمی اور آنے والے موسم کے خوف نے آٹھ ماہ کی غارت گری کے بعد ملک چھوڑنے پر مجبور کردیا وہ مردوں، عورتوں، مویشیوں کو یہاں تک کہ جو چیز ان کے ہاتھ لگی لے کر چلے گئے معلوم ہوتا ہے کہ سلاطین دہلی کی سیاسی حالت نے انہیں شمالی ہندوستان پر حملہ کرنے اور سردیوں کا موسم وہیں گزارنے کی ترغیب دی تھی دہلی سول نافرمانی کی کشمکش میں تھی سلطان مبارک شاہ (۲۰-۱۳۱۶ء) ۹ جولائی ۱۳۲۰ء کو قتل کردیا گیا اور اس کا جانشین خسرو خان غیر یقینی اور غیر محفوظ تخت پر براجمان ہوا ۔ یہی وجہ ہے کہ زلچو نے وہاں کے حالات سے فائدہ اٹھانے کے لئے جلد دہلی پہنچنے کا فیصلہ کرلیا اس نے جموں کے راستے لوٹنے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ یہ راستہ آسان اور مختصر تھا لیکن مغل جونہی درہ بانہال کے دامن میں پہنچے اچانک انہیں ایک اندھے برفانی طوفان نے آلیا جس کی وجہ سے وہ سب کے سب تباہ ہوکر رہ گئے۔

رنچن

مغلوں کا حملہ کوئی قصہ کہانی نہ تھا اس کے نتائج بڑے سخت تھے اس نے ملک بھر

---

(۱) جونراج (دت) ص ۱۸، ۱۶

میں بدنظمی پھیلا دی تھی اور ہر چیز درہم برہم ہو گئی تھی جو لوگ زندہ رہے انہوں نے اپنے تئیں
ایک ہولناک قحط اور سماجی و اقتصادی مصیبت میں پایا پھر مغلوں کے حملہ کے دوران راجہ
سہدیو اور اس کے وزراء کا بزدلانہ سلوک اسکی حکومت کی وسیع مخالفت کا سبب بن چکا تھا اس
وقت شہر میں دو اجنبی رہتے تھے جو ملکی حالات کا نزدیک سے مطالعہ کر رہے تھے ۔ بہت
سیاسی سوجھ بوجھ اور جرأت رکھتے تھے ۔ ملک کی سیاسی و مذہبی تاریخ میں انقلابی رول
ادا کرنے کے قابل تھے یہ دو اجنبی رنچن اور شاہمیر ہیں جو راجہ سہدیو کے عہد حکومت میں کشمیر
آئے تھے رنچن ایک بھٹا شہزادہ تھا وہ سیاسی پناہ گزین کی حیثیت سے لداخ سے آیا تھا وہ
حالات سمجھنے کے لئے جن میں وہ اپنا گھر بار چھوڑنے پہ مجبور ہوا اس وقت کے لداخ کے سیاسی
احوال کے بارے میں جاننا ضروری ہے ۔ وادیاں اور اونچی ہموار زمینیں جو کشمیر کے
شمال اور شمال مشرق میں واقع سلسلہ ہائے کوہ کے اس پار دریائے نیلم اور دراس کے منبعوں
کے درمیان ہیں تبتی نژاد و ثقافت کے لوگوں کا وطن ہیں اور انہیں بھٹہ کہا جاتا ہے قدیم
زمانے میں یہ علاقے خورد و کلاں سرزمین میں تقسیم کئے گئے تھے جس سے مراد بالترتیب موجودہ
بلتستان اور لداخ تھا مغل حکومت کے قیام کے وقت سے ان علاقوں کی سیاسی حالت بہت
خراب تھی چنگیز خان (۱۱۶۲ - ۱۲۲۷ء) نے تبت کو ۱۲۰۳ء میں فتح کیا پھر قبلائی خان (۹۴-
۱۲۶۰ء) نے جو چین کا عظیم مغل بادشاہ تھا ان علاقوں تک اپنی حکومت کا دائرہ وسیع کیا اس
نے قبلائی خان کے عہد حکومت میں اسے اپنی سلطنت میں شامل کیا اور ایک مقامی سردار لہ چین
جو پل (۹۳ - ۱۲۶۰ء) کو ان اضلاع کا وائسرائے مقرر کیا وہ ایک اچھا اور نیک نیت حاکم تھا
اس نے خاطر خواہ طریق سے فرائض انجام دیئے اس کی موت پر اس کا بیٹا لہ چین نگوس گرب
(۱۲۹۰ - ۱۳۲۰ء) جانشین ہوا جس نے بودھوں کے راہبانہ نظام کو دوبارہ زندہ کیا اور ان
کے صومعوں کو تعمیر کروایا اس نے ان اضلاع میں بدھ مت کے احیاء کے منصوبے کو ابھی
پورا نہیں کیا تھا کہ قبلائی خان کی موت کی خبر نے اس کے کام میں رکاوٹ ڈال دی قبلائی خان

کی وفات پر مقامی تفرقہ انگیز طاقتوں نے سر اٹھانا اور مزید طاقت حاصل کرنا شروع کر دی یہاں تک کہ چودھویں صدی کے آغاز میں انہوں نے ہر جگہ لاقانونیت پھیلا دی اس کیفیت نے مقامی سرداروں کو آزادی حاصل کرنے کا حوصلہ دیا، چنانچہ اب یہاں باہم نبرد آزمائی ہونے لگی ہر سردار دوسرے کے خلاف لڑتا رہا لیکن ان میں سے فقط دو سردار کامیاب ہوئے ایک کا نام کالمبناس اور دوسرے کا وکیتناس تھا اوّل الذکر بلتی اور دوسرا لداخی تھا لداخیوں کا رہنما لہ چین نگوس گرب تھا جسے بلتیوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا وہ لہ چین رلیا لبو رنچن کا باپ تھا کشمیر کا رنچن جو بڑی طاقت قوت عمل اور خصوصی ذہانت کا حامل نوجوان تھا وہ اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینے کی قابلیت رکھتا تھا لیکن اس نے جلد ہی خود اپنی زندگی کو خطرے میں پایا اس لئے اپنے آپ کو بچانے کی خاطر وہ بھاگ کھڑا ہوا اور کشمیر میں پناہ لے لی۔

رنچن کشمیر میں زوجیلہ کے درے سے داخل ہوا تھا قدیم ترین زمانوں سے یہی راستہ کشمیر کو لداخ اور تبت چین اور مرکزی ایشیا سے ملاتا رہا ہے رنچن نے گگن گیر میں سکونت اختیار کی جو دورن ناڑ میں وادی سونہ مرگ کو عبور کرنے کے بعد ورہ۔ لارہ کا پہلا گاؤں ہے راجہ سہدیو کے وزیر اعظم رام چند اور سپہ سالار اعظم کا محل اسی گاؤں میں واقع تھا۔ رام چند نے رنچن کا بڑی شفقت سے استقبال کیا اور اسے پناہ بھی دی اور ملازمت بھی (۱) یہیں رنچن کی ملاقات شاہمیر سے ہوئی جو شاید اس سے پہلے یہاں پہنچ چکا تھا گویا خوش بختی نے انہیں تاریخ بنانے کے لئے منتخب کر لیا تھا مغلوں نے جو تباہی اور ابتری ملک میں پھیلا دی تھی یہ دونوں اس کے عینی شاہد تھے انہوں نے حکومت کا غیر ذمہ دارانہ اور بزدلانہ رد عمل بھی دیکھ لیا تھا مغلوں کو دیکھتے ہی راجہ اور اسکے وزیر جان بچانے کے لئے بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور سپہ سالار اعظم نے محل میں پناہ لے لی تھی عوام نے بھیڑوں کی سی بزدلی کمزوری اور خوف کا مظاہرہ کیا تھا۔

---

(۱) جونراج ص ۱۸

رنچن کی بغاوت

قدرتی طور پر ایسی صورت حال نے بہادر اور زیرک رنچن کو راجہ بن جانے کا ایک عمدہ موقع فراہم کر دیا تھا۔ راجہ سہدیو کی عدم موجودگی میں رنچن رام چند کو حصول اقتدار کی راہ میں اپنا واحد حریف سمجھتا تھا۔ رنچن اس کے ساتھ منافقت سے پیش آیا اور بظاہر بڑی وفاداری سے خدمات انجام دیتا رہا۔ اس نے لٹے پٹے عوام کو دوبارہ بسانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اس طرح وہ اپنے وزیر کا اعتماد اور عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا لہذا رنچن نے شبہات پیدا کئے بغیر کچھ با اعتماد بھٹہ سپاہیوں کو محل کے اندر جمع کر لیا مغلوں کی روانگی کے بعد ایک مناسب موقع پر اس نے رام چند کو تہہ تیغ کرنے کے فوراً بعد ۶۔ اکتوبر ۱۳۲۰ء کو بادشاہ کشمیر ہونے کا اعلان کر دیا۔

ہندو من حیث القوم سماجی، ثقافتی اور انتظامی لحاظ سے اسقدر بددل اور کم ہمت ہو گئے تھے کہ وہ ہر اس آدمی کو قبول کرنے کے لئے تیار تھے جو تخت پر قبضہ کر کے ان کا راجہ بن جائے رنچن کی آمد نے کشمیر کی تاریخ میں ایک جدید تبدیلی کو جنم دیا۔ رنچن خوب جانتا تھا کہ اسے راجہ کی حیثیت کی کیا کرنا چاہیئے اسے وسیع پھیلی ہوئی ابتری میں امن و امان بحال کرنا تھا۔۔ مغلوں کے دیئے ہوئے زخموں پر مرہم رکھنا تھا لیکن یہ کام آسانی سے اس وقت تک انجام نہیں دیا جا سکتا تھا جب تک رام چند کی اولاد جو اس کی زبردست حریف تھی میدان میں موجود تھی۔ یعنی رام چند کی بیٹی کوٹہ رانی اور بیٹا راون چند۔ رنچن نے ان کے ساتھ جنگ کی اور نہ ہی انہیں جان سے مارا بلکہ اس نے کوٹہ رانی سے شادی کر لی اور راون چند کو اس کے باپ کے عہدہ سپہ سالاری پر فائز کر دیا شاہمیر کو وزارت کا منصب پیش کیا[1] اب وہ لون قبیلہ پر ٹوٹ پڑا

---

(۱) جونراج ص ۲۰-۱۹

یہ ایک قدیم پشتینی زراعت پیشہ قبیلہ تھا جو شرارت کے لئے مشہور تھا اور جنگ و جدل میں خوشی محسوس کرتا تھا رنچن نے ان کا زور توڑا انہیں پراگندہ کر دیا اور انتشار و بدنظمی سے اکتائی ہوئی سرزمین کو امن و سکون بخشا اب دوبارہ لوگ پہلے کی طرح تہوار منانے لگے رنچن اپنی رعایا کی فلاح و بہبود میں بیحد دلچسپی لیتا تھا وہ عدل و انصاف کے راستے میں رکاوٹ بننے والے کسی آدمی کو خواہ وہ اس کا بیٹا وزیر یا دوست ہی کیوں نہ ہو سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑتا تھا۔

رنچن کا قبول اسلام

ملک میں نظم و نسق قائم کرنے کے بعد بھی رنچن اپنے تئیں محفوظ نہیں سمجھتا تھا یوں لگتا ہے کہ وہ تہمت دور کرنے کے لئے بے چین تھا کہ اس نے دھوکے سے حکومت حاصل کی ہے اس لئے اس نے کوشش کی کہ وہ ملک اور رعیت کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرے انہیں سمجھے اور ان کے رسم و رواج مذہب اور روایات کی پیروی انہی کے ایک فرد کی طرح کرے شروع شروع میں اس نے شیو یہ سنی کے مسلک کو اپنانے کی خواہش ظاہر کی اس لئے کہ یہ ہندو مذہب کی مقبول ترین شکل تھی۔ گمان غالب یہ ہے کہ اس نے اپنے تئیں سیاسی اور مذہبی لحاظ سے طاقتور بنانا چاہا ہوگا وہ دیوسوامی کے پاس جو شیو پرستوں کا بڑا گورو تھا گیا اور التجا کی کہ وہ اپنے پجاریوں میں اسے بھی داخل کرلے دیوسوامی بڑا سرکش اور مغرور آدمی تھا اس نے حقارت سے رنچن کی التجا کو ٹھکرا دیا بھٹہ ہونے کی وجہ سے وہ پوری قوت فہم اور ادراک نہ رکھتا تھا(۱)

---

(۱) جونراج ص ۲۱ - ۲۰

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس زمانے کے حالات کے پیش نظر رنچن ایک عظیم سیاستدان اور خطرات میں کود پڑنے والا آدمی تھا چونکہ بدھ مت کا پیرو تھا اس لئے آسانی سے برہمن کا رتبہ حاصل کرنے میں ناکام رہا اگرچہ اس دور میں کشمیر میں بدھ ازم اور برہمن ازم کے درمیان بہت کم فرق تھا پھر بھی رنچن کو ٹھکرا دیا گیا تھا۔ اس لئے کہ روایت پرست کوز نگاہ اور آتشی ناپذیر برہمن پجاری دیو سوامی ناپاک کو قبول نہ کر سکتا تھا۔

اس طرح ہندو کشمیر نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنا سنہری موقعہ ہاتھ سے گنوا دیا تھا مگر شاہمیر نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا رنچن کو پریشان حالت میں پاتے ہوئے شاہمیر نے اسے تسلی دی باہم گفت وشنید کی اور قرار پایا کہ وہ فیصلہ کسی اتفاقی امر پر چھوڑ دے چنانچہ یہ طے پایا کہ وہ آنے والی صبح کو سب سے پہلے جس آدمی کو دیکھے گا اسی کا مذہب قبول کرلے گا۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ رنچن کی نظر ایک مسلمان فقیر بلبل شاہ پر پڑی۔ لہٰذا وہ مسلمان ہوگیا اور اس نے سلطان صدرالدین کا نام اختیار کرلیا۔ رنچن کشمیر کا اولین مسلمان بادشاہ ہے لیکن وہ تبدیلی مذہب کے بعد زیادہ دیر زندہ نہ رہا۔ چند سالوں کے دوران جن میں وہ زندہ رہا اس نے ایک اچھے مسلمان کا سلوک کیا اپنے نام پر سرینگر کا ایک محلہ رنچن پورہ تعمیر کروایا یہاں اس نے بودھوں کے مندر کے مقام پر ایک مسجد بنوائی جو کشمیر میں پہلی مسجد تھی اور جو بڈ مسیت (جامع مسجد) کے نام سے مشہور ہوئی یہاں سے نزدیک ہی عالی کدل سرینگر میں اس نے ایک اور مسجد تعمیر کروائی۔ اور ایک لنگر خانہ قائم کیا جو بعد میں سلطان کے مذہبی پیشوا بلبل شاہ کی یاد میں بلبل لنگر کے نام سے مشہور ہوا۔

اس نے اپنے اکلوتے بیٹے کا جو اس کی مندوبیوی کوٹہ رانی سے پیدا ہوا تھا حیدر نام رکھا اور شاہمیر کی حفاظت میں دے دیا رنچن نے بادشاہ کی حیثیت سے جو کارنامہ انجام دیا وہ اس کا انقلاب ہے جس نے دوستوں سے زیادہ دشمن پیدا کردیئے تھے چنانچہ لوگ سابق راجہ سہدیو کے چچازاد بھائی ادیان دیو کی قیادت میں رنچن کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے

اس پہ حملہ ہوا اور زخمی کر دیا گیا آخر کار وہ ۲۵ نومبر ۱۳۲۳ء کو فوت ہو گیا اسے بلبل شاہ کے مزار کے پہلو میں بلبل لنگر میں دفن کیا گیا (۱)

۱۳۲۳ء میں رنچن کی موت نے تین سیاسی جماعتوں کو اقتدار کے لیئے ہاتھ پاؤں مارنے کا موقع فراہم کر دیا۔

یہ شاہ پرست کسان اور رانی کی جماعتیں تھیں شاہ پرستوں کی قیادت ادیان دیو کر رہا تھا جو رنچن کی موت کا سبب بنا کسان جماعت کی رہنمائی جاگیردار کر رہے تھے ملک خود حکومت چلانے کی خواہش مند نہ تھی وہ شاہمیر کی حمایت کر رہی تھی کوٹہ رانی کی جماعت نابالغ شہزادہ حیدر کی حامی تھی رانی کے بڑے پشت پناہ لون تھے جو سیاست میں ناقابل اعتماد تھے اس سہ جماعتی کشمکش میں شاہمیر مرکز ثقل بنا ہوا تھا ایک چالاک سیاست دان کی حیثیت سے اس نے ملک کی سماجی ثقافتی اور سیاسی حالت میں انقلاب لانے کا عزم کیا ہوا تھا اس نے سوچا کہ تخت حاصل کرنے کے لیئے ابھی بہت جلدی ہے۔

مسلم حکومت کے قیام کی تیاری کے لئے شاہمیر کا یہ خیال درست تھا کہ رنچن کا جانشین وہ ہو جسے اکثریت کی تائید حاصل ہو اور ساتھ ہی ساتھ وہ ایسا کمزور بھی ہو کہ اسے قابو میں رکھا جا سکے یہ شرائط صرف ادیان دیو ہی میں پائی جاتی تھیں لہذا شاہمیر نے حیدر اور کوٹہ رانی پر جنہیں رنچن کا قانونی وارث ہونے کا زبردست دعوی تھا ترجیح دیتے ہوئے تخت ادیان دیو کے سپرد کر دیا رانی کی جماعت کو اور کمزور کرنے کے لیئے اس نے ادیان دیو اور کوٹہ رانی کے درمیان شادی کا معاملہ طے کرا دیا اس طرح اس ہندو اقتدار کو بحال کر دیا جس سے وہ ہر دلعزیز بن گیا اور مستقبل میں اس سیاسی کامیابیوں کی اساس بھی یہی بات ثابت ہوئی۔

راجہ ادیان دیو انتہا پسند مذہبی، کم عقل اور بہت قدامت پسند آدمی تھا وہ اپنا وقت

---

(۱) مدت حکومت ۳ سال ۱ ماہ اور ۱۵ دن

اشنان، ریاضت اور پوجا پاٹھ میں گذارتا وہ جوگی کا لباس پہنتا جب سفر کر رہا ہوتا تو اپنے گھوڑوں کے گلے میں گھنٹیاں بند ھوا دیتا تاکہ کوئی زندہ چیز زخمی نہ ہو یا مر نہ جائے (۱) وہ فرائضِ سلطنت خود انجام نہ دیتا بلکہ امور سلطنت کوٹہ رانی کے سپرد کر دیئے تھے۔

ادیان دیو کے برعکس کوٹہ رانی شاہمیر کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور عزت سے خوفزدہ تھی اس کی طاقت کو تقسیم کرنے کے لئے رانی نے شاہمیر کے دو بیٹوں جمشید و علی شیر کو کامراج کے شمالی ضلع کا انتظام سنبھالنے پر بھیجدیا تب رانی نے بھٹ بھکشن کو جو عظیم دانشمند و سیاستدان برہمن تھا مشیر اور ریاستی افواج کے سپہ سالار کی حیثیت سے منتخب کر لیا اس نے اسے اپنے دوسرے بیٹے کا جو ادیان دیو سے تھا سرپرست بھی مقرر کر دیا۔

جن ایام میں رانی ہندو اقتدار کے احیاء میں سرگرم عمل تھی کشمیر پر منغلوں نے اچل کی سرکردگی میں دوبارہ حملہ کر دیا ——— دشمن پر نظر پڑتے ہی ادیان دیو ایک بزدل آدمی کی طرح اپنے خاندان اور رعایا کو ان کی قسمت پر چھوڑ کر لداخ کی طرف بھاگ کھڑا ہوا اس فرار نے کوٹہ رانی کو غصہ دلایا اور وہ ایک دلیر عورت کی مانند حالات کا مقابلہ کرنے کیلئے اٹھ کھڑی ہوئی وہ چونکہ پہلے زلچو کے حملہ آوروں کی تباہ کاریاں اور قتل وغارت دیکھ چکی تھی لہذا اب کے اس نے عزم کر لیا کہ ملک کو ایسی تباہی سے بچایا جائے۔ ایک جواں ہمت محب وطن خاتون کی طرح اس نے اپنی رعایا کو جوش دلایا اور شاہمیر اور اس کے حامیوں کی حمایت بھی کی۔

وہ جانتی تھی کہ متحدہ مزاحمت کا مظاہرہ کر کے ہی وہ دشمن کو شکست دینے ملک کو بچانے اور پرامن بحال کرنے کے قابل ہو سکتی ہے اور یہی ہوا کوٹہ رانی اور شاہمیر نے اپنی اور جاگیرداروں کی فوجیں جمع کیں اور حملہ آوروں سے جنگ چھیڑ دی یہ کامیاب ہوئے اور انہوں نے ملک کو بچا لیا اس قومی بحران میں شاہمیر نے عظیم کردار ادا کیا اس نے پورے طور پر اپنے آپ کو ملک و قوم کے ساتھ ہم آہنگ کر لیا اور ملک کی خدمت کیلئے طاقتور زمینداروں کی مدد حاصل کی۔

جب دشمن چلا گیا تو ادیان دیو کو دوبارہ بلا کر تخت پر بٹھایا گیا لیکن اس فیصلہ کو زیادہ تائید نہ مل سکی اس نے بزدلی کے سلوک سے اپنے تئیں نامقبول بنا لیا تھا اس کے برعکس شاہمیر ایک قومی ہیرو بن کر سامنے آگیا اس کے بعد اس نے مستقبل کے منصوبوں پر پردہ نہیں ڈالا۔ وہ چکوری پہاڑی پر متحصّن ہو گیا اس ڈرامہ کی مشق کے لئے اس نے سٹیج تلاش کیا اور رنچن کے چھوٹے بیٹے حیدر کو اس کی ماں کی حکومت کے خلاف لا کھڑا کیا۔

یہ تھی صورت حال جب راجہ ادیان دیو فروری ۱۳۳۹ء میں فوت ہوا کوٹہ رانی نے اس کی خبر مرگ شاہمیر سے اس لئے پوشیدہ رکھی کہ مبادا وہ حیدر کی جگہ خود اقتدار حاصل کر لے۔

اس نے اپنے دوسرے بیٹے کو جو ادیان دیو سے تھا برطرف بھی کر دیا کیونکہ وہ ابھی نابالغ تھا وہ اپنی رہائش تبدیل کر کے اندرکوٹ کے قلعہ نما محل میں رہنے لگی یہاں اس نے بھٹ بھکشن اور لون قبیلے کی حمایت سے خود مالک تخت و تاج ہونے کا اعلان کر دیا۔ تاہم رانی نے شاہمیر کو دعوت مبازرت بھی دی کیونکہ وہ فقط بھٹ بھکشن سے ڈرتا تھا جب تک بھٹ بھکشن زندہ رہا شاہمیر کو ایک طاقتور حریف کا سامنا رہا لیکن جلد ہی وہ بھٹ بھکشن کو قتل کرانے میں کامیاب ہو گیا اس واقعہ نے عوام میں خوف و ہراس پھیلا دیا اور وہ کوٹہ رانی کے ساتھ مل گئے مگر وہ موقع سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے میں ناکام رہی وہ طاقتور تھی لیکن اس نے شاہمیر کو موقع پر ہی گرفتار نہ کیا وہ زندگی کا بہترین موقع ہاتھ سے کھو بیٹھی تھی اب شاہمیر کی باری تھی کہ وہ اپنا رول ادا کرے اس نے رانی کو فوراً اندرکوٹ کے قلعہ میں محصور کر لیا وہ بڑی شجاعت کے ساتھ لڑائی میں مدافعت کرتی رہی لیکن آخر اسے زیر کر لیا گیا اور اس نے ہتھیار ڈال دیئے یہ بحران سیاسی اور ثقافتی اعتبار سے ایک تند و تیز تبدیلی کا موجب بنا اپنے حامیوں کو قتل عام سے بچانے کے لئے رانی نے شاہمیر کی شرائط قبول کر لیں اس نے شاہمیر کی ملکہ بننے اور حکومت میں حصہ دار ہونے پر اتفاق کر لیا چنانچہ شاہمیر نے شادی کر لی مگر چوبیس گھنٹے کے اندر اندر وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو گئی جونراج کے مطابق رانی کو شاہمیر کے عزم اور توجہ نے جیت لیا تھا اور شادی کے بعد

چوبیس گھنٹے کے اندر اندر شاہمیر نے اسے بکشن کے ذریعے پکڑوا دیا اور ساون مہینے کی دس تاریخ سال ۵ اور ۴۴ کو ملکہ بادشاہت سے موقوف ہو گئی ابوالفضل کے بقول شاہ نے خوشنما چاپلوسی اور سازش سے اودیان دیو کی بیوہ سے شادی کی تھی کشمیر کے فارسی تاریخ نویس بیان کرتے ہیں کہ ملکہ نے شادی تو کر لی لیکن جب اس نے حجلۂ عروسی میں پاؤں رکھا تو یہ الفاظ کہتے ہوئے اپنے پیٹ میں خنجر گھونپ لیا کہ "یہ ہے میری رضامندی" اور پھر اس کی روح پرواز کر گئی (۱) یہ تھا کشمیر کے آخری ہندو فرمانرواکا انجام وہ ایک ستارے کی طرح ابھری لیکن شہاب ثاقب کی مانند غائب ہو گئی حقیقت میں کوٹہ رانی کی زندگی تدبیر اور تقدیر کے درمیان ایک طویل جدوجہد تھی۔

اس نے دانا دنیادار عورت کی حیثیت سے اپنی زندگی اس وقت شروع کی جب اس نے اپنے والد کے قاتل کو اپنا شوہر بنانا قبول کیا اس نے اسلام قبول کر لیا اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ مطمئن زندگی بسر کرتی رہی شوہر کی وفات پر اس نے اودیان دیو کی جو ایک جانثار مگر زن صفت شوہر تھا بیوی بننا قبول کر لیا رانی غالب رہی اور شوہر کے پندرہ سالہ برائے نام دور اقتدار میں بھی زمام حکومت اسی کے ہاتھ میں رہی۔ رانی کی اقتدار کے لئے آرزو شوہر کی موت کے بعد کھل کر اس وقت سامنے آئی جب اس نے خود حکمران ہونے کا اعلان کیا بعد میں جب شاہمیر نے اسے زیر کر لیا تو اس نے اس کی بیوی بننا منظور کر لیا۔
شک نہیں کہ کوٹہ رانی سخت خود غرض جاہ طلب اور بعید نادان تھی۔

اس نے بڑی حماقت کا ثبوت اس وقت دیا جب بھٹ بھکشن کو شاہمیر کے خلاف نہتا اور غیر محفوظ حالت میں لڑا دیا جب اودیان دیو مرا اسے اپنے بیٹے کو راجہ بنانا اور خود قائمقام کی حیثیت سے کام کرنا چاہیئے تھا اسے اپنے حق میں عوام کی تائید حاصل کرنا چاہیئے تھی

---

(۱) جونراج ص ۲۹

جو شاہمیر سے نجات پانے کے لئے اس کی مدد گار ثابت ہو سکتی تھی۔

اتنے طویل عرصہ سے خوب جانتے ہوئے اسے شاہمیر کو آزاد نہیں چھوڑنا چاہیئے تھا کہ وہ رانی پہ اپنا ہاتھ مضبوط کر لے۔ بنابریں وہ اپنے ہولناک انجام کیلئے خود ذمہ دار ٹھہرتی ہے

ہوا کی تبدیلی

ہندو کشمیر کی تاریخ میں اندر کوٹ کا محاصرہ ایک عہد آفرین واقعہ ثابت ہوا یہ ایک انقلاب تھا اس نے بی بی کی جگہ آقا کو دیدی تھی اس انقلاب نے ہندو مورتی کا راز فاش کردیا تھا جس کے پاؤں مٹی کے تھے۔ بادشاہت ہندوؤں کے ہاتھ سے اسی وقت نکل چکی تھی۔ جب انہوں نے شاہمیر کی حمایت کی تھی جو خود سلطان ہونے کا دعویدار تھا چنانچہ ملک کی تاریخ میں اس نے ایک نئے باب کا اضافہ کیا اور کشمیر ایک مسلم ریاست بن گئی۔

قطب الدین محمد شیرازی نے ایک شخص امیر شاہ کی طرف اشارہ کیا ہے جو مقربن طاہر کے سلسلۂ نسب سے تھا جونراج کے نظریہ کے مطابق شاہمیر کا اصلی مورث اعلیٰ کورو شاہ کی اولاد تھا۔ کوروشاہ کی اولاد تھا ہر راجہ شاہمیر کا جد اعلیٰ تھا شاہمیر اور امیر شاہ ایک شخص معلوم ہوتا ہے

اس استنباط کی تائید ہولڈچ نے بھی کی ہے وہ کہتا ہے کہ امیر شاہ کشمیر کا پہلا مسلم بادشاہ ہوا ہے (۱) ابوالفضل کی تحقیق کے مطابق شا کا مورث اعلیٰ پانڈو ئے اعظم ارجن تھا (۲) نظام الدین احمد ابوالفضل کی تائید کرتا اور شجرہ نسب میں گرشاسپ اور نیک روز کا اضافہ کرتا ہے فرشتہ اور کشمیر کے دیگر فارسی مورخین نے نظام الدین اور جونراج کی آرا کو دہرادیا ہے۔

---

(۱) انسائیکلو پیڈیا بریطانیکا (۲) آئین ج ۳، ص ۵۸۲

احتمالاً جونراج کا کورو شاہ نظام الدین کا گھر شاسب معلوم ہوتا ہے ہماری تمام تر تنہا ذتوں کے پیش نظر وہ یا دو دنشی گو جبہ تھا شاہمیر خود ایک مسلمان مبلغ نہ تھا بدون شک اس کا بلبل شاہ کے ساتھ جو مبلغ تھا طویل تعلق اور میل جول رہا ہے وہ ایک تہذیب یافتہ مسلمان مہاجر معلوم ہوتا ہے جو تنہا مسلمان مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ وادی میں پہنچا اور پھر یہیں کا ہو رہا وہ بڑی تیزی سے اس ملک کے حالات کو سمجھنے اور پھر عوام کے ساتھ کامل ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے کافی ذہانت کا مالک نظر آتا ہے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رنچن کے حلقہ بگوش اسلام ہونے میں وہ اس کا مشیر و معاون بنا تھا مستقبل میں اسلام کے امکانات کو بہتر اور مضبوط بنانے کی خاطر اس نے رنچن کے بیٹے حیدر کے سرپرست کی حیثیت سے کام کیا۔

شاہمیر نے اپنے اثر و رسوخ اور احترام سے جو اس نے تدریجاً حاصل کیا تھا راجہ ادیان دیو کے دور اقتدار میں جاگیرداروں کی حمایت و دوستی حاصل کرنے کے لئے مدد کی۔

تعلقات کو اس نے ازدواجی رشتہ داریوں کے ذریعہ استوار بنایا وہ تو چاہتا بھی یہی تھا کہ سیاسی رہنما بننے کے لئے ہر دلعزیزی حاصل کرلے اس مقصد میں وہ ادیان دیو کے عہد میں کشمیر پر ترک و مغل حملوں کے دوران کامیاب ہوا جبکہ ادیان دیو جان بچانے کی خاطر عوام کو ان کے مقدر کے حوالے کر کے راہ فرار اختیار کر گیا تھا لیکن شاہمیر نے حالات کا مقابلہ کیا وہ عوام کی مشکلات و مصائب میں برابر کا شریک رہا جونراج کے بقول وہ اللہ پر ایمان رکھنے والا خاموش کارکن تھا وہ عوام کا نجات دہندہ بن گیا اور دہشت زدہ رعایا کی حفاظت کی (۱) شاہمیر نے سلطان شمس الدین کے لقب سے ۱۳۳۹ء میں زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی اس نے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا اور سکہ جاری کیا۔

---

(۱) جونراج ص ۲۷ - ۲۶

شاہمیر کی اصلاحات

۱۔ انتظامیہ

ریاست کو عدل و انصاف کے اصولوں پر مستحکم کرنے اور امن و امان بحال کرنے کی خاطر شاہمیر نے پیداوار کے ایک سو چوالیس حصے پر ایک بٹہ چھ لگان لگایا بعد میں شورش پسند لونوں کو جو امن عامہ کے لئے پیہم خطرہ بنے ہوئے تھے نیست و نابود کر دیا اس کے بعد ہمیں ان کی دہشت پسندانہ سرگرمیوں کے بارے میں کوئی پتہ نہیں چلتا اغلب ہے کہ وہ ملک کے کسانوں میں اپنی اصلی گوت لون کے ساتھ جذب ہو گئے ہوں تاکہ اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے ممتاز رکھ سکیں۔

۲۔ فوج

ہندو راجاؤں کی حکومت میں فوج اکثر کرایہ دار سپاہیوں پر مشتمل ہوتی تھی یہ سپاہی زیادہ تر جموں، بھمبر، لوہ پونچھ اور راجوری کی ہمسایہ پہاڑی ریاستوں کے بسنے والے لڑاکا اور جنگجو قبائل سے لئے جاتے تھے لیکن پنجاب میں ترک حکومت کے قیام اور راجہ جے سنگھ کی وفات کے بعد کشمیر میں بڑھتی ہوئی بدنظمی کے نتیجہ میں جاگیردارانہ پہاڑی ریاستوں نے کشمیر سے علیحدگی اختیار کر لی کشمیر کے کمزور و بے تدبیر راجگان اب وہاں سے لشکر فراہم نہیں کر سکتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لون تدبیر جو لڑائی کے لئے مشہور تھا سامنے آ گیا لیکن شاہمیر نے اپنی مصلحت کے پیش نظر ان کا استیصال کر دیا اس نے ماگرے اور چیک قبائل سے جو سپاہیانہ صلاحیت و ثابت قدمی کے مالک تھے ایک تیار فوج فراہم کی۔

۴- ثقافت

شاہمیر ایک مہذب مسلمان تھا اس نے اپنی قوت اور ذرائع کو اسلام کی پر امن اشاعت کے لئے استعمال کیا اسلامی ریاست کے مقبول علامات یعنی مسجد اور نماز پہلے ہی رنچن کے عہد میں رواج پا چکے تھے۔ شاہمیر نے کچھ اور مساجد تعمیر کروائیں یزد گرد کی تقویم انتخاب کی اور مروجہ ہندو تقویم کی جگہ اسے جاری کیا اسے مقبول بنانے کے لئے شاہمیر نے کشمیری سالنامہ نام دیا پھر اس نے کشمیریوں اور باہر کے لوگوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لئے ان کے درمیان ازدواجی روابط و تعلقات کی حوصلہ افزائی کی۔

موت

امن وامان قائم کرنے کے بعد شاہمیر نے ریاست کی حکومت اپنے دو فرزندوں جمشید وعلی شیر کے حوالے کر دی اور خود عملی زندگی سے کنارہ کش ہو گیا وہ ...... اگست ۱۳۴۲ء کو تین سال اور پانچ دن کے مختصر دور حکومت کے بعد فوت ہو گیا(۱) اسے سم پل (اندرکوٹ) میں دفن کیا گیا۔

---

(۱) جونراج ص ۳۳ - ۳۴

باب چہارم

جمشید (۴۴-۱۳۴۲ء)

کامیابی کے سلسلے میں شاہمیر نے جو تجربہ کیا تھا وہ مصالحت کا تجربہ تھا لیکن ناقابلِ عمل ثابت ہوا سیاسی بصیرت و تدبر کا حامل ہونے کے باوجود شاہمیر نے اپنی زندگی میں اپنے بڑے بیٹے جمشید کی جانشینی کا اعلان نہ کر کے بہت بڑی غلطی کی تاہم جمشید نے باپ کی وفات پر اپنی سلطنت کا اعلان کر دیا مگر دونوں بھائی نباہ نہ کر سکتے تھے اس کے چھوٹے بھائی علی شیر کو بغاوت پر آمادہ کر دیا گیا چنانچہ ایک عوامی محاربہ شروع ہوا۔

علی شیر نے جو طاقت ور اور بیباک مگر خود غرض تھا اونتی پور میں علم بغاوت بلند کر دیا اس لڑائی میں بڑا خون خرابہ ہوا جونراج کے مطابق دریائے جہلم کی رفتار لاشوں کی وجہ سے رک گئی تھی(۱) جھگڑے کا فیصلہ اس وقت ہوا جب جمشید کا بہ رفاو زیر بھاگ کر علی شیر کے پاس پہنچ گیا۔

جمشید ایک سال اور دس مہینے کی برائے نام حکومت کے بعد ۱۳۴۴ء میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

علاؤالدین (۵۶-۱۳۴۴ء)

علی شیر، علاؤالدین کے لقب سے تخت پر بیٹھا اس کے فوراً کشمیر میں شدید قحط پڑا چودھویں صدی عیسوی کے دوران ایسی دہشت ناک موت کے اثرات ایشیا میں بھی

(۱) جونراج ص ۳۴

محسوس کئے گئے ہر جگہ خشک سالی اور غلہ کی کمی تھی یوں لگتا ہے کہ انہی کے اثرات کشمیر تک پہنچے تھے چونکہ سلطان بنفسِ نفیس عوام میں خوراک کی فراہمی کے انتظامات کی نگرانی کر رہا تھا اس لئے قحط کے نتائج نسبتاً بہت خفیف تھے پھر اس نے مندرجہ ذیل انتظامی تبدیلیاں بھی کیں۔

(الف) دار الحکومت کی منتقلی اندرکوٹ کی بڑی پرانی تاریخ ہے اور عوام کے جذبات بھی اس سے وابستہ تھے۔ اسے للتادت کے پوتے جیاپید نے آباد کیا تھا یہ کوٹہ رانی کی حکومت کا مرکز بنا یہیں شاہمیر نے اس کا محاصرہ کیا اور پھر مکمل طور پر اسے اقتدار سے محروم کر دیا شاہمیر نے اسی شہر میں قیام کیا اور وہ دفنایا بھی یہیں گیا تاہم سلطان علاؤ الدین کے عہد میں مسلم تہذیب و ثقافت جامع مسجد کے قرب و جوار میں اشاعت پا چکی تھی جبکہ اندرکوٹ اپنی گزشتہ عظمت کو بہت حد تک کھو چکا تھا۔ بنا بریں، علاؤ الدین نے دار الحکومت کو ریچن پور کے نزدیک ایک مقام پر منتقل کر لیا اور اس کا نام علاؤ الدین پور رکھا۔

(ب) سماجی۔ قوانین

ہمیں دکناب، اکتنی ماتم اور دیسوپ دلیس میں کافی شہادتیں اس نظریہ کی تائید میں ملتی ہیں کہ ہندوؤں کے سماجی طور طریقوں میں بہت پہلے سے لگاؤ پیدا ہو گیا تھا بلکہ سوگندھا اور ودا اور راجہ ہرش کا کردار جس طرح کلہن نے پیش کیا ہے مسلمانوں کی آمد سے قبل کے عوام کی بدکرداری پر خوب روشنی ڈالتا ہے برائی کو ختم کرنے کے لئے راجہ سہم دیو (۱۳۰۱ء-۱۲۹۶ء) نے یہ حکم جاری کیا تھا (۱) کہ باپ کو اپنی بیٹی سے بدچلنی کرنے پر سزا دی جائے گی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ راجہ نے یہ حکم نشے کی حالت میں جاری کیا تھا اس لئے کہ اس کے فوراً بعد اس نے اس کو منسوخ کر دیا تھا اور یہ معصیت روک ٹوک کے بغیر بدستور رہی تا، بہر صورت

---

(۱) جونراج۔ ص ۱۴

رنچن اور شاہمیر اسے نہ روک سکے علاؤالدین ایک مختلف آدمی تھا اس نے حکم دیا کہ بدکردار لاولد بیوہ اپنے شوہر کی جائیداد کی وارث نہیں ہو سکے گی (۱) عجیب بات یہ ہے کہ جو قانون چودھویں صدی میں بنایا گیا تھا وہ اس ملک کی کتابوں میں ہمارے زمانے تک موجود رہا ڈوگروں کے عہد میں بھی ایک لاولد ہندو بیوہ نہ اپنے باپ یا خسر کی وارث بن سکتی ... اور نہ ہی وہ آزادی سے متبنیٰ بنا سکتی تھی علاؤالدین نے بارہ سال اور چار ماہ کی پرامن حکومت کے بعد ۱۳۵۶ء میں وفات پائی۔

شہاب الدین (۱۳۵۶-۷۴ء)

علاؤالدین کے بعد اس کا بیٹا شیر اشمک تخت نشین ہوا اور شہاب الدین کا لقب اختیار کیا اس نے سلطنت کشمیر کو پائیدار بنیادوں پر استوار کیا اسے پرامن ملک ایک اچھا اور وفادار بھائی ملا اور ایک لائق وقابل اعتماد وزارت نصیب ہوئی ذاتی طور پر بھی وہ ایک شجاع اور نیک انسان تھا اس کے فوجی و انتظامی منصوبے بڑے اعتماد کے ساتھ شروع گئے

فتوحات

اس نے کشمیر کے شمال مغرب اور جنوب میں واقع ہمسایہ ریاستوں پر چڑھائی کی۔ شمال میں اس نے ھبڑوں کو نیست و نابود کیا اور قندھار و غزنی میں خوف و ہراس پھیلا دیا (۲) کہا جاتا ہے کہ پنجاب کا رخ کرتے ہوئے اس نے سندھ کے جام کو شکست دی اور جب دہلی اور گرد و نواح کے اضلاع کی جنگی مہم سے واپس آرہا تھا تو اس کا نگر کوٹ کے راجہ سے آمنا سامنا ہوگیا۔ راجہ نے اطاعت قبول کر لی اور مال غنیمت کا ایک بڑا حصہ جو وہ

(۱) جونراج (۲) جونراج ص ۳۸

دہلی سے نکالا یا تھا سلطان کے حضور پیش کیا۔

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ آیا سلطان فی الواقع ان مہمات پر نکلا بھی تھا یا نہیں! اس موضوع پر قدیم ترین سند جو ہمیں ملتی ہے جونراج ہے جب ہم اس کے بیان کا نظام الدین کے بیان سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہم دونوں میں بہت حد تک اتفاق پاتے ہیں۔ لیکن یہ بات ماننا پڑے گی کہ نظام الدین نے جس نے اپنی تاریخ جونراج کے کوئی ایک سو پچاس سال بعد لکھی یا تو جونراج کے متن پر یا اس کے بعض تراجم پر انحصار کیا ہے۔

دوسری طرف ابوالفضل اس بیان پر قناعت کر لیتا ہے کہ شہاب الدین نے نگر کوٹ تبت اور دیگر مقامات کو تاخت و تاراج کیا۔

کشمیر کی فارسی تواریخ جن میں اولین ۱۰۱۷ھ میں تالیف ہوئی حسب معمول مبالغے سے کام لیتی ہیں (۱) اور اضافہ کرتی ہیں کہ سلطان فیروز شاہ نے جب یہ اطلاع پائی کہ سلطان کشمیر ایک بڑے لشکر کے ہمراہ دہلی کی طرف بڑھ رہا ہے تو اس نے سرہند اور کشمیر کا درمیانی علاقہ اسے سونپ کر صلح کر لی۔ سندھ کی تاریخ میں جام پر فتح تو درکنار سلطان شہاب الدین کا ذکر تک نہیں ملتا شک نہیں کہ نظام الدین اور اس کے بہ طانوی مقلد ہیگ نے اشتباھاً جونراج کے حکمران سندھو کو جام سندھ سے ملا دیا (۲) جس نے جونراج کے بقول اپنی بیٹی کا رشتہ دے کر سلطان کشمیر کے ساتھ جنگ سے اجتناب کیا تھا تاریخ فیروز شاہی کے مطابق سلطان فیروز شاہ نے (۸۸-۱۳۵۱ء) لکھنوتی سے واپسی کے بعد دولت آباد کی طرف شکار کی مہم پر پیشقدمی کی لیکن امور سلطنت نے اسے بیانا سے لوٹنے پر مجبور کر دیا اور بعد میں وہ فوج کے ساتھ نگر کوٹ کی جانب بڑھا۔

---

(۱) بہارستان شاہی (قلمی) ۲۱ الف ۲۱ ب

(۲) کیمبرج ہسٹری ج ۳ ایضاً جونراج ص ۳۸

کانگڑہ کی تواریخ کی روشنی میں سلطان فیروز شاہ نے جس نے دولت آباد کی سمت مہمات جنگی تیاریاں مکمل کر لی تھیں فوراً اپنے منصوبے سے ہاتھ اٹھالیا اور اس کی بجائے ۱۳۶۱ء میں کانگڑہ پر حملہ کر گیا۔ ظاہر ہے کہ فیروز شاہ جب تک ٹھوس وجوہ نہ دیکھتا اتنی جلدی اپنا ارادہ نہ بدلتا مگر اس کا مورخ شمس سراج عفیف صرف اتنا بیان کرتا ہے کہ امور سلطنت نے اسے دہلی واپس جانے کے لئے مجبور کر دیا تھا بہر حال ہم جونراج پر اعتماد کرتے ہوئے اسے اشتعال سے منسوب کر سکتے ہیں جو کانگڑہ کے راجہ نے حدود دہلی کے بعض اضلاع پر لشکر کشی کر کے دلایا تھا۔

جونراج لکھتا ہے۔۔۔۔ سلطان شہاب الدین اننے ادوک پتی (راجہ روپ چند) کو دریائے ستلج کے کنارے جہاں وہ حملۂ دہلی کے بعد پہنچا تھا پریشان کر دیا تھا۔ اور اس کا راستہ روک لیا ششرام پور (کانگڑہ) کے بادشاہ نے کشمیر کے بادشاہ سے خطرہ محسوس کیا اپنے قلعہ کی عظمت کو فراموش کر دیا اور ملکہ (دیوی) کی پناہ حاصل کی (۱) مندرجہ بالا واحد حوالے سے ہم یہ بات ثابت کر سکتے ہیں کہ شہاب الدین دریائے ستلج تک بڑھا تھا۔ جہاں ۶۱-۱۳۶۰ء میں اس کا مقابلہ کانگڑہ کے راجہ سے ہوا ہمیں وہ شکست بھی پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے جو سلطان شہاب الدین نے لوہر کوٹ کے مشہور قلعہ میں کھائی تھی وہ اگر پونچھ راجوری اور دوسری پہاڑی ریاستوں کو جو ۱۱۵۵ء تک کشمیر کی جاگیریں تھیں مطیع کرنے میں ناکام رہا تو یہ کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ وہ قندھار نگر کوٹ اور سندھ جیسی طاقت ور حکومتوں کو زیر کرنے کے قابل ہو گیا۔ ۲

ملی تعمیر نو

۱۳۶۱ء میں وادی کشمیر سیلاب سے تباہ ہو گئی تھی دریائے جہلم اور اس کے معاون

---

(۱) جونراج ص ۳۹۲ (۲) جونراج ص ۴۷

ندی نالے طغیانی پہ تھے اور انہوں نے کئی جگہوں کو زیر آب کر دیا تھا کوئی درخت کوئی حد بندی کا نشان، کوئی پل اور گھر ایسا نہ تھا جو سیلاب کے راستے میں ہو اور تباہ نہ ہو گیا ہو سب سے بڑی تباہی مکانات اور غلہ کی تھی مگر سلطان نے خوراک فراہم کرنے اور سیلاب سے متاثرہ لوگوں کو دوبارہ بسانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تباہ کن اثرات کے ساتھ سیلابوں کے خطرات کو کم کرنے کے لئے اس نے نشیب میں واقعہ شہر اور گاؤں کی از سر نو منصوبہ بندی کی اور دریائے جہلم کی تہہ کو صاف کروایا تب اس نے زراعت کی ترقی اور کسانوں کی فلاح و بہبود کو ترجیح دی اور زیادہ غلہ اگاؤ مہم کی حوصلہ افزائی کی اس نے بڑے زمینداروں کی طاقت اور اثر کو جو ذاتی سر بلندی کے لئے معاشرتی نزاع و بے آئینی کی ترغیب دیتے گھٹا کر امن و آسودگی کو بحال کر دیا

شہاب الدین نے جو پیدائشی طور پہ شہری سکیم ساز تھا کوہ ہری پربت کے اردگرد ایک بلند و صحت افزاء علاقہ کو دار الحکومت کے لئے منتخب کیا یہاں اس نے شارک پور (نگر نگر) کا شہر آباد کیا جس نے سیلاب و امراض سے محفوظ رہنے کی ضمانت دی۔ اس نے دریائے جہلم و سندھ کے سنگم پہ شہاب الدین پور کا شہر بھی بسایا ہم ذوق لطیف اور غیر معمولی قابلیت شہر سازی کا اندازہ جہانگیر کی توجہ سے لگا سکتے ہیں جس نے شہاب الدین پور کو اس کی تعمیر کے دو سو پچاس سال بعد دیکھا تھا جہانگیر لکھتا ہے شہاب الدین پور کشمیر کے مشہور مقامات میں سے ایک ہے ایک نفیس اور سر سبز قطعہ زمین تقریباً ایک سو خوبصورت چناروں کا جھرمٹ آپس میں اسطرح مل گیا ہے کہ پوری زمین پر سایہ پڑتا ہے یہاں تک کہ اس پر قالین بچھانا فضول اور ناقص معلوم ہوتا ہے (۱) آج یہ شہر شادی پور گاؤں کی صورت میں باقی ہے جو چناروں کے جھرمٹ میں ایک پرکشش مقام ہے۔

---

(۱) تو زک ج ۱، ص ۹۴

ہندوؤں سے سلوک

کشمیر کے فارسی مورخین لکھتے ہیں کہ سلطان نے ہندوؤں کے مندر منہدم کر دیئے اور ہندوؤں پر تشدد کیا نظام الدین اور ابوالفضل کی تواریخ میں ہمیں ایسا کوئی بیان نہیں ملتا۔ بلکہ مؤخر الذکر تو یہ بیان کرتا ہے کہ سلطان نے اکتساب علم کی حوصلہ افزائی کی اور مساویانہ طور پر ..... مذہبی رسوم کو ادا کرنے کا اعلان کیا اس غلط فہمی کی اساس جونراج کے درج ذیل در بیانات کی غلط اور متعصبانہ توضیح و تعبیر معلوم ہوتی ہے وجیشوری کے مندر کا مبینہ انہدام اور باغی ہندوں ...... اور ٹلیچھوں .... کی تباہی (۱)

جہاں تک وجیشوری کے مندر کی تباہی کا تعلق ہے کہا جا سکتا ہے کہ ۱۳۶۱ء کے سیلاب کے بعد مالیہ میں نقصان کے باعث سلطان کا خزانہ خالی ہو گیا تھا مزید برآں یہ کہ فوجی مہمات اور اندرون ملک تعمیراتی منصوبوں کے نتیجہ میں ریاست کے مالی و اقتصادی ذرائع کا بے پناہ خرچ اس کی زبردست مالی مشکلات کا موجب بن گیا تھا۔ ان مشکلات پر قابو پانے کے لئے اس کے ایک وزیر نے وجیشوری کے مندر کو گرانے کی تجویز پیش کی تھی تاکہ اس میں رکھی ہوئی پیتل کی مورتیوں کو روپے میں تبدیل کیا جا سکے لیکن سلطان نے یہ کہہ کر تجویز کو ٹھکرا دیا کہ وہ بت شکن کی حیثیت سے یاد کئے جانے کا خواہشمند نہیں ہے بلکہ اس نے تو اپنے نیک اور صلح جویانہ جذبات کو عملی شکل دینے کے لئے کچھ شکستہ مندروں کو مرمت بھی کروایا تھا (۲) ہندوں کی تباہی کی داستان بھی اسی طرح جھوٹی ہے ایک نیک نیت و عادل حکمران کی حیثیت سے شہاب الدین نے عوام کے امن و آسائش میں خلل ڈالنے والوں اور حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والوں کو خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان بڑی بے باکی سے کچل دیا۔ یہ واقعہ اس کے زبردست

---

(۱) جونراج ص ۴۵، ۴۴ (۲) جونراج ص ۴۴

احساس انصاف و بردباری کو ظاہر کرتا ہے اس نے ہندو باغیوں کو جب انہوں نے اطاعت کا عہدو پیمان باندھا معاف کر دیا جبکہ ایسی سوگند کو نہ کھانے والے مسلمانوں کو جان سے مار دینے کا حکم دیدیا۔

موت

زندگی کے آخری سال ایسا قابل سلطان بھی اپنی داشتہ کے حسن و جمال پہ فریفتہ ہو گیا یہ داشتہ ملکہ کی بھتیجی تھی جس نے سلطان پہ مکمل قابو پالیا تھا اور ملکہ کو اس کے دو ننھے شہزادوں کے ساتھ شہر بدر کروانے میں کامیاب ہو گئی تھی سلطان کا بھائی ہندال وارث تخت نامزد کیا گیا بہر حال سلطان نے جب اپنی غلطی کا احساس کیا تو پانی سر سے گزر چکا تھا اپنے شہر بدر بیٹوں کو ملاقات کی اجازت دیئے بغیر شکستہ دل انسان کی طرح مئی جون ۱۳۷۴ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

قطب الدین (۱۳۷۴-۸۹ء)

۱۳۷۴ء میں ہندال قطب الدین کے لقب سے تخت نشین ہوا اسے خدا نے بصیرت و تیز فہمی ودیعت کی تھی وہ تجربے کا حامل تھا جو اس نے اپنے بھائی کے انیس سالہ دور حکومت میں حاصل کیا تھا وزیر اعظم کا قلمدان بھی اسی کے پاس تھا اور وہ عوامی مسائل کو بھی خوب سنتا اور عدل و اعتدال کے ساتھ انہیں حل کرتا تھا۔

سیاسی مشکلات

ابتدائی عہد حکومت میں قطب الدین کو اپنے بھتیجے اور حریف اقتدار حسن خان سے نمٹنے کی دعوت دی گئی شہاب الدین نے اپنی موت سے پہلے اعلان کر دیا تھا کہ اس کے

بڑے بیٹے حسن خان کو جانشین ہونا چاہیئے اس نے حسن خان کو جلاوطنی سے بلایا تھا وہ ابھی راستے ہی میں تھا کہ اس نے باپ کی موت اور چچا کی تخت نشینی کی خبر سنی لہذا سرنگھ میں پیش آنے والے واقعات پر نظر رکھنے کے لئے وہ جموں میں ٹھہر گیا وہ پونچھ کی طرف سے مداخلت کا خطرہ بھی محسوس کر رہا تھا پونچھ کے ساتھ تعلقات نازک ہو گئے تھے اور عساکر پونچھ کے ہاتھوں شہاب الدین کی شکست کی یاد ابھی تک ذہنوں میں تازہ تھی (۱) ان حالات میں اگر شاہزادہ حسن خاں آزاد رہتا تو وہ کشمیر کی صورت حال سے استفادہ کر سکتا تھا وہ نشیب کی پہاڑی ریاستوں اور پونچھ کے راجپوت کرایہ داروں کو جمع کرتا اور حکومت کشمیر کا حقدار ہونے کا اعلان کر دیتا جس کے لیے اس کا ویسے بھی دعویٰ تھا۔

لیکن قطب الدین نے بڑے تدبر و پیش بینی کا ثبوت دیا اس نے بے خانماں شہزادے کو ولی عہد کا منصب پیش کر دیا یہ تجویز خاصی ورغلانے والی اور ظاہراً کسی پوشیدہ جذبہ و مقصد سے عاری تھی کیونکہ سلطان ابھی تک بے اولاد تھا حسن خان نے پیشکش کو قبول کر لیا وہ کشمیر پہنچا اور اطاعت و انقیاد کا حلف اٹھایا اس کے جلد ہی بعد سلطان نے پونچھ پر لشکر کشی کی پونچھ شہر کی حفاظتی فوج نے لوھرکوٹ کے قلعہ میں بہادرانہ مدافعت کی لیکن اسے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا گیا (۲) لڑائی میں کشمیری اپنے سپہ سالار لول ڈامر کو ہاتھوں سے کھو بیٹھے اس اثناء میں حسن خاں بیتابی و تلون مزاجی کی وجہ سے اپنے چچا کی احسان مندی کو بھلا بیٹھا وہ جتنا احمق تھا اتنا ہی جلد باز بھی تھا اور اس لئے سلطان کے دشمنوں کے ہاتھ میں کھلونا بن گیا۔

بدترین دشمن اور دیشری تھا جو شہاب الدین کا ایک طاقتور وزیر رہ چکا تھا اس نے شہزادے کے ساتھ مل کر سازش کی چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ شہزادہ لول ڈار کے گھر

---

(۱) جونراج ص ۷۴ (۲) کیمبرج ہسٹری ج ۳

کی بیوہ کی تعزیت کے لیے جائے اور پھر اسے وہیں قتل کروا دے (۱) مگر لول ڈار کی بیوہ سلطان کی بھی اتنی ہی وفادار ثابت ہوئی جتنی وہ اپنے شوہر کی وفادار تھی اس نے سازش کا انکشاف کر دیا اور دیلشری اور چھبن خان لوہر کوٹ بھاگنے میں کامیاب ہو گئے حیرت کی بات یہ ہے کہ وہاں میزبانوں نے گرفتار کر لیا اور پھر قتل کر دیا گیا۔

سید علی ہمدانی اور ان کی تبلیغی تحریک : فتح پو نچھ شہزادہ حسن خان کی جانشینی اور حکومت کے خلاف اس کی بغاوت کے بعد کا زمانہ کشمیر کی تاریخ میں یاد رکھنے کے قابل زمانوں میں سے ہے یہی سید علی ہمدانی کی آمد کا زمانہ ہے امیر کبیر علی ثانی سید علی ہمدانی جو کشمیر میں شاہ ہمدان کے نام سے مشہور ہیں ہمدان ایران کے میر سید محمد الحسنی کے بیٹے سیّد شہاب الدین کے لخت جگر تھے گھر میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ شیخ شرف الدین مزدقانی کے مرید ہو گئے اور انہی کی فرمائش پر انفس و آفاق کی سیر پہ نکل کھڑے ہوئے ان تعلیمی مسافرتوں کے بعد جن میں اکیس سال گزرے تھے سید علی نے اسلامی علوم اور سیاسی اصولوں کو مکمل طور پر اپنے اندر جذب کر لیا تھا انہوں نے نظریات و تجربات کو اپنی دو مشہور تالیفات ذخیرۃ الملوک اور غایۃ المکان میں درج فرما دیا ہے یہ دونوں کتابیں بالترتیب مسلم اخلاق اور سیاست و تصوف سے بحث کرتی ہیں۔ تحریروں سے آپ نہ تو سیاسی انقلاب پسند نظر آتے ہیں اور نہ ہی متعصب و تنگ نظر مصلح۔

ذخیرۃ الملوک میں انہوں نے وہ عام اصول لکھ دیئے ہیں جن پر نجی اور پبلک زندگی میں ایک اچھے مسلمان حکمران کو عمل کرنا چاہیئے وہ بادشاہ کو بھاری فرائض اور ذمہ داریاں نبھانے کی نصیحت کرتے ہیں مگر وہ اس میں ایمان نہیں رکھتے کہ بادشاہ کے ارد گرد الوہیت

---

(۱) جونراج ص ۵۳ — ۵۱

کا حامل ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک بادشاہ کو مومن و کافر کا امتیاز کئے بغیر رعایا کی فلاح و بہبود کی دیکھ بھال کرنی چاہئے اور ڈاکوؤں، چوروں سے ان کی حفاظت کرنی چاہیئے اسے دریاؤں پر پل اور حفاظتی چوکیاں تعمیر کرنی چاہئیں۔

ذخیرۃ الملوک میں سید علی ہمدانی ایک صوفی نظر آتے ہیں جس کا خدا پر اور اپنے اعمال پر پختہ ایمان ہے وہ ایک صوفی کی ان لوگوں پر جو مادی مشاغل میں مصروف ہوں برتری پر زور دیتے ہیں۔

سید علی ہمدانی خواجہ بہاؤ الدین نقشبند (۸۹ - ۱۳۱۹ء) اور سید جلال الدین بخاری کے معاصر تھے بعد میں وہ نقشبندی مسلک کے بانی کی تعلیمات سے متاثر ہوئے اور پھر وہ خود اس کے پیشوا بن گئے نقشبندی ایک مسلک کی حیثیت سے سیاست میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔ جس نے انہیں امیر تیمور سے لڑا دیا تھا۔

۱۳۷۰ء کے لگ بھگ تیمور نے اپنے آپ کو سمرقند و بخارا کا مسلّمہ حکمران بنا لیا تھا اور وہ حیرت انگیز سرعت کے ساتھ پڑوسی ممالک میں اپنی طاقت کو وسعت دے رہا تھا اس نے بلخ، خراسان اور ہرات کو فتح کیا۔

اسی اثنا میں وہ ایران پر قبضہ کرنے کی تیاریاں بھی کر رہا تھا یہاں یہ بات بتا دینا ضروری ہے کہ تیمور اپنے مفتوحہ ممالک کے ان سادات کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آتا تھا جو مسلمانوں پر حکومت کرنے کا حق اسے منتقل کر دیتے لیکن وہ سادات جنہوں نے اس تجویز پر اعتراض کیا ہمدان اور سبزوار ..... کے رہنے والے تھے چنانچہ وہ ان کے ساتھ بے رحمی سے پیش آیا اندریں حالات سید علی ہمدانی اور ان کے چھ سو پیرو نکل کھڑے ہوئے اور ۱۳۷۹ء میں پناہ گزین کی حیثیت سے وارد کشمیر ہوئے (۱) اسی زمانے میں سادات بیہق نے پہلے

---

(۱) سال تاریخ مقدم او در ۱ - یابی از مقدم شریف (اسرار الابرار، مشکواتی، قلمی، ص ۱۹) ۱۳۷۹ء / ۷۸۱ھ

ہندوستان کی طرف مہاجرت کی اور پھر وہ بھی کشمیر چلے آئے۔ ممکن ہے کہ وہ اس عالمگیر قحط و وبا کی سختیوں سے بچنے کے لئے پریشان ہوں جس نے یورپ کو کمزور کر دیا تھا۔ اور چودھویں صدی کے اواخر میں تباہ کن نتائج کے ساتھ پہلے ہی غرب ایشیا میں پھیل چکا تھا کشمیر میں سلطان قطب الدین نے ان کا بڑی گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا اس نے اپنے ملک میں ان کے آرام بخش قیام کی خاطر تمام انتظامات کئے۔

سرینگر میں سید علی ہمدانی نے اپنے قیام کے لئے دریائے جہلم کے دائیں کنارے پر واقع خوشگوار اور وسیع قطعہ زمین کو منتخب فرمایا جب سے سید علی ہمدانی نے یہاں آرام فرمایا یہ مقام خانقاہ معلی کے نام سے مشہور ہے خانقاہ کا ہبہ نامہ بتاریخ ۱۱ جنوری ۱۳۹۹ء (۲۹ ربیع الاول ۷۹۷ھ) جس پر سید علی ہمدانی کے فرزند و جانشین سید محمد ہمدانی کا دستخط و مہر ہے بہت بڑی تاریخی اہمیت کی دستاویز ہے اس سے خانقاہ کی ابتدائی حدود اس کی تعمیر کے مقصد اور اس کے وسائل مخارج پر روشنی پڑتی ہے۔

یہ اولین موجود دستاویز ہے جس سے کشمیر میں مسلمانوں کے خانقاہی نظام میں ادارہ انفاق کے آغاز کے بارے میں آگاہی حاصل ہوتی ہے عظیم الشان دیدہ زیب مسجد بعد ازاں اسی مقام پر سلطان سکندر (۱۴۱۳-۱۳۹۸ء) کے ہاتھوں تعمیر ہوئی زمانہ جوں جوں گزرتا گیا یہ مقام مسلمانان کشمیر کی مذہبی و سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔

سلطان قطب الدین پر خصوصاً اور عوام پر عموماً سید علی ہمدانی کے اثر کو صحیح طور سے جانچنے کے لئے کشمیر میں نفوذ اسلام کی تاریخ جاننا ناگزیر ہے کشمیر میں اسلام رینچن شاہ کے عہد میں پہنچا مگر اس نے سید علی ہمدانی کی تشریف آوری تک کوئی نمایاں ترقی نہیں کی تھی چند مساجد اور لنگر خانوں کی تعمیر کے سوا اشاعت اسلام کے لئے حکومت کی طرف سے براہ راست حوصلہ افزائی نہ کی گئی تھی اور رضامندی یا جبر سے قبول اسلام کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں، مندروں کے

انہدام اور بتوں کی تباہی کی ترغیب بھی نہیں کی جاتی تھی چند خاص معاملوں میں شروع کے سلاطین کی ہندوانہ روش واضح تھی مثال کے طور پر سلطان قطب الدین نے بیک وقت دو سگی بہنوں کے ساتھ شادی کر رکھی تھی جو شریعت اسلامی کے خلاف ہے مردوں اور عورتوں کا لباس بھی ہندوؤں جیسا تھا حتیٰ کہ سلطان بھی ہندو رعایا کی طرز کا لباس زیب تن کرتے[۱] شاردا اور عربی دونوں رسم الخط سرکاری طور پر تسلیم شدہ تھے اور استعمال کئے جاتے تھے۔ پھر سماجی اور ثقافتی طور پر میل ملاپ کے نتیجہ میں دونوں قوموں نے ایک دوسرے کے رسم ورواج کی خصوصیات اور محاسنات کو جذب کر لیا تھا۔

سید علی ہمدانی اور ان کے جان نثار مسلمان شاگردوں کے نزدیک کشمیریوں کی معاشرتی اور مذہبی زندگی نفرت انگیز و قابل تحقیر تھی کیونکہ یہ رسول اکرمؐ اور خلفائے راشدہ کے عہد میں تبلیغ و تعمیل کئے جانے والے اسلام کے خلاف تھی وہ مسلمانان کشمیر کو ہندوانہ خرافات سے آزاد کرانے کے لئے بڑے بیتاب تھے بناء بریں سید علی ہمدانی نے کشمیر کی کایا پلٹنے کا کام اپنے ذمہ لیا سب سے پہلے انہوں نے گفتار اور کردار دونوں کے ذریعے سچا اسلام — وہ اسلام جو پیغمبر نے پیش کیا تھا سلطان قطب الدین کو سکھایا انہوں نے سلطان کو روحانی طاقت سے متاثر کیا سلطان کے ذہن پر ان کا اثر حد کمال کو اس وقت پہنچا جب ان کی فرمائش پر ان کے غیر اسلامی نکاح کی تنسیخ ہو گئی ایک بہن کو نکاح میں رکھا گیا اور دوسری کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے طلاق دے دی گئی۔ انہوں نے سلطان کو یہ بھی ترغیب دی کہ وہ مسلمانوں کا لباس پہنے اور اپنی رعایا میں اسے رواج دے تب انہوں نے سلطان اور اس کی مسلم رعیت کی رہنمائی کے لئے شریعت کے اہم احکام و اصول کی جمع آوری کی اور سب سے زیادہ لائق و قابل اعتماد مرید کو اس کا مذہبی اتالیق مقرر کر دیا پھر انہوں نے اپنا کلاہ مبارک بطور تحفہ

---

[۱] بہارستان شاہی (قلمی) ۲۳ الف

سلطان کو پیش کیا اور اسے اس کی نسل کو طویل بادشاہت کی دعا دی (۱)

سید علی ہمدانی اور للہ ایشری

ہم یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتے کہ سید علی ہمدانی کشمیر میں تبلیغ اسلام کے ارادہ سے آئے تھے لیکن یہ حقیقت کہ وہ اپنے ہمراہ چھ سو مریدوں کا قافلہ لے کر وادی میں وارد ہوئے تھے مذکورہ نظریہ کے حق میں ثبوت واضح کر دیتی ہے اور بعد میں اس کی تصدیق اس .... کردار سے ہوتی ہے جو انہوں نے ملک میں ادا کیا ہندو مذہب کی کیفیت کو سمجھنے کے لئے جسے سید علی ہمدانی نے اسلام میں تبدیل کرنے کا ارادہ کیا تھا ...... للہ ایشری کا جوان کی مقامی معاصر تھی مطالعہ کرنا ضروری ہے۔

للہ ایشری یا للہ یوگنشری جیسا کہ سنسکرت بولنے والے احتراماً یاد کرتے ہیں یا للہ دد جس نام سے اس وادی کے ہندو و مسلم پکارتے ہیں یا اللہ جس طرح خاورشناسوں نے اسے لکھا ہے (۲) اعلیٰ روحانی استعداد کی مالک راہبہ تھی وہ پنڈرینتھن میں پیدا ہوئی اس کے تولد و وفات کی صحیح تاریخوں کا تعین کرنا مشکل ہے لیکن جب وہ سید علی ہمدانی سے ۸-۱۳۸۰ء میں ملی تو اس وقت اسے ایک جوان خاتون ہونا چاہیئے تھا بارہ سال کی ابتدائی عمر میں اس کی شادی ہو گئی تھی جس کا اس زمانے میں عام رواج تھا۔ اور تب سے وہ پام پور میں اپنے سسرال میں رہنے لگی یہاں اس نے تنگی و عسرت میں دن گزارے اس کی سوتیلی ساس بہت سنگدل اور بے رحم عورت تھی اور اس کا شوہر چڑچڑا ضدی اور ظالم تھا انہوں نے للہ کی زندگی کو بارہ سال تک بے حد اندوہ گین بنائے رکھا لیکن وہ اپنے مقدر سے مثالی جرأت و ضبط نفس کے ساتھ نباہ کرتی رہی آخر کار اس نے گھر بار چھوڑ دیا وہ ایک راہبہ بن گئی اور

---

(۱) تاریخ اعظمی ص ۳۰ (۲) اصل نام پدماوتی تھا

ہندو معاشرہ کے نقائص، مذہبی خرافات اور جہالت کے خلاف تبلیغ کرنے لگی۔

لل دد کے اقوال و واقعات زندگی کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ہندو معاشرہ ناقص و خراب تھا مرد متعصب، بدچلن اور شریر اور عورتیں بھی ایسی ہی تھیں ان کے مذہب کی بنیاد وسیع طور پر شیومت کے تنترائی عقائد پر تھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لوگوں کو عام طور سے سحر جادو ٹونوں پتھروں، چشموں، ندیوں، غرضیکہ پرستش کی تمام شکلوں کا معتقد بنایا جاتا تھا لل دد کو کشمیر کے برہمنی مذہب کی عظیم مصلح بننے کا موقعہ ملا تھا وہ چودھویں صدی کی اس عظیم الشان اصلاحی تحریک کی کشمیری نمائندہ بن گئی جس کے راہنما رامانند، کبیر نانک وغیرہ تھے اس نے ریاضتیں کی تھیں اور تکالیف اٹھائی تھیں مگر بے سود اس لئے کہ اس پر نور فقط باطنی طور پر چمکا تھا تب اس نے شدت سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رسم و رواج اور اشجار و انہار اور اصنام و احجار کی پرستش کے خلاف تبلیغ شروع کر دی وہ کہتی ہے کہ مندر میں رکھا ہوا پتھر کسی طرح بھی سنگ میل یا سنگ راہ سے بہتر نہیں بت تو بس پتھر کا ایک ٹکڑا ہے اور مندر اسی پارہ سنگ کی پرستش گاہ بت پرستی بے ثمر اور نادانی کا کام ہے۔ صداقت کا شعور صرف پاکیزگی، سادگی، مساوات اور انا سے آزادی کا ماحول پیدا کر کے حاصل کیا جا سکتا ہے[1] اس نے شیومت کے خلاف پرچار کیا جس پہ اس عہد کے تنترائی گرو جو ماہر جادوگر تھے عمل کیا کرتے وہ تسلیم کرتی ہے کہ گروؤں کی طاقت سحر و جادو عظیم الشان ہے وہ ایک بہتی ندیا کو روک سکتے بھڑکتی آگ کو ٹھنڈا کر سکتے ایک لکڑی کی بنی ہوئی گائے سے دودھ دوھ سکتے ہیں لیکن وہ حقارت سے کہتی ہے کہ یہ طاقت تو صرف مداری کا تماشا ہیں[2] اس طرز پرستش کے خلاف اس نے یوگا کے ذریعے فنائے ذات کی تبلیغ کی مختصر یہ کہ اس نے اپنے پیروؤں کی مشاہدہ سے مراقبہ کی طرف ریا سے حقیقت کی طرف اور رسم و رواج سے خلوص کی طرف رہنمائی کی وہ ترک دنیا اور رنگین لباس پہننے کو اچھا نہ سمجھتی تھی

---

(۱) لل واکیانی ۔ بیت ۳۸

اس کے عقیدہ میں تناسخ کا چکر اس وقت ختم ہو سکتا ہے جب نفس کو مٹا دیا جائے جب خودی کو مار دیا جائے انسان اور خدا ایک بن جائیں (۱) اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس نے مشکل و پیچیدہ سنسکرت زبان کو جسے برہمن لوگ مذہبی و معاشرتی تقاریب میں استعمال کرتے تھے ترک کر دیا تھا وہ کشمیر کی اولین معاشرتی و تعلیمی مصلح تھی جس نے احساس کیا کہ ہندو مذہب و معاشرہ کی پستی کا بڑا سبب عوام کا ان پڑھ ہونا ہے سنسکرت سرکاری زبان تھی اور مذہبی تقاریب اسی..... زبان میں انجام پاتیں جسے پڑھے لکھے برہمن ہی سمجھ سکتے تھے باقی لوگ مجبوری سے طوطی کی طرح دہراتے رہتے لل دد کے نزدیک یہ صورت حال خدا کا عذاب تھی اس نے ان پڑھ عوام کے لئے سنسکرت زبان کے استعمال کے خلاف آواز اٹھائی کیونکہ وہ اسے سمجھ نہیں سکتے تھے وہ یقیناً خود سنسکرت جانتی تھی لیکن ایک مخلص سماجی مصلح کی حیثیت سے اسے ترک کر دیا اور اپنے خیالات و افکار کو اس وقت کی آسان مروجہ کشمیری میں بیان کیا جس نے اس کے اقوال کو مقبول و ضرب المثل بنا دیا بہت کم ملک ہوں گے جن میں کشمیر کی مانند کہاوتیں یا حکیمانہ اقوال زبان زد عام ہوں کشمیری ہندوؤں اور مسلمانوں میں اقوال لل دد کی طرح کوئی چیز مقبول نہیں کوئی کشمیری ہندو یا اور مسلمانوں میں ایسا نہیں جسے ان کہاوتوں میں سے کچھ نہ کچھ ازبر نہ ہوں وہ مذہب جس کی تبلیغ لل دد نے کی آسان تھا وہ انسانی برادری اور توحید خداوندی پر زور دیتی وہ ہندو مسلم اتحاد کی بانی تھی وہ ہندو مت اور اسلام کے درمیان ایک پل بن کر کھڑی ہو گئی اور اسے اپنے نوجوان معاصر شیخ نور الدین بانی مسلک ریشی پر چھوڑ دیا کہ وہ اسے مقبول بنائیں۔ لَلہ کے مذہب کے اصول بت پرستی کو رد کرنا، توحید خدا اور یوگا ریاضت تھے جب ہم صوفی مذہب کی خصوصیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ توحید خداوندی، انسانی برادری اور ترک بت پرستی کے علاوہ جو بنیادی اصول ہیں وہ صیغہ ذکر میں ہندوؤں کے یوگا سے ملتے جلتے ہیں ذکر ضبط نفس

---

(۱) لل دا کیانی۔ گریرسن۔ بیت ۴، ۵، ۵۱، ۴۱

کی ایک مشق ہے نقشبندیوں اور صوفیوں نے عام طور سے ایک مجرد روح کیلئے متعدد زندگیوں کا عقیدہ سکھایا ہے اور یہ بھی کہ روح موت کے بعد نئے بدن کے ساتھ دنیا میں لوٹ کر آتی ہے انہوں نے دنیا اور اس کی نیرنگیوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے ذکر تجویز کیا ہے یعنی اپنی توجہ دل پر مرکوز کرو دو آنکھیں بند رکھو منہ مضبوطی کے ساتھ بند کر لو زبان کو تالو کے ساتھ دبا لو، دانتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ سخت کر لو اور سانس روک لو یہ کلمہ زور زور سے مگر زبان سے نہیں دل سے دہراؤ لا الٰہ الا اللّٰہ اس نے ویدانت اور صوفی

مذہب کے درمیان اچھے ہندوؤں اور اچھے مسلمانوں کے درمیان ہم آہنگی کا پرچار کیا اور اس طرح سید علی ہمدانی کے کام کو آسان بنا دیا تھا جنہوں نے اپنے مریدوں کو قصبوں اور گاؤں میں تقسیم کر دیا تاکہ وہ لوگوں میں رہیں اور عمل و وعظ کے ذریعے اپنا عقیدہ پھیلائیں خود سید علی ہمدانی نے سری نگر میں سلطان قطب الدین اور اس کے رفقاء کو سچا اسلام سکھایا سید علی ہمدانی کشمیر میں چھ سال تک مقیم رہے وہ اسلام اور مسلم تہذیب کو مقبول بنانے کا کام اپنے مریدوں کو سونپنے کے بعد گرتی ہوئی صحت کے پیش نظر ۱۳۸۴ء میں کشمیر سے چلے گئے وہ ہزارہ کے راستے میں وفات پا گئے اور پھر ختلان میں دفن کئے گئے۔

سلطان قطب الدین کی وفات

سلطان قطب الدین کے آخری چند برسوں میں اسلام نے سید علی ہمدانی اور ان کے مریدوں کی کوششوں سے قابل قدر ترقی کی تحریک کو بڑھتی ہوئی سرکاری حوصلہ افزائی اور مدد ملی اسلئے کہ اسی زمانے میں سلطان مذکور کو خدا نے دو بیٹے عطا فرمائے تھے اور اسے خود سید علی ہمدانی کی کرامات سے منسوب کیا گیا تھا شہزادوں کا نام سکندر اور ہیبت خان رکھا گیا تھا اسکے جلد بعد سلطان نے ۱۳۸۹ء میں پندرہ سال حکومت کرنے کے بعد وفات پائی اور قطب الدین پورہ سری نگر میں سپرد خاک کیا گیا۔

باب پنجم

دہشت و بربریت کا عہد

سلطان قطب الدین کی جگہ اس کے بڑے بیٹے شنکر نے ۱۳۸۹ء میں زمام اقتدار اپنے ہاتھوں میں لی اسے بعد میں سلطان سکندر کہا گیا وہ نابالغ تھا اس لئے اس کی ماں اپنے دو باا ثر وزیروں رائے ماداری اور سہک کی مدد سے نائب کی حیثیت سے کام کرنے اور تمام شاہی اختیارات برتنے لگی وہ ایک پرعزم، بے انتہا خود غرض اور سیاسی فہم و فراست کی مالک عورت تھی وہ کشمیر کی آخری عورت ہے جس نے عنان اقتدار اپنے ہاتھ میں لی نیابت کے ابتدائی سال خطرات سے مملو تھے سلطان سکندر کا دعویٰ مرحوم سلطان کی وصیت کی رو سے غیر منظور شدہ تو تھا ہی اس کی بہن اور بہنوئی شاہ محمد نے بھی اس پر اعتراض کیا اور علم بغاوت بلند کر دیا۔ بے رحمی انتقام اور خود پروری کے جذبہ سے قائمقام ماں نے حکم دے دیا کہ بیٹی اور داماد کو پھانسی پر چڑھا دیا جائے پھر اس نے امور سلطنت کا انتظام و انصرام مضبوطی سے ہاتھ میں لیا اور وحشت و بربریت پھیلا دی وہ بے نہایت جاہ طلب اور بیگمان غالب اپنے نام سے حکومت چلانے کے لئے بیقرار تھی۔ بعد کے واقعات اس بات کی تائید کرتے ہیں اس کے ہاتھوں اپنی بیٹی اور داماد کے قتل ناحق کا داغ نہیں مٹا تھا کہ اس کے مشیر اعلیٰ رائے ماداری نے شہزادہ ہیبت خاں کو زہر دیکر مروا دیا پھر اس نے اپنے رفیق کار سہک کو قتل کر ڈالا (۱) کیونکہ وہ ملکہ کی عیارانہ حکمت عملی سے اتفاق نہیں کرتا تھا اس کے

---

(۱) جوناراج ص ۵۵

بعد جلد ہی رائے مذکور نے خود سلطان سکندر کی زندگی کے خلاف منصوبہ باندھا مگر اس کے باغیانہ منصوبے کا سلطان کو کسی طرح پتہ چل گیا سکندر جب بالغ ہوا تو اپنی زندگی کے لئے خطرہ محسوس کر گیا اس نے دلیری کے ساتھ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی خطبہ اپنے نام کا پڑھوایا اور سکہ جاری کیا اس طرح اس نے رائے مادار ی اور ماں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا تاہم رائے مذکور اپنی قریب الوقوع تباہی سے اس وقت بچ نکلا جب اسکو تبت خورد کی تسخیر کی ذمہ داری سونپی گئی اور اس نے اسے فتح کر لیا تاہم کامیابی نے جلد ہی اسے آپے سے باہر کر دیا۔ اس نے تخت پہ قبضہ کرنے کی غرض سے بغاوت کر دی لیکن وہ اس میں ناکام ہوا چنانچہ گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا گیا جہاں اس نے خودکشی کر لی۔

سیّد محمّد ہمدانی

۱۳۹۳ء میں نیابت کا خاتمہ ایک زبردست اہمیت کا واقعہ ثابت ہوا یہ بیہقی سیّدوں اور علاؤں کی فتح کا نشان بن گئی جو بڑی آرزوئیں لئے مستقبل کا انتظار کر رہے تھے نوجوان سلطان ان کے لئے قابل رسائی رہا اور اپنی مصلحتوں کے پیش نظر ان کا اثر قبول کرتا رہا یہ اسے اس کی ماں اور رائے مادار ی کے برے اثر سے چھڑانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اب انہوں نے کشمیر میں اسلام کی پیشرفت کا آغاز کیا اور فیصلہ کیا کہ سکندر کو کشمیر کا پہلا خالص مسلمان حکمران ہونا چاہیئے۔

نوجوان سلطان کے اکثر رفقا اور مشیر بیہقی سادات پہ مشتمل تھے جو تیمور سے شکست کھانے کے بعد سید محمود بیہقی کی قیادت میں سبزوار سے کشمیر آ گئے تھے وادی کے قدرتی حسن اور پُرسکون و خوشگوار ماحول نے ان کو سمرقند، بخارا اور ایران کے تقریباً سبھی جغرافیائی ذرائع فراہم کر دیئے تھے اور مادی اور معاشرتی ترقی کے لئے ان پہ روشن امکانات کا دروازہ کھول دیا تھا پھر ان کے بھائی بند بھی یہاں آنے لگے خصوصاً ایران اور اس کے ہمسایہ

علاقوں پر قبضہ تیمور کے بعد ان کی ہجرت میں اضافہ ہو گیا تھا ایران میں مسلمان پناہ گزینوں کا یہ دوسرا قافلہ ۱۳۹۳ء میں سید علی ہمدانی کے فرزند و جانشین سید محمد ہمدانی کی قیادت میں وارد کشمیر ہوا۔

سید محمد ہمدانی ۱۳۷۲ء میں پیدا ہوئے تھے وہ بمشکل بارہ سال کے ہوں گے جب ان کے والد نے وفات پائی ان کو بغیر کسی مخالفت کے اپنے والد کی خلافت ملی تب وہ اپنے مریدوں کے ہمراہ کشمیر میں داخل ہوئے سلطان سکندر نے ان کا شاہانہ استقبال کیا اخراجات کے لئے جاگیریں عطا کیں اور جس جگہ اب خانقاہ معلیٰ واقع ہے ان کے لئے وہاں ایک خانقاہ تعمیر کروائی سید محمد ہمدانی نے خود بھی سلطان کے مطالعہ کے لئے دین اسلام پر ایک مختصر سا رسالہ قلم بند کیا وہ بارہ سال کے قیام کے بعد ۱۴۰۵ء میں کشمیر سے چلے گئے بعد میں انہوں نے اپنی ذہانت و قابلیت اور اسلام سے پرجوش محبت کا کافی ثبوت بہم پہنچایا اپنے والد کے برعکس سید محمد ہمدانی کا یہ عقیدہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی کامیابی پرامن طریقوں سے جوڑ نہیں کھاتی انہوں نے وہ تمام جنگی طریقے اپنانے کا فیصلہ کیا جن کی نسبت غازی لقب سے جوڑی جاتی ہے اس وجہ سے نامور صوفی سعید حصاری نے ان کی زبردست مخالفت کی اور انہیں کشمیر چھوڑنے پر مجبور کر دیا کشمیر کے حالات سید محمد ہمدانی کے منصوبوں کے حق میں بالکل مفید و مناسب تھے سلطان پر سادات کا بڑا اثر تھا جو سید محمد ہمدانی کو اپنا روحانی رہنما اور اپنی وحدت و قوت کی علامت سمجھتے تھے اہل کشمیر کے دل میں شاہ ہمدان کے فرزند کی حیثیت سے ان کے نام اور شخصیت میں بڑی کشش تھی بھر عمر کی یکسانیت نے سلطان سکندر اور سید محمد ہمدانی کو ایک دوسرے کے نزدیک تر کر دیا تھا ان کے تعلقات اس وقت اور استوار ہو گئے جب سید محمد ہمدانی نے ایک گراں بہا الماس سلطان سکندر کے حضور نذر کیا اب سید محمد ہمدانی کے اثر و رسوخ میں آئے دن اضافہ ہونے لگا ان کا پہلا بر وقت نشانہ سلطان کا طاقت ور برہمن وزیر اعظم سوہا بھٹ تھا جسے کسی شور و غل کے بغیر وہ مسلمان کرنے میں کامیاب ہو گئے

اس کا نام ملک سیف الدین رکھا اور پھر اس کی لڑکی سے شادی کر لی۔

حملۂ تیمور (۱۳۹۸ء)

سید محمد ہمدانی اور ان کے پُرجوش پیروؤں کو نوجوان سلطان اور اس کے وزیر اعظم کے ذہن پر کامل تسلط حاصل کرنے میں پانچ سال (۹۸-۱۳۹۳ء) لگ گئے تھے لیکن تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا تو انہوں نے کشمیر میں جہاد کا خیال چھوڑ دیا ۱۳۹۸ء میں تیمور نے اپنے پوتے رستم خان کو زین العابدین کی ہمراہی میں دہلی سے کشمیر بھیجا تاکہ سلطان سکندر سے اطاعت و وفاداری کی درخواست کی جائے (۱) اس کی پالیسی یہ تھی کہ اپنی دور افتادہ خاندانی بادشاہت کے دوام کو یقینی بنانے کے لئے تمام مسلمان حکمرانوں کو جو اس کی دسترس میں تھے مٹا دیا جائے جب سفیر سرینگر پہنچے تو سلطان نے جسے دربار کے تیمور دشمن اور اس کی قوت و ارادہ سے واقف عناصر کی نصیحت راہ دکھا رہی تھی عقلمندی سے ان کا شاہانہ استقبال کیا اور امیر کی اطاعت کا اعتراف کر لیا اپنی طرف سے بھی اس نے مولانا نور الدین بدخشانی کو اپنا وکیل بنا کر تیمور کے پاس بھیجا اور ایک خط بھی دیا جو بحید انکساری و فرمانبرداری کے پیرایہ میں اسطرح مرقوم تھا (۲) کہ سکندر امیر کا ایک خاکسار خادم ہے اور اس نے انتظار کرنے اور فاتح کو خراج تحسین پیش کرنے کا عزم کر رکھا ہے اور وہ احکامات وصول کرنے کی غرض سے بھمبر میں رہے گا اس سارے اقرار و اعتراف کا مقصد یہی تھا کہ تیمور کو کشمیر سے باہر ہی رکھا جائے۔

سفیر کشمیر جموں کے نزدیک تیمور کے کیمپ میں ۲۴ مارچ ۱۳۹۹ء کو پہنچا یہاں تیمور

---

(۱) ملفوظات تیموری ص ۵۸۲ و ظفرنامہ ج ۲ ص ۱۶۴

(۲) ملفوظات تیموری ص ۵۸۲

کے حریص وزراء نے اسے بتایا کہ سلطان کو چاہیئے کہ وہ تیس ہزار گھوڑوں اور علاؤ الدین خلجی کے ایک لاکھ روپہلی ٹانک کا جن میں ہر ایک ٹانک کا ڈھائی تولے وزن ہو تحفہ پیش کرے یہ سن کر سفیر سچ مچ بے ہوش ہی ہو گیا بہر حال اس نے فرار ہونے کا انتظام کر لیا اور معاملہ کی رپورٹ سکندر کو جو بھمبر میں انتظار کر رہا تھا پیش کر دی جس سے لبریز ہو کر سلطان فوراً کشمیر کی طرف چلا تا کہ یہ دیکھے کہ تیمور کے لئے تحائف کیونکہ جمع کر سکے گا در حقیقت اتنے بڑے تحفہ کا تقاضا خود تیمور کا مدعا بھی نہ تھا۔

بہر حال جب تیمور کو جموں میں اس بات کا علم ہوا تو اس نے اظہار افسوس کیا اور اپنے وزیروں کو حد سے بڑھ کر مانگنے کے لئے ڈانٹ ڈپٹ پلائی اور فوراً زین العابدین اور سید محمد مدنی کو سلطان سکندر کے پاس یہ اطلاع دینے کے لئے بھیجا کہ اسے اٹھائیس دن کے بعد دریائے سندھ کے کنارے کوئی تحفہ لائے بغیر ملاقات کرنی چاہیئے (۱) وجہ یہ تھی کہ اسے انہی دنوں اپنی سلطنت کے مشرقی حصے میں خطرناک شورش کی خفیہ رپورٹیں موصول ہوئی تھیں اور اس نے لشکر کو پیچھے چھوڑ کر جتنا جلد ممکن ہو خود سمرقند کی طرف بھاگ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اسلام کا استحکام

کم سن اور نا تجربہ کار سلطان سکندر قدرتی طور پر تیمور کے افسروں کی طرف سے کی گئی بے حد مانگ کی وجہ سے خوفزدہ ہو گیا تھا یہاں تک کہ مطالبہ کے خیال سے ہی وہ حواس باختہ ہو جاتا لیکن سادات نے اس کی تکلیف دہ حالت کو سنہری موقع جانا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے ہی اس کے انتظار میں ہوں انہوں نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

بیرونِ ملک تیمور کے واسطے تحائف کا جمع کرنا سلطان سکندر کے لئے ناممکن کام

---

(۱) ملفوظاتِ تیموری ص ۴۸۳

تھا اس وقت وہ تقاضا کی منسوخی کے احکام اور جلدی میں ہندوستان سے تیمور کی روانگی کے بارے میں کچھ نہ جانتا تھا ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھولے بھالے سکندر کو سادات کے ذریعے جن کی قیادت نو مسلم سوہا بھٹ کر رہا تھا نجات حاصل کرنے کی امید نظر آئی جب انہوں نے اس پر زور ڈالا کہ ہندو مندروں کو گرایا جائے اور ان کی قیمتی مورتیوں کو روپے میں تبدیل کیا جائے

فرشتہ لکھتا ہے کہ سوہا بھٹ نے بے حد کوشش کی یہاں تک کہ سلطان نے اس کے کہنے پر حکم بھی دے دیا تاکہ تمام برہمنوں اور لکھے پڑھے ہندوؤں کو مسلمان ہو جانا چاہیئے۔ اور جو اسلام قبول نہ کریں انہیں ملک سے نکل جانا چاہیئے پیشانی پر قشقہ نہ لگایا جائے بیوگان اپنے شوہروں کی لاشوں کی ساتھ دفنائی نہ جائیں سونے چاندی کی ..... مورتیاں شاہی دار الضرب میں پگھلائی جائیں اور دھات کو رائج الوقت سکہ بنانے میں استعمال کیا جائے اس کے سبب علاقے کے ہندوؤں پر جو اکثر برہمن تھے بہت بڑا قحط ٹوٹ پڑا۔ بہت سارے برہمنوں نے جو نہ تو اسلام قبول کر سکتے اور نہ ہی ملک چھوڑ سکتے تھے خودکشی کر لی بقیہ اپنا وطن چھوڑ کر بیرونی ملکوں میں چلے گئے (۱) حقیقتاً ایسی سکیم کشمیر کی تاریخ میں منفرد اور بے مثال نہ تھی متعدد مشہور مندروں نے کئی موقعوں پر بے باک ہندو راجاؤں کو ماضی میں ان کی مالی مشکلات کے وقت مدد دی تھی اس کی بدترین مثال راجہ ہرش (۱۱۰۱-۱۰۸۹ء) کی ہے ان سخت حالات کی روشنی میں اگر سلطان سکندر اپنے وزیر اعظم سوہا بھٹ کے ظاہراً خوشنما دلائل اور ہٹ دھرم سادات کی ترغیبات کے سامنے جھک گیا تو ہمیں تعجب نہیں کرنا چاہیئے یوں لگتا ہے کہ جونہی سلطان نے مندروں کے گرانے کی اجازت دی متعصب لوگ جوش کے مارے پاگل ہو گئے تھے جونراج کے بقول کوئی شہر، قصبہ، جنگل ایسا نہ تھا جہاں سوہا بھٹ ترشکہ (مسلمان) نے دیوتاؤں کے مندروں کو توڑے بغیر چھوڑ دیا ہو، جہاں پہلے

---

(۱) فرشتہ ج ۲ ص ۳۴۱

مورتیاں تھیں اب ان کا نام باقی رہ گیا تھا (۱) مشہور مندر جنہیں یا تو کاملاً تباہ کر دیا گیا یا سنگدلی سے نقصان پہنچا کر ناقابل مرمت بنا دیا گیا تھا مندرجہ ذیل تھے۔

مارتنڈ، چکدھر، تری پوریشور، شور یشور اور دو مندر اونتی پور اور پریسیور میں تھے ان میں بعض مندروں کے آثار باقیہ اس تباہی کا واضح ثبوت ہیں جو کینہ پرور سادات نے پھیلائی تھی۔ انہوں نے بے جا شادمانی میں سکندر کو اپنا دلپسند لقب "بت شکن" دیا اس کے بعد وہ تاریخ میں اسی نام سے مشہور ہوا۔ مگر ہندوؤں کے مندروں کی تباہی اور ان کے بتوں کی بے حرمتی سے سادات کا متعصبانہ جوش ٹھنڈا نہ ہوا انہوں نے سرزمین کو طوفان باد و برق سے ہلا کر رکھ دیا تھا وہ کشمیر سے ہندومت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے پر تلے ہوئے تھے اور سوہا بھٹ کی فرمائش پر جس کا جوش اپنے سابقہ ہم مذہبوں کے قتل کے لئے بے مثال تھا احکام جاری کئے گئے۔ رسم ستی کو منسوخ کیا گیا۔ پیشانی پر ٹیکا لگانا ممنوع قرار پایا اور جزیہ نافذ کیا گیا ان منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہندوؤں کو اختیار دیا گیا کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا ملک سے چلے جائیں یا پھر موت کے لئے تیار رہیں (۲)، کہا جاتا ہے کہ ہندو مذہب و ثقافت پر تمام موجود لٹریچر کو جمع کر کے جھیل ڈل میں پھینک دیا گیا تب سادات نے سکندر سے احکامات جاری کروائے جن کے ذریعے شراب نوشی، شراب فروشی، ڈھول بجانا، گانا گانا، قمار بازی اور محافل لہو و لعب پر پابندی عائد کر دی گئی تاکہ خالص و منزہ اسلام کو جیسا کہ وہ حضرت پیغمبرؐ اور ان کے خلفا کے زمانے میں تھا جاری کیا جائے پھر انہوں نے نوہٹہ میں جامع مسجد کو از سر نو تعمیر کیا اور خانقاہ معلی کی مسجد سید علی ہمدانی کی یادگار کے طور پر تعمیر کی گئی دو اور بڑی مسجدیں بھون اور بجبہارہ میں بنائی گئیں۔

سکندر اپنے بڑے بیٹے میر خان کو اپنا جانشین نامزد کرنے کے بعد جون ۱۴۱۳ء میں وفات پا گیا اسے مزار سلاطین میں دفن کیا گیا۔

---

(۱) جونراج ص ۶۰ (۲) جونراج ص ۶۰

مندروں کے انہدام کے متعلق مبالغہ

اس سے پہلے کہ ہم عہد سکندر کے واقعات ختم کریں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اولاً اس کی تحقیق کریں کہ وہ ہندوؤں کے مندروں کو گرانے کا ذمہ دار کہاں تک تھا اور ثانیاً یہ کہ ہندوؤں کی طرف سے عائد کئے گئے الزامات کی نوعیت کیا ہے۔

جونراج سکندر کی وفات کے کوئی پچاس سال بعد لکھتے ہوئے اسے واشگاف الفاظ میں ملزم ٹھہراتا ہے کہ اس نے دیوتاؤں کے تمام مندروں کو تباہ کر دیا مرزا حیدر دغلت جس نے کشمیر پر حکومت کی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور وادی[1] کے چپہ چپہ کی سیاحت کی لکھتا ہے سلطان سکندر نے مسلمانی مذہب کو رواج دیا اور تمام مورتی رکھنے والے مندروں کو مسمار کروا دیا[2] عجائبات کشمیر کو گنواتے ہوئے جن میں سے وہ یہاں کے دارالاصنام کو پہلا درجہ دیتا ہے بیان کرتا ہے کہ کشمیر (سری نگر) کے ارد گرد ایک سو پچاس سے زیادہ مندر موجود ہیں ان کی جسامت ساخت اور حسن کے بارے میں بہترین توضیح دینے کے بعد جب وہ ایک سو پچاس مندر گنتا ہے تو بڑے تعجب کا اظہار کرتا ہے ابوالفضل جس نے وقائع کشمیر کو مرزا حیدر کے تقریباً پچاس سال بعد قلم بند کیا بیان کرتا ہے " سکندر روایات مذہبی کا خشک پیرو اور متعصب تھا اور اس نے مورتی پوجا والے مندروں کو گرایا اور جو لوگ اس کے عقیدہ کے نہ تھے ان کو تکالیف پہنچائیں۔ ۔ آگے چل کر وہ مزید لکھتا ہے کشمیر کے قدیم مندر دیکھ کر حیرت ہوتی ہے ان میں اکثر آجکل کھنڈروں میں تبدیل ہو چکے ہیں[3] نظام الدین کا بیان ہے کہ یہ سلطان ہندوؤں کے مندروں کے گرانے میں ماہر تھا اس کا مداح فرشتہ اضافہ کرتا ہے کہ سکندر نے ہندو مندروں اور ان کے اصنام کو جن میں سے اکثر خراب حالت میں تھے تباہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا اکبر کے مؤرخین بھی

---

(۱) ۵۰ - ۱۴۰ ۱۵ ء

(۲) تاریخ رشیدی ص ۴۳۴ (۳) آئین ج ۲، ۳۸۷

پیتل کی پلیٹوں پر سنسکرت تحریروں کے بارے میں جو اس وقت دریافت ہوئیں جب بجبہارہ اور پریسپور کے مندروں کو بعہد سکندر مسمار کیا گیا۔ عجیب و غریب کہانیاں لکھتے ہیں مقامی تاریخ نویسوں مثلاً بیربل کاچرو اور حسن نے بھی اپنے فکر و بصیرت سے کام لئے بغیر انہی بیانات کو دہرادیا ہے۔

جہانگیر ۱۶۲۳ء میں لکھتے ہوئے بیان کرتا ہے۔ کشمیر کے سر بفلک مندر جو ظہور اسلام سے پیشتر تعمیر ہوئے تھے ابھی تک موجود ہیں اور پتھر کے بنے ہوئے ہیں (۱) مگر وہ بھی ان کی تعداد نہیں بتاتا۔ مرزا حیدر دغلت ان کی تعداد ایک سو پچاس لکھتا ہے تو اس میں کوئی مبالغہ نظر نہیں آتا۔

وینی، جس نے ۳۸، ۱۸۳۴ء کے دوران کشمیر کی سیاحت کی اور ۱۸۴۲ء میں اپنا سفر نامہ شائع کیا مندروں کی تعداد ستر سے اسی تک گنواتا ہے (۲)

بنا بریں ظاہر ہے کہ سکندر نے تمام مندروں کو نہیں ڈھایا تھا جونراج اور وہ تمام لوگ جنہوں نے اس کے بیان کو نقل کیا ہے مبالغہ سے کام لیتے ہوئے سلطان کو تمام مندروں کی تباہی کے لئے قصور وار ٹھہراتے ہیں جس واقعہ کے رونما ہونے کا احتمال ہے وہ یہ ہے کہ سلطان کے حکم کے تحت کچھ مندر جن کے بارے میں خیال تھا کہ ان میں قیمتی مورتیاں موجود ہیں مسمار کر دیئے گئے تاکہ تیمور کے وزراء کا تقاضا پورا کرنے کے لئے روپیہ مہیا کیا جائے جونراج برہمن ذات کے ساتھ تعرض کے سوا سلطان کی کسی کارروائی کی مثال پیش نہیں کرتا (۳) لیکن فارسی تاریخ نویس بتلاتے ہیں کہ اس نے ہندوؤں کے لئے آزادی کے ساتھ ہندو ماحول میں جینے کو عملاً ناممکن بنادیا تھا جونراج کے بقول غلط طریقے اس کے بیٹے اور جانشین علی شاہ کے عہد میں بھی اپنائے جاتے رہے یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیئے کہ سکندر اٹھارہ سالہ جوان تھا جب اس

---

(۱) توزک، ج ۲۔ ص ۱۵۰ (۲) وینی سفر نامہ ج ۱۔ ص ۴۰۵ (۳) جونراج ص ۶۵

نے اپنی ماں کی نیابت سنکالی اور تمام عملی مقاصد کیلئے جو ہند و منڈلی کے تھے اس نے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیئے اس گروہ نے کسی نہ کسی بہانے شاہی خاندان کے تمام اہم ارکان کو جو مسلمان تھے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا ایسے حالات میں سکندر مجبور ہو گیا کہ وہ سادات اور علماء سے امداد لے جو اس کی مضبوط جماعت بن گئے اور اس نے ان کو بیس سال کی مدت کے لئے تمام اندرونی بیرونی خطرات سے سلامتی کا یقین دلایا تیمور کا حملہ اور سکندر سے اس کے وزیروں کا حد سے زیادہ تقاضا اس کے علاوہ تھا لہذا جب اس نے صنم کدوں کے انہدام کا حکم دیا تو وہ کوئی قابل تقلید مثال پیش نہیں کر رہا تھا بلکہ وہ تو ایک خاص بحران میں سابقہ مثال سے استفادہ کر رہا تھا بہر صورت تاریخ میں یہ ایک ایسا واقعہ ہے جسے ہمارے فارسی مؤرخین اور ان کی تقلید میں معاصر تاریخ نویسوں نے توڑ مروڑ کے پیش کیا اور اس بات پہ زور دیا کہ سکندر بت شکن اور ہندوؤں کا دشمن تھا۔

سلطان علی شاہ (۱۴۱۳-۲۰ء)

سلطان سکندر کا سب سے بڑا بیٹا میر خان علی شاہ کے لقب سے ۱۴۱۳ء میں تخت نشین ہوا علی شاہ ایک الہڑ نوجوان اور آداب فرمانروائی سے نابلد تھا اس لئے سوہا بھٹ ہی حسب سابق وزیر اعظم رہا جب تک سکندر زندہ رہا سوہا بھٹ آزادی سے ہندوؤں کا قتل عام نہ کر سکا لیکن اس کی موت نے سوہا بھٹ اور پر جوش ملاؤں کے توی کو ہندوؤں کے خلاف ایک سخت جنگ شروع کرنے کے لئے موقعہ فراہم کر دیا تھا انہوں نے سنگین کی نوک کے بھاری ٹیکسوں کے دباؤ سے امتیازی قوانین کے بل بوتے پہ انہیں اسلام قبول کرنے پہ مجبور کیا خاص طور پر ان کا برتاؤ برہمن برادری کے ساتھ سخت سے سخت تر ہوتا چلا گیا ان پہ بھاری جرمانے کئے جاتے اور ایذائیں دی جاتیں یہاں تک کہ جونراج کے بیان کے مطابق کچھ

برہمنوں نے زہر کھا کر کچھ نے گلے میں پھندا ڈال کر، کچھ نے دریا میں چھلانگ لگا کر، کچھ نے چٹانوں سے گر کر اور کچھ نے جل کر اپنے آپ کو ہلاک کر دیا اور جو بچے وہ ملک سے بھاگ گئے(۱) دہشت و بربریت کے دور کا خاتمہ اس وقت ہوا جب سوہا بھٹ تپ دق سے ۱۴۱۷ء میں فوت ہو گیا۔

---

(۱) جونراج ص ۶۶ و طبقات ج ۳ ص ۴۴۲ و فرشتہ ص ۳۴۱

باب ششم
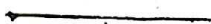
سلطنت کا عروج

(عہد سلطان زین العابدین (۷۱ - ۱۴۲۰

معرکۂ بھتہ (۱۴۲۰ء)

سوبھا بھٹ کی موت سے علی شاہ دانش و طاقت سے محروم ہو گیا اس کا بڑا حریف اس کا بھائی شاہی خان تھا جس نے اپنے باپ کی جماعت کے خلاف بغاوت کی تھی اور رعایا کی زبردست محبت کو جیت لیا تھا۔ بنابریں علی شاہ کو مجبور کیا گیا کہ وہ اسے وزیر اعظم کے منصب پر فائز کرے اس کے جلد بعد اس نے حج کا ارادہ کر لیا۔ وہ شاہی خان کو اپنا نائب مقرر کر کے کشمیر سے چل دیا مگر آنے والے واقعات بتاتے ہیں کہ وہ خلوص سے شاہی خان کے حق میں دست بردار ہونا نہیں چاہتا تھا۔ اور نہ ہی وہ حج ادا کرنے کے بارے میں سنجیدہ تھا۔ یہ صرف اپنے ہر دل عزیز بھائی سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ایک داؤ تھا۔

جب مکہ جاتے ہوئے علی شاہ جموں پہنچا تو اسے اپنے خسر راجہ بھیم دیو مقیم جموں نے ترغیب دی کہ وہ اپنے فیصلے کو ترک کر دے[1] چنانچہ علی شاہ نے حج کا خیال چھوڑ دیا اور راجگان جموں و راجوری کی متحدہ افواج کے ذریعے دوبارہ تخت حاصل کرنے کی غرض سے واپس آ گیا ادھر شاہی خان لڑے بغیر کشمیر سے نکل گیا۔ اس نے ۱۴۱۹ء میں سیالکوٹ میں کھوکھر خاندان کے سردار جسرت کے ہاں پناہ لے لی۔ جسرت، شیخ کھوکھر کا بیٹا تھا۔ ۱۳۹۴ء میں اس نے لاہور میں فسادات پھیلائے تھے۔ اس لیے اسے دیپال پور کے تعلقہ دار سرنگ خان نے سلطان محمد شاہ دوم کی طرف سے لاہور چھوڑنے پر مجبور کیا تھا چار سال بعد وہ تیمور کے ساتھ مل گیا

[1]۔ جونراج ص ۷۱

اور اس کے راہنما اور منتظم کی حیثیت سے کام کیا اور اس سے روپیہ اور انعامات وصول کیے۔ بعد ازاں اس نے تیمور کی ناراضگی مول لے لی جس نے انہیں ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے پناہ دے رکھی تھی قید میں ڈال دیا پھر کچھ مدت کے لیے تاریخ ہندوستان میں ہمیں اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ شاید اسے سمرقند لے جایا گیا ہو ۱۴۰۵ء میں تیمور کی موت کے بعد وہ کسی طرح آزاد ہو گیا اور اپنے وطن لوٹ آیا جلد ہی اس نے جالندھر اور کلانور پر قبضہ کر لیا اور شمالی پنجاب میں اپنی طاقت اور اثر و رسوخ کو بحال کر لیا۔

اکتوبر، نومبر ۱۴۱۹ء میں اس نے کشمیر کے شاہزادہ شاہی خان کو پناہ دی اور دشمن کے خلاف شاہزادہ کے دعویٰ کی خلوص کے ساتھ تائید کی، دراصل اس کا مدعا حکومت دہلی کو قبضہ میں لانے کے لیے کشمیر کے انسانی و مادی وسائل کو استعمال کرنا تھا۔

لیکن کشمیر کے خلاف موسم سرما میں جنگ کا آغاز کرنا بے حد مشکل تھا۔ بہر صورت مئی جون ۱۴۲۰ء میں موسم گرما کے شروع ہوتے ہی شاہی خان نے جسرت اور اس کی فوج کے ہمراہ کشمیر پر حملہ بول دیا۔ حملہ آوروں نے بھمبر راجوری کا مشہور راستہ اختیار کیا تھا جب وہ تھنہ پہنچے جو راجوری سے چودہ میل کے فاصلے پر اس وقت ایک آباد گاؤں تھا تو انہوں نے ایک محفوظ مقام پر قبضہ کر لیا۔ یہاں ان سے راجہ راجوری کے دستے بھی آ کر مل گئے تھے جو اس وقت علی شاہ کے خلاف تھا۔ کیونکہ اس نے راجہ کی ریاست کو پامال کر دیا تھا۔ علی شاہ ایک کے بعد دوسری جنگی غلطیاں کرتا رہا۔ کیونکہ وہ ضدی اور مغرور تھا اس نے اپنے خسر راجہ جموں کی قیمتی نصیحتوں پر عمل کرنے سے انکار کر دیا کہ وہ وادی کے اندر رہے، جہاں وہ محفوظ تھا۔ بلکہ اس نے سلسلہ پیر پنجال کے اوپر سخت و ناہموار پہاڑیوں کے ساتھ ساتھ اپنے دستوں کی پیش قدمی شروع کرا دی اور انہیں تھکا دیا پھر اس نے ایسی جگہ سے حملہ کروایا جہاں وہ غیر محفوظ تھا۔

---

(۱) ملفوظات تیموری

فوراً بہادر و بے رحم کھوکھر اس کے دستوں پر..... ٹوٹ پڑا اور انہیں مولی گاجر کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ علی شاہ نے بُری طرح شکست کھائی۔ اسے قیدی بنایا گیا اور بعد میں جسرت کے آدمیوں نے اسے مار ڈالا۔(۱)

سلطان زین العابدین

معرکہ پھتہ فیصلہ کن ثابت ہوا۔ یہ وحشت و درندگی کے عہد کا خاتمہ تھا۔ اس نے ایک سیاہ باب کو بند کر دیا اور ایک سنہری باب کھول دیا۔ شاہی خان مئی جون ۱۴۲۰ میں زین العابدین کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اس وقت اس کی عمر انیس سال تھی وہ سردار ہنڈ کی بیٹی کے شکم سے سلطان سکندر کا دوسرا بیٹا تھا۔ سردار مذکور نے شہزادی کو تاوان جنگ کے طور پر سکندر کے حوالے کیا تھا۔(۲) خوبصورت تھی اور رواداری بھائی چارے اور انصاف پر پورا یقین رکھتی تھی۔ اس نے اپنے فرزند کے پاکیزہ دل پر یہی انسانی اقدار نقش کر دی تھیں۔
بچپن میں زین العابدین مولانا کبیر کا جو ایک جید عالم تھے اور قبائلی ہم آہنگی اور صلح کل کی حکومت پر یقین رکھتے تھے۔ شاگرد رہ چکا تھا آخر کار صوفیائے کشمیر خاص طور سے شیخ نورالدین ریشی کے ساتھ میل جول نے اس کے دل و دماغ پر گہرا اثر چھوڑا تھا (۳) ان اثرات کے نتیجہ میں زین العابدین نے بچپن میں ہی اپنے باپ کے عہد کے دوران متعصب فقہا کی سنگدلانہ حکمت عملی کے خلاف بغاوت کی تھی (۴) جب اس نے اپنے بھائی علی شاہ کے عہد میں دیکھا کہ قانون اور طاقت، رواداری، بھائی چارے

---

(۱) شریور ص ۱۳۰
(۲) بہارستان قلمی ۵۶ الف
(۳) جوزاج ص ۵۸
(۴) جونراج ص ۱۰۷

اور مساوات کے دشمن سو ہا بھٹ کے ہاتھ میں مذکور ہو گئے ہیں تو وہ بیقراری و بیتابی محسوس کرتا اور سو نہ سکتا تھا۔ کیونکہ اسے اپنی رعایا سے زبردست محبت تھی۔

وہ ماحول جس میں اس نے اپنے آپ کو بادشاہ پایا تقریباً گلا گھونٹ دینے والا تھا۔ سادات کے بیس سالہ بے رحم عہد کے دوران عوام کے افراد اور ہندوؤں کی خودکشی کے نتیجہ میں ملک کی آبادی بڑی حد تک گھٹ گئی تھی۔ جنگ بھٹہ نے بھی ملک کی دولت اور انسانی طاقت کی نکاسی کر دی تھی، وسیع بے اطمینانی اور لاقانونیت کا دور دورہ تھا۔ بہرحال بادشاہ کی حیثیت سے زین العابدین نے ماضی سے رشتہ توڑنے کا پختہ ارادہ کر لیا اور ایک ایسی حکمت عملی کو اپنایا جس نے ریاست کی فلاح و بہبود اور رعایا کی مسرت و شادمانی کو یقینی بنا دیا۔

کھوکھر اور قبضہ جموں

اس سے بیشتر کہ زین العابدین اپنے آپ کو ریاست کی تعمیر نو کے اہم کام میں مصروف کر سکتا اسے کھوکھر سے نمٹنے کو کہا گیا۔ اس نے کھوکھروں کی مدد سے حکومت کشمیر کو حاصل کیا تھا ان کا سردار جسرت ان تمام لوگوں کا محبوب تھا جنہوں نے اس کی خدمت کی تھی وہ ان کے ساتھ رہتا، ان کے ہمراہ لڑتا اور وہ انہیں بہادر اور جنگجو لوگ سمجھتا جن کی رفاقت میں وہ پلتا رہا۔ ایسے لوگ امن عامہ کی متواتر تباہی کا یقینی ثبوت بہم پہنچا سکتے تھے۔ پھر اسے جموں کے راجہ بھیم دیو کی شدید دشمنی کے لیے بھی تیار رہنا تھا جو کھوکھروں کے ہاتھوں اس کے داماد علی شاہ کی شکست اور موت کا نتیجہ تھی ان حالات میں زین العابدین کا اولین کام ایک سکیم تلاش کرنا تھی جس کے ذریعے ہر جگہ کھوکھروں کو شیشے میں اتارا جا سکتا اور دوستی کھوئے بغیر انہیں ریاست کے اندرونی نظام میں مداخلت کرنے سے باز رکھا جا سکتا خوش قسمتی یہ ہوئی کہ جسرت ۱۴۲۱ء خضر خاں کی موت کے نتیجہ میں فتح دہلی کا خواب دیکھنے لگا۔[1]

---

(۱) طبقات، ج ۳، ص ۴۳۵

تیمور خضر خان کو ملتان کا بندوبست سپرد کر کے چلا گیا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ سلطان دہلی بن گیا۔
زین العابدین نے حالات کی رفتار سے فائدہ اٹھایا اس نے جسرت کو آدمی اور سامان جنگ دیا۔
اور میدان جنگ میں دھکیل دیا مگر جوں ہی جسرت کا مقابلہ سلطان دہلی سید مبارک شاہ دوم
(۳۴-۱۴۲۱ء) اور سید محمد شاہ چہارم (۴۴-۱۴۳۴ء) سے ہوا وہ دام میں پھنس گیا اور پنجاب
کو نہ چھوڑ سکا۔

دریں اثنا جب جموں کا راجہ بھیم دیو اپنے داماد کی موت کا بدلہ لینے کے لیے جسرت
کے خلاف لڑنے کیلئے سلطان سید مبارک شاہ کے پاس پہنچا تو اسے بھی جھگڑے میں پھنسا دیا
اور وہ جسرت کے ہاتھوں ۱۴۲۳ء میں قتل ہوا۔

تدبر میں زین العابدین کی یہ پہلی نمایاں فتح تھی۔ اس نے حکمت عملی کے ایک ہی کرشمے سے
کشمیر کو کھوکھروں کی غارت گری اور راجہ بھیم دیو کی حریص آنکھ سے بچا لیا بھیم دیو کی موت کے
بعد جموں کے تعلقات کشمیر سے دوستانہ رہے ان تعلقات کو استوار تر کرنے کے لیے بھیم دیو کے
جانشین رنبہ مل دیو نے سلطان کشمیر کے ساتھ رشتہ داری کا تعلق قائم کر لیا۔ اس نے اپنی لڑکی
زین العابدین کے نکاح میں دے دی[1]۔

مگر راجہ بھیم دیو کی موت اور دہلی کی سیاست میں جسرت کی شمولیت، زین العابدین
کو موخر الذکر سے تعلقات منقطع کرنے پر راغب نہ کر سکی۔

حکمت عملی کے وسیع تر مفاد میں اس نے جسرت کو فوج اور سامان جنگ کی فراہمی
جاری رکھی جس سے اسے پنجاب کو لاہور سے روپڑ تک غارت کرنے اور سید مبارک شاہ
کے کمزور ہاتھوں سے نکل جانے کے بعد ملک کو جزوی یا مجموعی طور پر حاصل کرنے کے قابل
بنا دیا۔

---

(۱) جوزراج ص ۸۶

مبارک شاہ کے آخری دنوں میں جسبرت نے کابل کے گورنر میر شیخ علی سے معاہدہ ختم کر دیا۔(۱)

لدّاخ و تبت کی جنگیں

کھوکھر۔کابل اتحاد زین العابدین کے حق میں فائدہ مند ثابت ہوا اس نے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مغربی تبت پر چڑھائی کر دی اور اسے فتح کر لیا۔

اس وقت کاشغر کے خان نے بھاری فوج کے ساتھ لداخ پر حملہ کر دیا اور کشمیر کے لیے بھی خطرہ پیدا کر دیا تھا چنانچہ سلطان زین العابدین ۲۵,۰۰۰ گھوڑ سواروں کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لیے نکل کھڑا ہوا۔عبدالقادر کے مطابق اس نے گوگ دیس پہ ہلہ بولا۔سیادیس میں لیانوں کے ہاتھوں بودھ کی سنہری مورتی کو بچایا(۲) اور کولات کا قصبہ فتح کر لیا۔کشمیر کے فارسی مورخین اس مہم کے اور بھی مفصل واقعات بتاتے ہیں۔(۳) بتایا جاتا ہے کہ سلطان نے مغربی تبت پر حملہ کرنے کی خاطر اپنی پیدل اور سوار فوج بھیجی اس مہم کا انتظام کشمیر کے پانچ ماہرین جنگ یعنی ملک محمد ماگرے ، صلمت رینہ ، احمد رینہ ملک مسعود ٹھاکر اور سید میر کی حسن بیہقی نے کیا تھا ، فوج نے درہ زوجیلا کی طرف جانے والا سون مرگ کا عام راستہ اختیار کیا ، کاشغریوں سے مڈھ بھیڑ ہوئی اور لداخ میں ان کو شکست دی ، بعد آزاں ، لداخی اور بلتی سرداروں کے مشترک دستوں کا شیل کے میدان میں آمنا سامنا ہوا ان کو بھی شکست فاش ہوئی۔ اور انہوں نے سلطان کشمیر کے اقتدار اعلی کو تسلیم کر لیا۔

ریاست کو بیرونی خطرات سے نجات دلانے کے بعد زین العابدین نے اپنے آپ کو ملک کی

---

(۱) بدایونی ج ۱، ص ۳۹۰ (۲) جوزناج ص ۸۴

(۳) بہارستان (قلمی) ۱۵۰، الف

اندرونی تعمیر نو میں لگا دیا اس نے حکومت کے چھوٹے موٹے امور اپنے چھوٹے بھائی۔ محمد خان کے سپرد کر دیئے اور وہ خود حکمت عملی کے بڑے مسائل حل کرنے میں مشغول رہا۔ مخلص وفادار کار وزرار یعنی دریا خاں (مسلمان) تلک چاریہ (بودھ) اور ثریا بھٹ (برہمن) نے اس کی مدد کی (۱)

ہندو قوم و ثقافت کا احیاء

سیاسی کامیابی عموماً خودسری و غرور کا موجب بن جاتی ہے مگر زین العابدین کے معاملہ میں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ ایک کامیاب حکمران وہ ہے جو اپنی رعایا کی بہتری کے لیے بے تاب رہے اور ہر قدم پہ اس کا رہنما اصول یہی عقیدہ رہا۔ جب وہ ریاست کی مشتری کی اصلاح اور اس کی آبادکاری کے لیے منصوبے مرتب کرنے میں مشغول تھا۔ اس کے بازو پر ایک شدید پھوڑا نکل آیا لیکن ماضی میں ہندوؤں کے قتل عام کی وجہ سے اس کے افسر کوئی ایسا ماہر طبیب تلاش نہ کر سکے جو اس کا علاج کر سکتا۔ بہرحال ملک کا طول و عرض چھاننے کے بعد ایک برہمن طبیب کو جس کا نام ثریا بھٹ تھا (۲) سلطان کے علاج کے لیے آمادہ کیا گیا اس کا علاج کامیاب ثابت ہوا۔ لیکن اس نے کسی قسم کا معاوضہ لینے سے انکار کر دیا وہ بے غرض تھا اس کا واحد مقصد ہندوؤں کا خوش حال مستقبل تھا۔ اس نے جو کچھ مانگا وہ یہ تھا کہ ہندوؤں کو دوبارہ بسایا جائے اور برہمن مذہب کا احیار کیا جائے (۳)

بادشاہ نے رواداری و مساوات کی ٹھوس بنیادوں پر ریاست کی تعمیر نو کے لیے پہلے ہی کمر ہمت باندھ رکھی تھی۔ طبیب کے اس خیال نے اور ہمت دلائی۔ لہٰذا فوراً ہی برہمن مذہب کی

---

(۱) جوناراج ص ۸۳
(۲) جوناراج ص ۸۳
(۳) " ص ۸۳-۸۴

توسیع اور ہندوؤں کی آبادکاری کے لیے اسے افسر انچارج بنادیا گیا اسکے بعد اس نے اپنے ملک میں مکمل مذہبی آزادی کا اعلان کیا اور کشمیری ہندوؤں کو جو باہر چلے گئے تھے ۔ دعوت دی کہ وہ اپنے وطن میں لوٹ آئیں ۔ انہیں مکمل مذہبی آزادی ، حفظ جان و مال اور قانون کے سامنے برابری کا یقین دلایا ۔ ردِ عمل فوری اور مثبت ہوا اور برہمن تمام اطراف سے امنڈ کر آنے لگے ۔ بدقسمتی سے ان کے مصائب و آلام نے ان کے محدود فرقہ وارانہ تعصب کو کم نہیں کیا تھا ۔ انہوں نے اتحاد و وحدت کے فوائد نہیں سیکھے تھے ، مثال کے طور پر اس کے بعد دیسی اور بدیسی برہمن جداگانہ القاب استعمال کر کے ایک دوسرے سے ممتاز ہونے لگے ۔ باہر سے آنے والے بن باسی اور ملک میں بسنے والے مل باسی کہلائے[1] اگرچہ دونوں اصطلاحیں سماجی یا دفتری امتیاز یا نااہلیت کی حامل نہ تھیں تاہم لاعلاج سماجی چھوت چھات اور ممانعت کے جراثیم کی حامل ضرور تھیں ۔

اپنے طور پر زین العابدین نے برصغیر کے حکمرانوں کے درمیان اپنی ایک نمایاں اور منفرد مثال اس وقت پیش کی جب اس نے ان تمام نومسلمین کو اجازت دی کہ وہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اپنے آبائی دین پر کسی سماجی ، مذہبی ، یا سیاسی نااہلیت و مجبوری کا خوف کھائے بغیر لوٹ جائیں[2] جلد ہی اس نے جزیہ اور مردہ سوزی کا ٹیکس ختم کر دیا[3] ۔ اور گاؤکشی پر پابندی لگادی[4] پھر اس نے مندو یاترا کو از سر نو رواج دیا اور خود بھی بعض ہندو زیارت گاہوں کی یاترا کی اور ہندو جشنوں اور تہواروں میں شرکت کی ۔ اس نے ہندو مندروں کی مرمت کروائی اور چند نئے مندر تعمیر کروائے جونراج کے بقول اس نے ہندو مذہب و ثقافت کے مطالعہ کی ترغیب و حوصلہ افزائی کی وہ فارغ وقت ہون کی انجام دہی نیل مت پوران ، وشست اور گیتا گوند کے مطالعہ اور یوگا کی ریاضت میں گذارتا ۔[5]

---

(۱) لارنس ص ۳۰۲ — (۲) طبقات ج ۳ ، ص ۱۳۷

(۳) شرلور ص ۱۴۳ — (۴) آئین ج ۲ ، ص ۳۸۸

(۵) جونراج ص ۹۱

ہندوؤں کو نئے سماجی و انتظامی ڈھانچہ میں مربوط کرنے کی غرض سے زین العابدین نے مدارس کھولے جہاں فارسی جو اب دفتری زبان بن چکی تھی سکھائی جاتی(۱) کشمیری برہمن بہت جلد فارسی سیکھنے میں مشغول ہوگئے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ برادری میں دائمی پھوٹ کا موجب بھی بن گئے، جنہوں نے فارسی سیکھی اور سرکاری ملازمتیں قبول کیں وہ کارکن کہلائے جب کہ وہ برہمن جو فقط سنسکرت سے چپٹے رہے اور دینی وظائف میں مشغول رہے۔ بچی بھٹا کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس امتیاز کو دائمی بنانے کے لیے ان کے درمیان باہمی ازدواج ممنوع ہوگیا۔ یہ کشمیری برہمنوں کی تنگ دلی و تعصب کی ایک اور مثال ہے۔

ایک طرف اگر روشن فکر سلطان نے ہندو ثقافت اور ہندو روایات کے احیاء کے لیے تمام کوششوں کی جوش و خروش کے ساتھ حوصلہ افزائی کی تو دوسری طرف بدقسمتی سے اس نے ظالمانہ و مکروہ رسم ستی کے جاری رہنے کی اجازت بھی دے دی(۲) وہ بعض چشموں میں اور پراپاگ میں مچھلیوں کو خوراک دیتا۔ اس نے کچھ خاص جھیلوں اور چشموں میں پرندوں اور مچھلیوں کو پکڑنا منع کردیا تھا۔ خلاصہ یہ کہ معاصر مورخ جوزراج کے بقول وہ ہر اس کام کو انجام دینے کی جرأت و قدرت رکھتا تھا جو ماضی کے بادشاہوں کی قوت سے باہر اور جو مستقبل کے حکمرانوں کی قابلیت سے دور تھا (۳)

نظم عدالت

مذہبی اصلاحات کے بعد سلطان نے عدلیہ کی اصلاح کی طرف توجہ مبذول کی۔ عدالتیں بہت پہلے

---

(۱) شریور ص ۱۴۶ ؛ ناریس ص ۱۹۲ ۲۔ شریور ص ۱۴۳ ، طبقات ج ۳ ص ۴۲۶

(۳) جوزراج ص ۹۰

سے دھاندلی کا اڈہ بن چکی تھیں۔ جج کھلم کھلا مدعی و مدعا علیہ سے رشوتیں لیتے، مقدمہ بازوں کا پیشہ جعل سازی اور چوری تھا۔ ڈاکہ، شراب نوشی، شہوت رانی، سادات سمیت عوام کے سبھی طائفوں میں عام تھی (۱) قانونی فیصلے بغیر سوچے سمجھے کیے جاتے۔ انصاف یکطرفہ اور جانب دارانہ تھا۔ سزائیں غیر ضروری طور پر سخت اور ظالمانہ تھیں، معمولی جرائم کی سزا مجرم کو تلوار سے سر اڑا دینا یا آگ میں جلا دینا تھی۔ ایک آدمی جب جیل بھیجا جاتا تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہیں رہتا۔ وہ شاذونادر ہی زندہ باہر نکلتا۔

یہ صورت حال زین العابدین کی نظر میں ظالمانہ اور غیر منصفانہ تھی وہ متوازی و مساویانہ انصاف کو پسند کرتا۔ وہ وزیر، دوست حتیٰ کہ اپنے بیٹے کو بھی اگر وہ مجرم ہوتا معاف نہ کرتا (۲) اس کے عدالتی مشیر مسلمہ کمال وقابلیت کے لوگوں پر مشتمل تھے اپیل کے لیے آخری کورٹ کی حیثیت سے وہ مقدمات کی سماعت خود کرتا اور قاضیوں اور پنڈتوں کے مشوروں سے فیصلہ دیتا (۳) وہ سزا و جزا کا انتظام ہر مقدمہ کی نوعیت پر مناسب غور کرنے کے بعد کرتا اور اپنی رعایا کی فلاح وبہبود کا ایسا ہی خیال رکھتا جیسا کسان اپنے کھیت کا خیال رکھتا ہے، اپنے افسروں اور رعایا کے کاموں پر نظر رکھنے کے لیے اس نے خبر رسانوں کا محکمہ قائم کیا (۴)، اس طرح وہ معاشرہ کو دھاندلی اور رشوت سے پاک کرنے کے قابل ہو گیا۔ اب زبانی طور عدالتی کارروائی یا مالیاتی فیصلے نہ ہوتے بلکہ تمام عدالتی و مالیاتی معاملے بھوج پتر پر لکھے جاتے اور مستقل نوعیت کے معاملے پیتل کی تختیوں پر کندہ کر کے ملک کے طول و عرض میں مشتہر کیے جاتے (۵) چند مقدمات نیچے درج کیے جاتے ہیں۔ جو اس کی زبردست غیر جانب داری، گہری معاملہ فہمی اور غیر معمولی عدالتی ذکاوت کو واضح کرتے ہیں۔

ایک برہمن لل راج نے اپنے دس قطعات زمین میں سے ایک قطعہ زمین بیچ دیا وہ معاملے کے پہلے سال میں ہی اپنے بیٹے نونی راج کو یہ بات بتانے کے بعد مر گیا۔ مگر بیٹا نوجوان کمزور اور غریب تھا۔ زمین خریدنے والا چالاک یا اثر والا تھا اس نے دوسرے نو قطعات پر بھی قبضہ کر لیا اور کاغذات میں اس کا جعلی

۱۔ جونراج ص ۸۱ ۔ ۲۔ جونراج ص ۸۰۔ ۳۔ جونراج ص ۹۳

۴۔ شرلور ص ۱۰۱ ۵۔ جونراج ۸۹ — ۸۸

اندراج کروالیا۔ معاملہ سلطان کے پیش ہوا۔ ظاہراً معاملہ ایسا نہ تھا کہ مشتری کو ملزم ٹھہرایا جاتا لیکن سلطان نے دستاویز منگوائی اور اسے پانی میں ڈال دیا۔ اس عمل سے بڑھائے ہوئے الفاظ مٹ گئے۔ جعلساز کو سختی سے سزا دی گئی بادشاہ کی یہ داستان عدل وانصاف دور دراز تک پھیل گئی (۱)۔ اس کی غیر جانبداری، بے لاگ انصاف اور عبرت انگیز سزا کو وضاحت کے لیے ایک جج کا معاملہ ہمارے سامنے ہے جسے رشوت ستانی کا مجرم قرار دیا گیا تھا۔ اس سے رقم متعلقہ اشخاص کو واپس کرائی گئی اور پھر اسے سروس سے نکال دیا گیا (۲) دوسرا معاملہ ایک سید میر شاہ کا ہے جس نے بدمستی کی حالت میں اپنی بیوی کو قتل کر دیا تھا اگرچہ وہ ایک سید اور سلطان کا خاص آدمی تھا۔ پھر بھی اسے پھانسی پر چڑھا دیا گیا (۳)

زین العابدین نے اپنی رعایا میں سے کسی کو چوری یا دیگر معمولی جرم پر کبھی قتل نہیں کیا وہ نفسیات جرائم کا ماہر معلوم ہوتا ہے اسے یقین تھا کہ غریب اور چھوٹی ذات کے لوگ عام طور سے چوری میں مصروف ہوتے ہیں اور جرم افلاس، ضرورت اور نادانی کی وجہ سے کرتے ہیں۔ بنا بریں اس لیے روٹی کمانے کے باعزت اور تعمیری ذرائع کی پیش بینی کی اس نے جرائم پیشہ قبائل کی جائز مشاغل میں رہنمائی کی (۴)، وہ انیسویں صدی کی تحریک اصلاح مجرمان کا بانی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس نے مجرموں کے گروہوں کو مزدور کی حیثیت سے تعمیرات عامہ اور سرکاری ورکشاپوں اور صنعتی اداروں میں بھرتی کر لیا تھا (۵) اس نے ان کو بہتر معیار زندگی دیا اور مزدوری فراہم کی اور محنت مزدوری کی عظمت پر زور دیا۔ مشہور کشمیری صنعت و حرفت پہلی بار انہی اصلاح خانوں میں سیکھی گئی اور پایۂ کمال کو پہنچی، پھر اس نے راہزنی و قتل کی واردات کے لیے پورے گاؤں یا قصبے کو جہاں ایسی واردات ہوتیں ذمہ دار ٹھہرایا۔ اس طرح کی مشترک ذمہ داری نے حفظ جان و مال کی ضمانت دی یہاں تک کہ مسافر جنگلوں میں بھی اس طرح آرام سے سوتے جس طرح وہ گھر میں سوتے (۶)

۱۔ جونراج ص ۸۱۔ ۲۔ جونراج ص ۹۶

۳۔ جونراج ص ۸۰ ۴۔ شریور ص ۱۰۳ - ۱۰۱

۵۔ آئین دجیرٹ، ج ۲، ص ۳۸۸، و شریور ص ۱۰۱

۶۔ شریور ص ۱۰۲

انتظام مال گذاری

۱۴۲۰ میں آبادی کی حالت عموماً اور کسانوں کی حالت خصوصاً قابل رحم تھی سابقہ بیس سال کی مدت میں وحشت و بربریت کی وجہ سے آبادی بے حد کم ہوگئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بڑے بڑے قطعات اراضی بنجر و ویران ہو گئے۔ جو لوگ ابھی تک کھیتی باڑی کرتے تھے وہ عمال کے پنجہ ظلم وستم میں کراہ رہے تھے (۱) اس وقت ایسا ریکارڈ نہ رکھا جاتا تھا جو غلہ بٹائی پر کام کرنے والے کے اور حکومت کے حصوں کی نشان دہی کر سکے۔ مزید برآں یہ کہ اجارہ کی مقدار صحیح پیمائش نہیں بلکہ مطابق بیج کی مقدار سے متعین کی جاتی تھی (۲) جعل سازی غبن اور تشدد کا عام رواج تھا۔

زین العابدین نے اس مشکل کو بھی حل کیا۔ اس نے ملک کو پرگنوں میں تقسیم کیا (۳) ہر پرگنہ میں چند گاؤں ہوتے گاؤں پٹوں میں تقسیم ہوتے اور ہر پٹہ جریب سے جو اس نے جاری کیا تھا ماپا جاتا (۴) تمام پٹہ جات کا ریکارڈ بھی رکھا جاتا جس میں قسم اور ملکیت بھی درج ہوتی۔

یہ ریکارڈ بھوج پتر پر درج ہوتا لیکن اہم ریکارڈ پیتل کی تختیوں پر کندہ کرایا جاتا۔ یہ ریکارڈ سنٹرل ریکارڈ آفس میں جو سوپور میں قائم کیا گیا تھا رکھا جاتا (۵) سرکاری مالیہ پیداوار کے ۱/۶ حصے پر لگایا جاتا لیکن زینہ گیر کے جدید زیر زراعت پرگنہ پر یہ ۱/۷ حصے پر لگایا گیا (۶) آنے والے

۱۔ آئین (جیرٹ)، ج ۲، ص ۳۶۶ و لارنس ص ۴۰۹۔

۲۔ جونراج ۸۸ — ۸۱ تا ۸۰۔

۳۔ راج ترنگنی، شاستان ج ۲، ص ۹۳-۹۴ (۴) آئین ص ۳۸۸، وطبقات ج ۳ ص ۴۲۶

۵۔ شرلیور ص ۵۶-۱۵۵۔ (۶) شرلیور ص ۱۵۶

حکمرانوں کی رہنمائی کی غرض سے فیصلہ تانبے کی تختیوں پر کندہ کرایا جاتا۔

مالیہ جنس کی صورت میں وصول کیا جاتا (۱) تمام عمال خاص طور سے محصول زمین کا تعین کرنیوالوں اور تحصیلداروں کو حکم دیا گیا کہ وہ دیانت دار بنیں اور کسانوں سے معاملہ کرتے وقت نرمی کا برتاؤ کریں کیونکہ سلطان خاص طور سے ان کی ترقی وخوشحالی میں دلچسپی لیتا پبلک کی فلاح وبہبود میں اسکی زبردست دلچسپی کو ثابت کرنے کے لیے ایک موقعہ ۱۴۶۰ء میں نکلا جب ملک ویرانی وقحط سے دوچار ہوا۔ زمینداروں کو نقد وجنس کی صورت میں مدد دی گئی۔ زیادہ متاثرہ علاقوں میں لگان کم کرکے ۱/۷ اور جو علاقے ان سے ذرا کم متاثر تھے ان پہ ۱/۴ لگایا گیا تب جملہ اقسام کے قرضے جو قحط کے دوران امراء نے غرباء کو دیے تھے منسوخ کیے گئے (۲) ظاہر ہے کہ قحط نے ایک طرح کی سماجی ذمہ داری سے لوگوں کو آشنا کیا اور مشکل اور سختی کے وقت امیر کی دولت میں غریب کو حصہ دار بنادیا تھا اس طرح کے سماجی قانون کی مثال پندرہویں صدی کے ہندوستان میں شاید ہی ملے۔

آبپاشی کی نہریں

چاول کشمیر کی خاص خوراک ہے۔ قدیم ایام سے اسی پہ ریاست کی فلاح اور عوام کی خوشحالی کا دارومدار رہا ہے اس کی کاشت کے لیے آب پاشی لازم وناگزیر ہوتی ہے۔ مالیاتی نقطہ نظر سے اس کی اہمیت کو کشمیر کے راجاؤں نے ہمیشہ مانا ہے جب بھی انہوں نے اپنے آپ کو اندرونی مشکلات سے فارغ پایا وہ قدیم کوہلوں کی مرمتی کرواتے یا نئی نہریں کھدولتے رہے۔

زین العابدین کے عہد میں جدید واہم نہروں کا جال بچھایا گیا جو بنجر علاقوں کو بھی سیراب کرتیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چاول کی پیداوار اور قومی سرمایہ میں حیرت انگیز اضافہ ہوا۔ وادی کشمیر میں بنجر سطح مرتفع

---

۱) لارنس ص ۴۰۹

(۲) شریور ص

کے قطعات بہت ہیں۔

مقامی زبان میں انہیں وُدر اور نارسی میں کریوہ کہا جاتا ہے یہ غیر مزروعہ زمینیں یا تو وادی کے درمیان ہیں اور یا پہاڑوں کے دامن میں جو پیچ کی وادیوں اور گھاٹیوں سے ایک سو سے تین سو فٹ کی بلندی پر واقع ہیں بیکار پڑی ہوئی تھیں۔ ان میں اکثر وادی کے جنوب مشرق میں شوپیاں سے بارہ مولہ تک پائی جاتی ہیں مگر کچھ ایسی زمینیں شمال مشرق میں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان کی پیداوار کا انحصار فقط موسمی بارشوں پر ہوتا ہے جو یقینی نہیں ہوتیں۔ تاہم ان میں بعض وُدر تاریخی اہمیت کے حامل رہے ہیں مثال کے طور پر کریوہ ہائے مٹن، چکدر، پام پور اور پرسپلور کے نام لیے جاسکتے ہیں زین العابدین نے نہروں کا جال بچھا کر ان کریووں کو آپس میں ملا دیا۔ یہ نہریں ندیوں سے نکالی گئی تھیں جو دائمی برف کے تودوں سے نکلتی تھیں ان میں بڑی بڑی نہریں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ کاک پور کی نہر یہ قصبہ کاک پور کے ارد گرد کے کریوہ کو سیراب کرتی تھی۔

۲۔ سکدر نہر: یہ نند مرگ سے لائی گئی تھی اور سکدر کے کریوہ کو سیراب کرتی تھی۔

۳۔ کرال نہر: یہ شوپیاں اور راموہ کے درمیان واقع جنوب مشرقی زمین کو جس کا قدیم نام اَڈوَن ہے سیراب کرتی تھی، یہاں سلطان نے ایک نیا شہر بسایا جس کا نام زین پور رکھا گیا۔

۴۔ اونتی پور نہر۔ اس سے کریوہ اونتی پور سیراب کیا جاتا تھا۔ اس نہر کا ایک حصہ جوڈ پور اور راجپور تک جاتا ہے، آج بھی موجود ہے۔

۵۔ صفاپور نہر: یہ سندھ ندی کے پانی کو لار سے مانس بل جھیل کے ارد گرد والے کریوہ تک لاتی تھی۔ سلطان نے اندرکوٹ کا پرانا قصبہ دوبارہ تعمیر کروایا اور صفاپور کے مقام پر ایک محل بنوایا جس کا نام باغ صفا رکھا۔

۶۔ لچھمن کل یا زین گنگا: یہ نہر بھی سندھ ندی سے نکالی گئی تھی۔ یہ نہر دارالخلافہ نوشہر زین نگر تک جسے سلطان نے آباد کیا تھا پانی پہنچاتی تھی۔ یہ جامع مسجد تک پہنچتی اور اسے پانی بہم پہنچاتی تھی یہ نہر سری نگر میں قاضی کدل کے پاس مار نہر میں آکر گرتی تھی۔

۷۔ ل کُل یا پوہرو نہر۔ یہ ندی بُن کام (پوہرو) سے پانی لاتی تھی۔ جہاں ندی کا پانی جمع ہو گیا تھا۔ اور وولر جھیل اور پوہرو ندی کے بائیں کنارے واقع بنجر اراضی کو سیراب کرتی تھی۔ جہاں سلطان نے ایک نیا شہر زین گیر لبایا تھا جو جلد ہی پرگنہ بن گیا۔ یہ نہر ۱۴۵۹ء میں تعمیر کی گئی تھی۔

۸۔ مارتنڈ نہر۔ اس نہر کے ذریعے لدر ندی کا رخ مٹن کی طرف پھیر دیا گیا تھا تاکہ وہاں کے کریوہ کو سیراب کیا جاسکے۔

ڈاکٹر سٹائن کا یہ کہنا صحیح ہے کہ اسی طرح کی نہریں قدیم زمانوں میں بھی اس کریوہ میں ہوتی ہونگی ورنہ یہ سمجھنا مشکل ہے کہ یہ غیر آباد زمین، راجہ للتادت نے اپنے شاندار مندروں اور عظیم الشان شہر کے لیے کیونکر انتخاب کی۔

سلطان نے یہاں گنا بھی اگانے کی کوشش کی مگر موسمی شرائط کے تحت اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ شاہ کل نہر جو سلطان کے عہد میں کھودی گئی تھی اننت ناگ ضلع میں آب پاشی کے مقاصد کے لیے بڑی اہمیت کی حامل چلی آرہی ہے۔

۹۔ مار نہر: یہ نہر سرینگر شہر اور ڈل جھیل کے نزدیک والے دیہات کے درمیان اندرونی آمدو رفت کا اہم ذریعہ ثابت ہوتی رہی ہے۔ اس اندرونی آبی راستے نے جھیل کے ساتھ مواصلات اور خاص طور سے جھیل کی گوناگوں پیداوار کے انتقال کو آسان بنادیا۔

سابقہ زمانوں میں جھیل کا فالتو پانی حبہ کدل پل کے نزدیک دریائے جہلم میں گرتا تھا۔ سلطان کے انجینئروں نے اس سنگم کو بند کر دیا اور اس کی بجائے جھیل کے پانی کو مار نہر کی طرف موڑ دیا جو شادی پور تک جاتی اور دریائے جہلم و سندھ کے سنگم پر گرتی تھی۔ ایسا کرنے سے اب زمین کا ایک اور بڑا حصہ زیر کاشت لایا گیا۔ نہر پر سات پل بھی تعمیر کیے گئے جن میں اینٹ پتھر اور گچ استعمال ہوا تھا۔

اقتصادی ترقی

نقد لین دین کا رواج عام طور سے کشمیر میں

۱۹۰۰ء تک نہیں تھا۔ تنخواہیں، شالی، مکی اور سنگھاڑا کی صورت میں ادا کی جاتی تھیں جنس کے بدلے جنس کے لین دین کا ذریعہ بڑی حد تک شالی تھا جو ملک کی خاص خوراک ہے۔ چاندی، تانبے اور کوڑیوں سے کاروباری معاملات میں بہت کم کام لیا جاتا تھا۔ اجناس کی قیمتیں گھٹتی بڑھتی رہتیں اور ناجائز نفع خوری، لوگوں کی اقتصادی زندگی کی خصوصیت بن گئی تھی۔ متوسط لوگ اور زمیندار منڈی پر قبضہ جمائے بیٹھے تھے اور وہ قیمتوں کا تعین خاص طور سے قحط کے زمانے میں اپنی مرضی سے کرتے تھے(۱)

ان خرابیوں کو ختم کرنے کی غرض سے اولاً زین العابدین نے قیمت پر کنٹرول کا ایک سسٹم جاری کیا جس کے ذریعے اشیاء کی قیمتیں حکومت کی طرف سے مقرر کی جاتی تھیں۔ حکومت اعلان ناموں کے ذریعے اعلانات جاری کرتی۔ یہ اعلان نامے تانبے کی تختیوں پر کندہ کیے جاتے۔ وقتاً فوقتاً ان کے ذریعے قیمتوں میں فرق بھی بتایا جاتا۔ یہ تختیاں تمام اہم مراکز اور تمام قصبات میں آویزاں کردی جاتی تھیں (۲) اس طریق سے اس نے اپنی رعایا کو دغاباز تاجروں کی لوٹ کھسوٹ سے بچالیا۔ سلطان نے اپنے جانشینوں سے درخواست کی کہ وہ اس اصول کو برقرار رکھیں۔(۳)

ثانیاً مورتیوں کی دھات کو اندھا دھند سکوں میں تبدیل کرنے کے نتیجے میں سابقہ بیس برسوں کے دوران ملک کی کرنسی گر گئی تھی سلطان نے عمدہ تانبے اور چاندی کے نئے سکے جاری کیے یہ صراف کدل کے جو شاہی دارالضرب میں ڈھالے جاتے تھے۔ یہ مقام ٹنکی سرائے کے نام سے مشہور تھا اور یہ جگہ لین دین کرنے والوں اور ساہوکاروں وغیرہ کا مرکز تھی۔

ثالثاً کشمیر میں کاروبار عموماً انفرادی تھا اور ہر تاجر کا گھر یا کارگاہ ہی اس کا مرکزِ فروخت بھی ہوتا اس سے دھوکہ دہی اور چور بازاری کی حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔

دھوکہ دہی کی روک تھام اور مشتری و بائع کے درمیان عمدہ کاروباری تعلقات قائم کرنے

۱۔ شرلویر ص ۱۹- ۱۱۸ ۲۔ طبقات ج ۳، ص ۴۷۴

۳۔ شرلویر ص ۱۵۶

کی غرض سے حکم دیا گیا کہ تمام کاروبار کھلے بازار میں کیا جائے اور یہ کہ کاروباری آدمی کو چاہیئے کہ وہ سامان تجارت سامنے رکھے اور اسے مناسب اور معقول نرخوں پر فروخت کرے۔

نمک

نمک چونکہ کشمیر میں مقامی طور پر نہیں پایا جاتا اس لیے یہ ہمیشہ سے ہی ضرورت کی ایک جنس گراں رہا ہے، نمک کی درآمد بھمبر، پونچھ اور پنجاب سے اور پنجاب میں سیاسی ابتری کے زمانے میں لداخ تبت اور چین سے کی جاتی تھی کشمیری تاجر نمک خریدنے کے لیے بنگال تک جایا کرتے اس کی کمیابی اور گرانی نے سخت اقتصادی مشکلات پیدا کر دی تھیں۔ شر لویر لکھتا ہے کہ محمد شاہ کے عہد میں ۱۴۸۵ء میں جب سیاسی بےچینی کے باعث جنوب کے راستے بند کر دیئے گئے تو نمک کی قیمت دارالحکومت میں بے حد چڑھ گئی (۱) پنجاب سے نمک کی ارزاں اور باقاعدہ سپلائی کو اطمینان بخش بنانے کے لیے زین العابدین نے تیرہ پور کے مقام پر پیشہ ور بارگزاروں کی ایک کالونی آباد کروائی۔ (۲) اور انہیں ہر قسم کی سہولتیں دی گئیں یہ لوگ پنجاب سے باقاعدہ نمک لاتے۔ انہیں بعد کے زمانے کے بنجاروں کا پیشرو کہا جاسکتا ہے۔

امن و خوشحالی کا دور

بنیادیں

ہمارے پاس ملک کی اندرونی خوشحالی اور مادی برتری کے لاتعداد ثبوت موجود ہیں جو سلطان

۱۔ شر لویر ص ۳۲۷

۲۔ شر لویر ج ۱ ص ۴۰۸

زین العابدین کے استوار، پرامن اور مسرت بخش عہد حکومت میں عوام کو حاصل تھی، عمارات کی بڑی تعداد، مقامات اور قصبات جن کے ذریعے اس نے ملک کو خوشحال بنایا اور ہر ایک کو اپنے نام کے ساتھ منسوب کیا اس کا ایک اور ثبوت ہے۔

اس نے مندرجہ ذیل قصبے آباد کیے۔ زینہ نگر (نوشہر)، زینہ گیر، زینہ پور اور زینہ کوٹ، نیز تباہ شدہ شہر، اندرکوٹ کو از سر نو تعمیر کروایا۔ کچھ شہروں میں سلطان نے اوقاف قائم کیے جن میں اہم ترین ہیرپور میں تھے۔ اس نے سید محمد مدنی کی خانقاہ تعمیر کروائی، اور جھیل ڈل میں سن لنک اور روپ لنک کے خوبصورت جزیروں کی طرح ڈالی۔

جھیل ڈل میں تیرنے والے جزیروں کو زرعی پیداوار کے قابل بنایا گیا ایک عظیم معمار اور دیسی آرٹ اور فن معماری کے زبردست سرپرست کی حیثیت سے سلطان کی شہرت کا ثبوت زین لنک، زینہ کدل اور زینہ ڈب ہیں۔ اگرچہ زینہ ڈب بہت پہلے سے مٹ چکا، لیکن دوسری بنیادیں گواہی دیتی ہیں کہ زین العابدین کا عہد حکومت تاریخ کشمیر کا سنہری عہد تھا۔

صنعت و حرفت

سلطان زین العابدین بیرونی صنعت و حرفت کی بھی زبردست سرپرستی کرتا تھا۔ سلطان نے اپنے ملک گیر انصاف، فیاضی اور امن و آسائش کے ذریعے سمرقند، بخارا اور فارس کے کچھ فنکاروں کو مدعو کیا اور تمام ضروریات زندگی انہیں مہیا کیے۔ انھوں نے کشمیریوں میں اپنے فنون کو عام کیا، پتھر پر پالش کرنا، سنگ تراشی، منبت کاری، کاغذ سازی، نقرہ و طلا کے ورق بنانا، جلد سازی پیپر ماشی، ریشم سازی، شال اور قالین بافی جیسی صنعتیں جن کی خوبصورتی و نفاست نے آرٹ کی دنیا میں کشمیر کو چار چاند لگائے اسی کی توجہ سے متعارف ہوئیں اور پروان چڑھیں۔

ان دست کاریوں کی مقبولیت و نفاست نے مرزا حیدر دغلت کو جو زین العابدین کی موت سے پچہتر سال بعد کشمیر آیا حیرت میں ڈال دیا تھا۔

وہ لکھتا ہے:

کشمیر میں آدمی کو وہ تمام صنعتوں اور دستکاریوں کے نمونے مل جاتے ہیں جو سمرقند اور بخارا کو چھوڑ کر، ماوراالنہر کے اکثر شہروں میں بھی کم پائی جاتی ہیں۔ کشمیر میں ان کی کثرت ہے اور یہ سب کچھ سلطان العابدین کی کوششوں سے ہوا۔[1] زین العابدین نے ۱۴۶۵ء میں بارود سازی اور آتش بازی کی صنعت کو کشمیر میں رواج دیا۔ اس مقصد کے لیے اس نے حبیبہ نامی مشہور کاریگر کو ملازم رکھا تھا[2]

صوفیا، علما اور موسیقی دان

سلطان علوم و فنون کا بھی زبردست سرپرست و قدر دان تھا اس کا دربار صوفیاء و علماء و شعرا اور موسیقی دانوں سے بھرا رہتا۔ کشمیر کو فرحت افزا آب و ہوا اور اس عہد کی اقتصادی خوشحالی اور سیاسی امن وامان نے مرکز توجہ بنا دیا تھا شیخ نورالدین ریشی شیخ بہاؤالدین گنج بخش اور سید محمد مدنی اس دور کے عظیم ترین صوفیاء میں شمار ہوتے ہیں۔ مقتدر شعرأ و فضلاء میں مولانا کبیر، قاضی جمال الدین، ملا احمد کشمیری، پنڈت جونراج اور پنڈت شری ور تھے۔ گویوں اور موسیقاروں میں ملا جمیل، ملا عودی سوم بھٹ، اور شری ور کا نام لیا جاسکتا ہے۔

تعلیمی پالیسی

اپنی رعایا کو صحیح تعلیم و تربیت دینے کے معاملات میں سلطان اپنا مشیر آپ تھا۔ وہ چونکہ روادار، مہذب اور روشن فکر بادشاہ تھا اس لیے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس نے اس حقیقت

---

۱. تاریخ رشیدی ص ۴۳۴

۲. شری ور ص ۱۲۵

کا احساس کر لیا تھا کہ رعایا کے کردار میں موثر تبدیلی لانے کے لیے ضروری ہے کہ بچوں کو چھوٹی عمر میں ہی تربیت دی جائے۔ اس پالیسی کے پیش نظر اس نے دارالاقامتی عمومی تعلیمی ادارے قائم کیے جہاں طلبہ کو اساتذہ، کتب لباس خوراک غرضیکہ خوشحال زندگی کے تمام تر لوازم مفت مہیا کیے جاتے۔

اس طرح اس نے نوجوان دانشمندوں کی ایک جماعت پیدا کر لی تھی جو اس کی پالیسی اور پروگرام کی فعال مبلغ تھی اور جس کا مقصد ہندو مسلم اتحاد اور ملی فلاح و بہبود تھا لیکن تعلیم و تربیت کے سلسلے میں اس کا سب سے بڑا کارنامہ مادری زبان کو ذریعہ تدریس بنانا ہے اس کی رعیت کشمیری و غیر کشمیری پر مشتمل تھی۔ کشمیری عوام زیادہ تر ان پڑھ تھے جبکہ پڑھے لکھے اہل کشمیر تحریر و تکلم میں سنسکرت کا استعمال کرتے تھے کیونکہ قدیم ترین ادوار سے اسی زبان کا رواج چلا آتا تھا۔ غیر کشمیری مسلمان جو بیشتر، سمرقند، بخارا، خراسان، ہمدان اور اس کے گرد و نواح سے آئے تھے فارسی بولتے اور لکھتے تھے خود ماہر لسانیات ہونے اور سنسکرت، کشمیری بلتی اور فارسی زبانیں جاننے کی وجہ سے[۲] سلطان نے محسوس کر لیا تھا کہ آدمی اجنبی زبان کی بجائے مادری زبان میں ہی بطور احسن تعلیم حاصل کر سکتا ہے (۳) معلوم ہوتا ہے کہ اس نے یہ بھی محسوس کر لیا تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان گہری ہم آہنگی اور دوستی اسی وقت موثر و مفید ثابت ہو سکتی ہے جبکہ ایک قوم کی عظیم کتب جو تاریخ و ثقافت پر تحریر کی گئی ہوں دوسری قوم کی زبان میں ترجمہ کر دی جائیں۔ اس مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے اس نے دار الترجمہ قائم کیا جس میں سنسکرت، فارسی اور کشمیری کے ماہر علماء نے مقبول سنسکرت کتابوں کو فارسی کا جامہ پہنایا اور سنسکرت و فارسی کی منتخب کتب کو کشمیری میں ترجمہ کیا۔ تاکہ ان پڑھ کشمیری بھی جن کی اکثریت تھی ان کتابوں کے مطالب کو درک کر سکیں (۴) چنانچہ ملک الشعراء ملا احمد نے مہابھارت، کتھاسرت ساگر اور کلہن کی

۱۔ شرلیور ص ۱۴۴ ۲۔ طبقات ج ۳ ص ۴۳۹

۳۔ شرلیور ص ۱۴۹ ۴۔ شرلیور ص ۱۴۶

راج ترنگنی کا فارسی میں ترجمہ کیا (۱) جونراج نے کلہن کی راج ترنگنی کو سنسکرت نظم میں آگے بڑھایا۔ اور ۱۴۵۸ء تک کی تاریخ کو نظم کیا۔ پھر شریور نے جو سلطان کا معاصر تھا اس تاریخ کو جاری رکھا۔ پھر سوم پنڈت نے شاہان کشمیر کے سوانح حیات (زینہ چرت) کو کشمیری زبان میں مرتب کیا۔ (۲) بودھ بھٹ نے "زینہ پرکاش" یا حیات سلطان زین العابدین کو کشمیری میں نظم کیا (۳) بھٹ وتر نے جو شاہنامہ فردوسی پڑھ چکا تھا۔ "زینہ ترنگ" کے نام سے کشمیر کی تاریخ اسی مشہور فارسی حماسہ کی تقلید میں نظم کی (۴) سلطان نے خود بھی توسیع علم و ادب میں حصہ لیا وہ ایک ماہر لسانیات، عالم، اور شاعر تھا اور قطب تخلص کرتا تھا اس نے فارسی میں آتش بازی کے موضوع پر ایک رسالہ تحریر کیا اور بڑھاپے میں اس نے فارسی میں ایک اور رسالہ "شکایات" کے نام سے سپرد قلم کیا (۵) یہ یوگ وشششت کے نمونہ پر لکھا گیا جس کا موضوع یہ ثابت کرنا تھا کہ انسانی خواہشات بے بنیاد ہیں۔ سلطان نے یوگ وشششت اور گیتا کا بھی بنظر غائر مطالعہ کیا تھا (۶)

خارجہ پالیسی

خارجہ پالیسی میں سلطان زین العابدین کا مدعا یہ تھا کہ وہ بیرونی مداخلت سے ریاست کو محفوظ رکھ سکے اسے یقین تھا کہ ملک تب تک محفوظ نہیں ہو سکتا جب تک وہ اندرونی طور پر امن اور اقتصادی لحاظ سے خود کفیل نہ ہو۔ بنابریں اس نے جسرت کھوکھر کو سامان جنگ دے دیا تاکہ اسے پنجاب میں ہی مصروف رکھا جا سکے۔ اس طرح ایک تیر سے دو شکار کیے اور اس نے شورش پسند کھوکھروں کی اور جموں کے راجہ بھیم دیو کی توجہ کشمیر سے ہٹاتے رکھی۔

---

۱. راج ترنگنی کا فارسی ترجمہ راقم نے ایڈٹ کیا، جو ۱۹۷۵ء میں شائع ہو چکا ہے (مولف)

۲. شریور ص ۱۴۶ ۳. طبقات ج ۲ ص ۴۲۹

۴. شریور ص ۱۳۶ ۵. شریور ص ۱۶۷

۶. شریور (دت) ص ۴۷ : ۱۴۰۵

راجوری و پونچھ کی ریاستیں جو پہلے کشمیر سے علیحدہ ہو گئی تھیں ایک بار پھر فوجی خدمات انجام دینے اور جنوب سے حملوں کے خلاف مضبوط و فارغ کرنے لگیں ۱۴۲۳ء میں راجہ بھیم دیو کی وفات کے بعد جموں نے پھر سے کشمیر کے ساتھ تعلق قائم کر لیا (۱) محاربہ شیل کے بعد جلد ہی لداخ اور بلتستان کی ریاستوں نے بھی سلطان کی اطاعت قبول کر لی اور اس طرح شمال مغرب کی جانب سے بھی حملہ کا خطرہ ٹل گیا۔
جہاں سیاسی شورشیں ہوتی رہتی تھیں۔ ترقیاتی منصوبوں کو کامیاب بنانے کے لیے زین العابدین نے کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا اور ایک فعال اور کامیاب بدیشی سروس کا محکمہ قائم کیا۔ اس نے اپنے پہلے اور بعد کے تمام فرمانروایانِ کشمیر سے زیادہ برصغیر اور دیگر ممالک میں اپنے دوست بنائے۔ متحدہ ہندوستان میں ۱۴۴۱ء میں خسرت کھوکھر اور بہلول لودھی کے درمیان ہونے والے معاہدہ کے موقعہ پر سلطان بھی موجود تھا (۲) اس نے جسرت کی موت کے بعد بھی بہلول لودھی کے ساتھ دوستانہ تعلقات کو برقرار رکھا۔ یہ سلطان، گجرات کے سلطان محمود، والی سندھ و مالوہ اور راجہ سگوا لیار کے مابین تحائف کا لین دین کرتا رہا۔ برصغیر سے باہر کی مسلم ریاستوں کے ساتھ سیاسی تعلقات سے اس کا مقصد سادات کشمیر کے پروپیگنڈہ کو جو سمرقند، بخارا ایران اور ہمسایہ علاقوں سے یہاں آگئے تھے بے اثر بنانا اور تیمور کے انتقام اور اقتصادی بدحالی سے بچنا اور کشمیر کے پُرامن ماحول میں آرام و سکون برقرار رکھنا تھا لیکن سادات جب کشمیر میں بس گئے تو وہ خود تیمور کا کردار ادا کرنے لگے۔ انہوں نے بڑی بے رحمی کے ساتھ ریاست کے قدیم تمدن اور انسانی طاقت کو تباہ کر دیا۔
زین العابدین ان کی سرگرمیوں کو برداشت نہیں کر سکتا تھا ان کے علی الرغم سلطان نے ہندوؤں کو از سر نو آباد کیا۔ ہندوؤں کی حمایت اور اپنی جماعت کے با اثر و مقبول مسلم صوفیا و علماء کی مدد سے ملک میں امن و خوشحالی کو برقرار رکھا اور اس طرح اس نے بتدریج سادات کے اثر و نفوذ کو ناکارہ

۱۔ جونراج ص ۸۶-۸۲۔

وغیر موثر بناکر رکھ دیا۔ بیرونی طور پر بھی ان کو کمزور کرنے کی خاطر اس نے خراسان کے سلطان ابوسعید مرزا (۱) (۶۷-۱۴۵۲) بادشاہ مصر اور شریف مکہ (۲) کے ساتھ دوستانہ تعلقات بحال کیے۔ کشمیر کی مشہور اشیاء ان کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیں۔ ان میں زعفران، شال، کستوری اور گلاب وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ سلطان نے ان حکمرانوں کی طرف سے گھوڑے، اونٹ اور خچر وصول کیے۔ اپنی حکمت عملی کو مستحکم تر بنانے کے لیے اس نے ایک پختہ مسلمان کی حیثیت سے شہرت حاصل کی اور نائب امیر المومنین ہونے کا دعویٰ کر دیا۔

گھریلو زندگی

ازدواج

زین العابدین کی تین بیویاں تھیں۔ لیکن وہ نظم ونسق کی مانند ازدواج کے معاملات میں بھی ذاتی پسند و ناپسند کی بجائے مصلحت سے رہنمائی حاصل کرتا تھا۔ جو مزاج کے مطابق مسلمان نے جموں کے راجہ کی دو بیٹیوں سے شادی کر لی تھی ان سے چار بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام یہ ہیں۔ آدم خان، حاجی خان، جسرت خان اور بہرام خان، ہمیں معلوم نہیں کہ جموں کی یہ شہزادیاں راجہ بھیم دیو کی بیٹیاں تھیں یا راجہ مل دیو کی حقیقت جو بھی ہو شادی ۱۴۲۳ء تک نہ ہو سکی جب تک راجہ بھیم دیو جو جسرت کھوکھر اور زین العابدین دونوں کا جانی دشمن تھا قتل نہیں ہو گیا۔ دشمن کو ٹھکانے لگانے کے بعد زین العابدین اور جسرت دونوں ہوشیار سیاست دانوں نے جموں کے ساتھ صلح کو جنگ پر ترجیح دی۔ دونوں نے جموں کے

۱۔ شرلویر ص ۱۵۰ و طبقات ج ۳ ص ۱۶۶

۲۔ شرلویر ص ۱۵۰۔

شاہی خاندان میں شادیاں کیں (۱) لیکن بعد میں زین العابدین نے مخدومہ خاتون سے بھی شادی کر لی جو سادات بیہقی کے سردار سید محمود بیہقی کی بیٹی تھی۔ لگتا ہے کہ یہ شادی بھی سیاسی ضرورت کے پیش نظر انجام پائی تھی۔ سلطان نے سادات کی طاقت کو خاک میں ملا دینے کا عزم کر رکھا تھا جو ریاست میں ہمہ گیر بے اطمینانی و بے ہادی کا موجب بنے ہوئے تھے۔ وہ مخدومہ خاتون کا اس قدر وفادار تھا کہ ۱۴۶۵ء میں اس کی موت کے بعد وہ تنہا اور اداس رہنے لگا۔

فرزندان سلطان

زین العابدین ایک کامیاب بادشاہ تو یقیناً تھا مگر وہ کامیاب باپ ثابت نہ ہوا۔ اس کے بیٹوں کی باہمی رقابت و نفرت نے انہیں باپ سے برسر پیکار کر دیا تھا۔ ان میں سے دو یعنی آدم خان اور حاجی خان تو کبھی آپس میں متفق ہی نہ ہو سکے اس پر مستزاد یہ کہ ان کا چھوٹا بھائی بہرام خان اس کوشش میں لگا رہتا کہ یہ علیحدہ اور وسیع ہوتی رہے۔ بھائیوں کی باہمی دشمنی کے سبب دو تھے اولاً یہ کہ یہ شہزادے سوتیلے بھائی تھے۔ ثانیاً یہ کہ سلطان نے ان کی پرورش اپنی دائی کے سپرد کر دی تھی جس کی وفاداری مشکوک تھی (۲)

ناخوشگوار حالات پیدا ہونے سے بچنے کے لیے سلطان نے دونوں بیٹوں کو نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے سے بلکہ مشیروں سے بھی علیحدہ کر دیا۔ ۱۴۵۱ء میں اس نے آدم خان کو بلتستان کی ایک مہم پر بھیجا۔ جب وہ واپس لوٹا تو حاجی خان کو لوہر پر چڑھائی کا حکم دے دیا لیکن شر پسند بھی غافل نہ تھے انہوں نے حاجی خان کو پٹی پڑھائی کہ وہ اپنے باپ کے خلاف بغاوت کر دے اس طرح ۱۴۵۲ء میں مرحلہ (۳) کے مقام پر ایک طرف سلطان اور آدم خان اور دوسری جانب حاجی خان

۱۔ جوناراج دت ۸۶۔

۲۔ شرلیور (دت) ص ۱۰۴

۳۔ پرگنہ شوپیاں۔

کے درمیان زبردست لڑائی ہوئی۔ حاجی خان کو شکست ہوئی۔ اس کے اکثر دستے ہلاک کر دیئے گئے اور سلطان نے حکم دیا کہ ان کی کھوپڑیوں کا ایک مینار بنایا جائے (۱) تاکہ وہ فتح کا جشن منا سکے اور امن عامہ میں خلل ڈالنے والوں کو متنبہ کر سکے۔

مُرھلہ کی لڑائی سے آدم خان اپنے والد کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ چنانچہ حاجی خان کی جگہ اسے صوبہ بارہ مولہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔

لیکن آدم خان فطرتی طور پر کنجوس سنگدل، ظالم اور حریص تھا۔ اس نے اپنے عمال کو ڈھیل دے رکھی تھی جنہوں نے صوبہ میں خوب لوٹ مچائی ہوئی تھی۔ اس سے بھی بڑھ کر برا یہ ہوا کہ آدم خان نے باغی چکوں کی مدد حاصل کر لی۔ کیونکہ وہ اسے تخت و تاج کی امید دلاتے ہوئے تھے۔ جب اس طرح تحریک کیا گیا تو وہ والد کے مقابلہ پر آن کھڑا ہوا۔ ان حالات میں سلطان مجبور ہو گیا کہ وہ حاجی خان کو جلا وطنی سے واپس بلالے، چنانچہ وہ آدم خان کے مقابلہ کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ انھوں نے سوپور میں ۱۴۵۹ء میں لڑائی لڑی، آدم خان کو شرمناک شکست ہوئی اور وہ جان بچانے کے لیے کشمیر سے بھاگ نکلا۔ شکست نے آدم خان کی بدبختی پر مہر ثبت کر دی۔ مکر و فریب کے باعث وہ والد کی شفقت اور بارہ مولہ میں ظالمانہ سلوک کے سبب عوام کی نفرت و ہمدردی سے محروم رہا۔ سلطان اور رعایا کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے اس کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ اس کے برعکس سلطان نے حاجی خان کو دلاسا دینا شروع کر دیا۔ حاجی خان بعد میں سلطان حسن شاہ بنا جسے سلطان نے ولیعہد مقرر کر دیا تھا۔

وفات

زین العابدین کی زندگی کے آخری سال بے حد پریشانی اور غم و اندوہ میں گزرے۔ ۱۴۶۰ء

۱۔ طبقات ج ۳، ص ۴۴۳۔

میں ملک میں ہولناک قحط پھیل گیا کیونکہ اکتوبر کے مہینے میں ناوقت برف باری نے دھان کی فصل کو تباہ کر دیا تھا۔ ۶۲-۱۴۶۱ء میں ایک تباہ کن سیلاب نے وادی کو نقصان پہنچایا۔ ۶۵-۱۴۶۴ء میں ملکہ مخدومہ خاتون فوت ہوئی اور سلطان زندگی کے سکون سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ سری ور لکھتا ہے یہ ملکہ کی محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ سلطان نے اپنی زندگی کو سرور بنا لیا تھا جدائی کے بعد اس کی نظر میں سب چیزیں ہیچ ہو گئی تھیں (۱) اس کی وفات کے بعد سلطان کے با اعتماد دوست، وفادار وزراء اور ہمدرد رشتہ دار مرتے چلے گئے۔ وہ یوں محسوس کرتا گویا اقتدار اس کے ہاتھ سے نکل رہا ہے پھر وہ حاجی خان کی شراب نوشی کی عادت پر بھی آزردہ خاطر رہتا۔ اسی اثنا میں آدم خان نے تخت حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن چونکہ وہ بزدل تھا اس لیے اسے کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ انہی دنوں میں اداس اور مغموم سلطان نے اپنے آپ کو قصر سلطانی میں بند کر لیا۔ وہ کتاب "مکشش اُپایا" (راہِ نجات) سنتا اور اسی زمانے میں اس نے کتاب "شکایات" تحریر کی۔ جس میں اس نے انسانی خواہشات کا بے بنیاد ہونا بیان کیا ہے۔ یہ تھی اس کی ذہنی کیفیت جب وہ انتہر سال کی عمر میں بروز جمعہ مئی، جون ۱۴۷۰ء کو پچاس سال طویل و تابناک حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا۔

تاریخ میں زین العابدین کا مرتبہ

زین العابدین کا قد کشمیر کے تمام حکمرانوں سے اونچا دکھائی دیتا ہے وہ ایک عظیم و باشکوہ حکمران تھا۔ اس کے مقاصد بہت بلند تھے جن کے حصول کے لیے وہ ہمیشہ پرجوش رہا۔ اس کا تمام لوگ احترام کرتے اور وہ آج بھی بڈشاہ — بادشاہ اعظم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے وہ تاریخ کی عظیم شخصیتوں میں سے ایک تھا۔ ایک ایسا آدمی جس نے اپنے عہد کے تعصبات کا مقابلہ کیا

۱۔ سری ور ص ۱۵۷۔

اور باہم دست وگریباں رعایا کو ایک نیا نظریہ سیاست وثقافت عطا کیا۔ اس کا اعلیٰ کردار اُن کارناموں سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے جو اس نے ایک انسان اور ایک بادشاہ کی حیثیت سے انجام دیے وہ ایک مہذب رحم دل، فیاض اور انتھک بادشاہ تھا۔ وہ صلح جوئی کا بے حد آرزومند اور ایک عمیق دانش مندانہ تجسس کا حامل تھا، اس کی گھریلو زندگی اپنے معاصر مسلمان بادشاہوں کی عام روش سے بہت مختلف تھی۔ وہ بے حد معتدل مزاج آدمی تھا اور کسی شہوانی خواہش میں جو کردار کو تباہ کر دے گرفتار نہ تھا۔ اس کا کوئی حرم سرا نہ تھا اور وہ ایک وقت میں ایک ہی بیوی کے شوہر کی حیثیت سے رہا اور جب اس کی محبوب ترین بیوی داغ مفارقت دے گئی تو وہ بقیہ ایام زندگی میں تنہا اور اداس رہنے لگا۔ جوانی کے دنوں میں جب اس کے ماتحت راجہ راجوری نے اپنی بیٹی کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا تو زین العابدین نے اسے قبول تو کر لیا لیکن باپ کی حیثیت سے قبول کیا۔ تاہم وہ ایک خشک صوفی نہ تھا۔ وہ رقص وموسیقی سے بھی لطف اندوز ہوتا تھا (۱)

زین العابدین برصغیر بلکہ شاید دنیا بھر کے سلاطین میں ایک منتظم، سماجی مصلح، اور قومی ہم آہنگی و وحدت کے زبردست حامی کی حیثیت سے سب سے بلند نظر آتا ہے وہ جدت اور اختراع میں نابغۂ روزگار تھا وہ صرف انیس سالہ بچہ تھا جب سلطان بنا اسے زبردست مشکلات اور عظیم خطرات کا سامنا تھا وہ ملک جس پر اسے حکومت کرنا تھی عددی، اقتصادی اور ثقافتی اعتبار سے بالکل ہی کمزور ہو چکا تھا اسے اپنے خطرناک ہمسایہ، یعنی جموں کے راجہ بھیم دیو کا حساب بھی چکانا تھا مگر زین العابدین نے حقیقی سیاست دان ہونے کا ثبوت اس وقت دیا جب اس نے راجہ جسرت کھوکھر کو بھیم دیو کے ساتھ الجھا دیا اور اس طرح کشمیر کو ایک مایوس دوست اور ایک مسلح دشمن سے بچا لیا (۲)

مذہبی رواداری کی پالیسی سے جس کی مثال تاریخ میں مشکل سے ملے گی اس نے مضطرب اور

۱۔ شریور ص ۱۴۳ و بہارستان ۵۷۔

۲۔ یعنی جسرت و بھیم دیو (مولف)

عاجز کشمیریوں، بالخصوص، ہندوؤں کو فعال شہریوں اور وفادار رعایا میں تبدیل کر دیا۔ اس نے ہندوؤں کو دوبارہ آباد کیا اور ان کی قدیم ثقافت کا احیا کیا۔ ان کو انتظامیہ میں شریک کیا جب وہ مندروں پر جاتا اور ہندو تہوار مناتا تو خود بھی انہی کے رسم و رواج کی پابندی کرتا۔ اس پر اسے برا بھلا بھی کہا گیا (۱) وہ ایک خدا ترس اور سچا مسلمان تھا، رمضان کے روزے رکھتا اور اس ماہ میں گوشت کھانا بالکل چھوڑ دیتا وہ اپنے آپ کو نائب امیر المومنین کہلاتا۔ وہ درویشوں اور سادھوں کا عقیدت مند تھا اور ان کی محافل میں بیٹھ کر استفادہ کیا کرتا۔

سماجی اصلاح کے امور میں بھی اس کی ذہانت وقابلیت ثابت کرتی ہے کہ وہ مرد گفتار ہی نہ تھا بلکہ ایک باعمل سیاست داں بھی تھا، اس کی نظر میں سماجی اور انتظامی اصلاحات سیاسی کامیابی کے لیے بے حد ضروری تھیں اصلاح خانے قائم کرنے اور جرائم پیشہ قبائل کو جنہیں وہ ضروریاتِ زندگی مہیا کرتا، تعلیم دلانے میں وہ مغرب کی تحریک اصلاح مجرمان سے تین صدیاں سبقت لے گیا۔ تعلیمی پالیسی میں اس نے مفت دار الاقامتی مدارس قائم کر کے جہاں مادری زبان ذریعہ تعلیم تھی بڑی ہی جدت دکھائی۔ آیئے اس عظیم بادشاہ کے حالات ختم کرنے سے پہلے ہم اس کے معاصر مورخ شرلور کے الفاظ دھرائیں۔ وہ لکھتا ہے۔ "زمان لامتناہی ہے اور وسعت عالم کا بھی کوئی کنارا نہیں لہذا مستقبل کے کچھ حکمران جو کسی دور کے ملک میں ہوں اس طرح کی اصلاح اور عظیم الشان کارناموں کو ممکن جان سکتے ہیں اور ایسے کام انجام دے سکتے ہیں جو اس بادشاہ نے انجام دیے (۲)

یہ خراج عقیدت خود عظمت و جلال اور مقبولیت کا وہ اوج دکھاتا ہے جو سلطان زین العابدین نے حاصل کیا تھا۔

۱۔ بہارستان ۵۷ ب ۵۷ الف ۲۔ شرلور ص ۹۵۔

باب ہفتم

حالات کی تبدیلی

حیدر شاہ (۱۴۷۰ء - ۷۲ء)

سلطان زین العابدین کی وفات کے تین روز بعد حاجی خان سلطان حیدر شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا حکومت کے لئے اس کا دعویٰ دھرا تھا اوّلاً یہ کہ گزشتہ بادشاہ نے اسے ۱۴۵۹ء میں ولی عہد نامزد کیا تھا اور ثانیاً یہ کہ آدم خان عنان اقتدار سنبھالنے میں ناکام ہو گیا تھا کیونکہ زین العابدین نے سلطان کی حیثیت سے کام کرنے کے اس کے عملی امکانات ختم کر دیئے تھے

تاہم آدم خان ایک زبردست حریف رہا لیکن حیدر شاہ نے دانشمندانہ حکمت عملی اپنا کر حکومت ہاتھ میں لے لی اور اس طرح حریف کے سارے منصوبے خاک میں ملا دیئے اس نے دارالحکومت کو نوھٹہ میں منتقل کر کے اپنے بیٹے حسن خان کو ولی عہد نامزد کر دیا اور ساتھ ہی اسے کامراز کا گورنر مقرر کر دیا پھر اس نے حسن خان کی شادی سید میرک حسن بیہقی کی لڑکی سے کروا دی یہ سادات کا بااثر رہنما تھا اور اسے اضلاع بیرواہ اور بنگیل جاگیر میں دیئے انہی دنوں اس نے اپنے چھوٹے بھائی بہرام خان کو ناگام کا گورنر بنا دیا۔

نوشہر سے نوھٹہ میں دارالحکومت کی منتقلی بعد کی تاریخ کا نقطۂ آغاز ثابت ہوئی۔ دونوں مقامات سے مختلف نظریات وابستہ ہوئے نوشہر جسے زین العابدین نے دارالحکومت بنایا تھا وحدت ملی کی علامت بن گیا نوھٹہ جسے سلطان سکندر نے آباد کیا جبر و تشدد بدانتظامی اور سماجی ابتری کا مظہر تھا حیدر شاہ جلد ہی عیاش و بادہ خوار بن گیا۔ اور

فرائض منصبی کو بھول بیٹھا وہ فواحش و معاصی میں مبتلا ہو گیا۔ وزیروں کو تشدد ناانصافی اور تعدی کرنے کی کھلی چھٹی دے دی (۱) درخقیقت عوام کو اس وقت اور بھی بدقسمتی کا سامنا کرنا پڑا جب اس نے لولی نام حجام پر (۲) جو اس کا شریک معصیت تھا حد سے زیادہ مہربانی کرنا شروع کر دی ایک بدکار اور سخت گنہگار ہونے کی حیثیت سے لولی نے تمام غلط کاریوں کے راستے دکھائے پہلی ضرب کاری ریاست کے وزیر خزانہ حسین کوچی کو کھانا پڑی جس نے تخت حاصل کرنے میں سلطان کی مدد کی تھی ایک نیکوکار اور رحم دل انسان ہونے کی وجہ سے وہ لولی کی بالادستی کو برداشت نہیں کر سکتا تھا لہٰذا وہ آدم خاں کے ساتھ مشورہ میں شریک ہو گیا تاکہ ملک کو لولی کے مظالم سے نجات دلائی جائے۔ لیکن سازش پکڑی گئی اور کوچی کو زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے اس حادثہ نے آدم خاں کو مجبور کر دیا کہ وہ کشمیر پر حملہ اور تخت پر قبضہ کرنے کا خیال ترک کر دے۔ بدیں سبب وہ جموں میں رک گیا یہاں اسے اس وقت قتل کر دیا گیا جب وہ اپنے ماموں راجہ مانک دیو کی ترکوں کے خلاف مدد کر رہا تھا اس کے قتل کی خبر سن کر حیدر شاہ نے اپنی سابقہ سنگدلی پر قابو پا لیا اور حکم دیا کہ لاش سری نگر لائی جائے چنانچہ اسے اپنی ماں کی قبر کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا: اب لولی نے اپنی شرارت کا رخ ہندوؤں کی طرف کر دیا ان کا قتل عام ہوا ان کے مندر اور اصنام توڑ دیئے گئے اور ان کی اراضی پر قبضہ کر لیا گیا سماجی ناانصافی اور انتظامیہ کی سختی سے مجبور ہو کر اکثر ہندوؤں نے اپنا دین ترک کر دیا اور جو اپنے عقیدہ سے پھرے انہوں نے بھی مسلمانی لباس اختیار کر لیا (۳)

جن دنوں وادی میں ہندوؤں کے خلاف مظالم عروج پر تھے ولی عہد حسن خان کو راجوری اور پونچھ میں نظم و نسق بحال کرنے کا حکم دیا گیا کیونکہ اس نے لولی کی ہندو دشمن پالیسی کی مخالفت کی تھی دارالحکومت سے حسن خان کی غیر حاضری آدم خاں کی موت اور حکومت کے خلاف عوام

---

(۱) شریور ص ۱۸۶ - (۲) طبقات: ۳، ص ۶۴۴ (۳) شریور ص ۹۶ - ۹۸؛

کی بڑھتی ہوئی نفرت نے زین العابدین کے سب سے چھوٹے بیٹے بہرام خان کو حکومت کے خلاف سازش کرنے پہ آمادہ کر لیا وہ کامیاب ہونے ہی والا تھا کہ پونچھ سے ولی عہد کی اچانک واپسی نے اس کے منصوبوں کو ناکام بنا دیا اسی اثناء میں بادشاہ بدمستی کی حالت میں محل کے ہال میں لڑکھڑاتے ہوئے پھسل پڑا اور زخموں کی تاب نہ لا کر اپریل مئی ۱۴۷۲ء میں چل بسا اور والد کے مرقد کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ اس نے ایک سال اور دس مہینے حکومت کی۔

حسن شاہ (۱۴۷۲ - ۸۴ء)

والد کی وفات کے بعد حسن خان حسن شاہ کے لقب سے تخت پہ بیٹھا شہزادہ کی حیثیت سے وہ پونچھ اور راجوری میں نظم ونسق بحال کر کے اپنی عظیم قائدانہ صلاحیت کا ثبوت دے چکا تھا بادشاہ کی حیثیت سے اس نے ملا احمد یاتو کو وزیر اعظم بنا کر سیاسی سوجھ بوجھ کا ثبوت دیا۔ اس نے یاتو کو ملک کا خطاب دیا اور ناگام کا ضلع جاگیر کے طور پہ اسے دیدیا ملک ہمیشہ اس کا وفادار، جاں نثار اور قابل اعتماد رہا احمد یاتو کا عہد اصلاح اور استحکام کا عہد تھا۔ وہ زین العابدین کی حکمت عملی کا پیرو تھا اور اس نے اس بادشاہ کی روایات کو زندہ کرنے کی کوشش کی اسی کے اثر ورسوخ سے حسن شاہ نے مرکز حکومت نوشہر میں منتقل کیا تھا ہندوؤں کو پوجا پاٹ کی آزادی دی زین العابدین کے قوانین کو از سر نو زندہ کیا اور تمام سیاسی نظر بندوں کو رہا کر دیا (۱)

پھر اس نے ایسے اشخاص کو جنہوں نے عوام کو تکالیف پہنچانے میں سرگرم حصہ لیا تھا قید میں ڈال دیا (۲)

---

(۱) شریور ص ۲۰۹ (۲) شریور ص ۲۲۱

معرکۂ دولی پورہ

یہ باتیں ایسی تھیں جنہیں امن اور فلاح ملت کے دشمن پسند نہیں کرتے تھے چنانچہ وہ پھر کمربستہ ہو گئے اور خانہ جنگی کا شرع کر دی۔ انہوں نے بادشاہ کے چچا بہرام خاں کو جس نے اپنے بیٹے کے ساتھ کرناہ میں پناہ لے لی تھی اور ایک مناسب موقعہ کی تاک میں تھا دعوت دی چنانچہ بہرام خاں نے ضلع کامراز پر حملہ کر دیا صورتحال بڑی نازک ہو گئی لیکن سیاستداں بادشاہ نے سوپور کے مقام پر رعایا سے خطاب کرتے ہوئے یہ کہہ کر اس پر قابو پالیا کہ حکومت کا سلسلہ باپ سے بیٹے کی طرف چلتا ہے۔ میں بیٹا ہوں اور اس لئے حکومت کا حقدار ہوں۔ میرا چچا کون ہوتا ہے۔ جو بادشاہت میں میرے ساتھ جھگڑا کرے شک نہیں کہ وہ عمر میں مجھ سے بڑا ہے مگر دعویٰ میں مجھ سے چھوٹا ہے اب یہ معاملہ اصول کامیابی پر چھوڑ دو۔ بادشاہت کامیاب آدمی کو ملنی چاہیئے اسے بادشاہ بننے دو جو معرکہ میں فتح حاصل کرے اب ہمیں جنگ کر لینے دو (۱) اس خطاب کا سحر انگیز اثر ہوا رعیت اس کے پرچم تلے جمع ہو گئی۔ دولی پورہ میں بہرام خاں اور حسن شاہ کے مابین ایک خطرناک لڑائی شروع ہوئی۔ آخر بہرام خان کو شکست ہوئی اور اسے بیٹے سمیت قیدی بنا لیا گیا پھر اس کی آنکھیں نکال دی گئیں اور وہ ایک سال بعد چل بسا۔

سیالکوٹ کی تباہی

سلطان بہلول لودھی کا چچا تاتار خان ان دنوں پنجاب کا گورنر تھا اس نے شہزادہ آدم خان کے بیٹے فتح خاں کو پناہ دے رکھی تھی کشمیر میں خانہ جنگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے

---

(۱) شرلوبر ص ۲۱۰

تاتار خان نے کشمیر کے جنوب میں واقع پہاڑی راستوں پر اس غرض سے حملہ کر دیا تاکہ وہ اپنے شاہی مہمان کیلئے ایک زینہ حاصل کر سکے اور پھر اسے فتح کشمیر کے لئے استعمال کر سکے اس اقدام کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے تعلقات جموں کے راجہ عجب دیو سے بگڑ گئے جموں، پونچھ اور راجوری کی ہمسایہ پہاڑی ریاستیں مشترک سیاسی، سماجی اور ثقافتی رشتوں میں بندھی ہوئی تھیں جغرافیائی اعتبار سے یہ ریاستیں تقریباً ایک خط مستقیم میں واقع تھیں ثقافتی اور سماجی نقطۂ نظر سے وہ ایک ہی راجپوت خاندان سے تعلق رکھتی تھیں سیاسی طور پر ان کا ایک دوسری پہ انحصار تھا جموں سیالکوٹ کے پڑوس میں واقع ہے مؤخر الذکر شہر اس زمانے میں تاتار خان کا مرکزی شہر تھا۔

جموں کے راجہ نے اس خطرے کو بھانپ لیا جس کا اسے سامنا تھا اسلئے اس نے دانشمندی سے شہزادہ فتح شاہ کے دعوؤں کو نظر انداز کر دیا حالانکہ جموں راج کے ساتھ اس کے خاندانی تعلقات پہلے سے چلے آتے تھے وہ کشمیر کے سلطان حسن شاہ کے پاس پہنچا تاکہ تاتار خان کو مشترکہ مدد فراہم کر سکے اس پیشکش کو قبول کر لیا گیا اور فوراً ہی ملک تازی بھٹ کی سرکردگی میں جو سب سے زیادہ معتمد اور تجربہ کار جرنیل تھا فوج بھیج دی گئی سرداران جموں، کشمیر، راجوری اور پونچھ کی ماتحت ریاستوں کی مشترکہ افواج تاتار خان کے لشکروں کے سامنے ڈٹ گئیں اور انہوں نے مؤخر الذکر کو ۱۹۸۰ء میں شکست دے دی سیالکوٹ کو بھی تباہ و برباد کر دیا۔ ملک تازی بھٹ فاتح تو تھا لیکن اس سے یہ غلطی ہو گئی کہ وہ فتح کے وقت شہزادہ فتح خان کو گرفتار نہ کر سکا اور اس طرح اس نے مستقبل کی پریشانی کے جراثیم کو پنپنے کی اجازت دے دی۔

اندرونی استحکام

ایک طرف بہرام خان کی عبرت ناک شکست نے حسن شاہ کو اندرونی دباؤ سے نجات دلادی تو دوسری طرف ملک تازی بھٹ کی فتح نے اسے بیرونی خطرات سے سلامتی کی ضمانت دے

دی لیکن سادات کی سازشیں اور باغیانہ سرگرمیاں جو کشمیر کو اپنی جاگیر سمجھتے تھے بدستور جاری رہیں انہوں نے ایک مذہبی گروہ سے ترقی کرکے شورش پسند سرداروں کی ایک سیاسی جماعت کی حیثیت حاصل کر لی تھی جس کا مقصد جنگ کرنا اور کشمیریوں پر مظالم ڈھانے میں خوشی محسوس کرنا تھا ان کی سرگرمیوں نے بادشاہ کو مجبور کر دیا کہ وہ ان کے خلاف کارروائی کرے۔

اس حقیقت کے باوجود کہ ان کا قائد سید میرک حسن بیہقی کا خسر تھا (۱) پھر بھی اس نے سادات کو کشمیر سے نکال دیا اور ان کی جائیدادیں ضبط کر لیں۔

اب اندرونی اور بیرونی خطرات سے نمٹنے کے لئے حسن شاہ اپنی تعمیری سکیموں کو عملی جامہ پہنانے میں مصروف ہوگیا۔ بادشاہ اور ملکہ دونوں نے محلات تعمیر کروائے اور شریور کی شہادت کے مطابق خانقاہیں، مدارس اور مساجد بھی بنوائیں (۲)

حسن شاہ فنون لطیفہ کا بھی زبردست شائق تھا وہ ایک فطرتی موسیقار تھا جس نے سنسکرت (۳) اور کشمیری گیتوں کے اعلیٰ درجہ کے راگ نکالے تھے اس نے بارہ سو گویوں اور رقاصاؤں کا ایک عظیم ادارہ قائم کیا تھا مورخ شریور شعبہ موسیقی کا ناظم تھا (۴)

لیکن عیش و عشرت میں بیہودہ دلچسپی تعمیراتی و ثقافتی منصوبوں نیز تاتارخاں لودھی کے ساتھ جنگ نے حسن خاں کو بے پناہ مالی مشکلات میں پھنسا دیا اور مجبوراً اسے سکہ کی قیمت گرانا پڑی۔

سادات کی واپسی

حسن شاہ کے دور حکومت کے آخری سال ملک غربت و افلاس کا شکار ہوگیا اس المیہ کا آغاز ۱۴۷۹ء کی آگ سے ہوا جب شہر کا شمال مشرقی حصہ اور وہ علاقہ جہاں اب جامع مسجد ہے جل کر

---

(۱) شریور ص ۲۲۲ (۲) شریور ص = ۲۷ – ۲۲۴
(۳) " " ۲۳۱ (۴) " " ۲۳۱

راکھ ہو گیا اس حریق کے بعد وزارتی بحران رونما ہو گیا یعنی ملک احمد یاتو اور ملک تازی بھٹ کے گروہوں میں ٹھن گئی ملک احمد یاتو وزیر اعظم تھا اور موخر الذکر کمانڈر انچیف ۔ جھگڑا ان دونوں کی رقابت و حسادت سے شروع ہوا ، سیالکوٹ میں تاتار خاں لودھی پر ملک تازی بھٹ کو جو فتح حاصل ہوئی تھی اس کے نتیجہ میں ملک کے اندر اس کی شہرت اور بھی بڑھ گئی تھی ۔ وہ بادشاہ کا معتمد ترین وزیر بن گیا تھا جنگ سے لوٹنے کے فوراً بعد اسے ولی عہد شہزادہ محمد خان کا مربی مقرر کر دیا گیا جبکہ وزیر اعظم کا بیٹا ملک نوروز چھوٹے شہزادے حسین خان کا مربی مقرر کیا گیا یہیں سے دونوں رہنماؤں کے درمیان جھگڑے کا آغاز ہوتا ہے ملک تازی بھٹ کو کمزور کرنے کی غرض سے ملک احمد یاتو نے ایسا قدم اٹھایا جو مقامی مفاد کے لئے بڑا خطرناک تھا اس نے بادشاہ کو ترغیب دی کہ وہ سادات کو جلاوطنی سے واپس بلالے بادشاہ نے ان دنوں سید میرک حسن بیہقی کی بیٹی ملکہ حیات خاتون سے تعلقات استوار کر رکھے تھے (۱) حیات خاتون کو خوش کرنے کے لئے اس نے تجویز کو بے چون و چرا مان لیا اور سادات کو واپس بلا لیا (۲) سادات بڑی شد و مد کے ساتھ واپس لوٹے وہ اثر جو ملکہ نے بادشاہ کے ذہن پر ڈال رکھا تھا۔ ان سادات کے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا۔ جلد ہی انہوں نے اپنے کشمیری محسن ملک یاتو کو جیل میں ڈلوادیا اور پھر اسے بیٹوں سمیت قتل کروادیا (۳) بادشاہ کو مجبور کیا گیا کہ وہ سید میرک حسن بیہقی کو وزیر اعظم مقرر کرے شریور کے بقول سادات کے عہد میں رشوت خوری کو خوبی ، مردم آزادی کو دانائی اور عورتوں کا اغواء مسرت کا کام سمجھا جاتا تھا۔ (۴)

یہ تھی کشمیر کی عمومی صورت حال جب حسن شاہ اپریل مئی ۱۴۸۴ء میں بارہ سال ، پانچ روز حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا۔ اس نے دو نابالغ بچے محمد خان اور حسین پیچھے چھوڑے ۔ اسے سری نگر کے مزار سلاطین میں دفن کیا گیا۔

---

(۱) شریور ص ۲۲۹ (۲) شریور ص ۲۴ - ۱۴۲ (۳) شریور ص ۲۰۱ (۴) شریور ص ۲۵۲

طوائف الملوکی کا عہد (۱۵۴۰-۱۴۸۴ء)

محمد شاہ - دور اوّل (۸۷-۱۴۸۴ء)

حسن شاہ نے بستر مرگ پر اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اس کا جانشین اس کا چچازاد فتح خاں بن آدم خاں ہونا چاہیئے شاید اس نے یہ سوچا ہوگا اگر اس کے نابالغ بیٹوں میں سے کوئی ایک جانشین بنا تو اس سے سادات کا تسلط برقرار رہے گا اور ابتری پھیلتی رہے گی۔ اس کا ایک اور چچازاد بھائی بھی تھا جو بہرام خاں کا بیٹا تھا وہ ابھی تک قید میں تھا اور اس کے والد کو خود حسن شاہ کے فرمان کے تحت اذیتیں پہنچائی گئی تھیں۔

فتح خاں ایک بادہ فا شہزادہ تھا مگر وہ مقامی سیاست کو نہیں سمجھتا تھا کیونکہ اس کی زندگی کا بیشتر حصہ کشمیر سے باہر گزرا تھا سید میرک حسن بیہقی نے حس کے متعلق سمجھا جاتا تھا، کہ وہ اسلامی روایات کا احترام کرتا ہے بادشاہ کی وصیت کو ٹھکرا دیا۔ اس نے اپنے نواسے محمد خاں کو جو مشکل سے سات برس کا بچہ تھا تخت پر بیٹھا دیا اور اسے سلطان محمد شاہ کا لقب دیا وہ خود نائب کی حیثیت سے کام کرنے لگا دیسے تو کشمیر میں نیابتیں ہمیشہ عوامی بے چینی کا ذریعہ رہی ہیں لیکن سید میرک حسن بیہقی کی نیابت بدترین ثابت ہوئی غداری کی بے حرمتی کے ذریعے اس نے شعوری یا غیر شعوری طور پر کشمیر کی مسلم سیاست میں ایک سیاہ دور کا آغاز کر دیا۔ اس کی پیروی کرتے ہوئے کچھ اور طالع آزما، گستاخ اور غدار کشمیری رہنماؤں نے پچھلے بچپن سال (۱۵۴۰ - ۱۴۸۴ء) تک طوائف الملوکی کا ڈرامہ کھیلا اس عہد میں ابتری اپنے عروج کو پہنچی سلاطین محض کھلونا بن گئے اور عوام خون کے آنسو روتے رہے کشمیریوں کے ساتھ سادات کے تعلقات کا سابقہ ریکارڈ ہمیں بتاتا ہے کہ ان کے سیاسی اقتدار نے ہمیشہ ناطمینانی اور مخالفت پیدا کی (۱)

---

(۱) شہر یور ص ۲۶۷

یہ صورت حال اس وقت اپنی انتہا کو پہنچی جب جموں کے راجہ پرسورام نے کشمیریوں کی کھل کر حمایت کا اعلان کر دیا اس نے نوشہر (سری نگر) پر دھاوا بول دیا جو اس وقت سادات کا گڑھ تھا اکثر سادات کو جن میں سید میرک حسن بیہقی اور اس کے چودہ بیٹے اور پوتے بھی شامل تھے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا (۱) سادات نے ادھر بہرام خاں کے بیٹے کو جو جیل میں تھا قتل کر دیا تاکہ اس کی جانشینی کے ہر امکان کو ختم کر دیا جائے (۲) کشمیریوں کے لئے اس وقت صورت حال اور بھی نازک ہو گئی جب تاتار خاں لودھی نے سادات کی حمایت کا اعلان کر دیا اور ان کی مدد کے لئے ایک بھاری فوج بھیجدی لیکن اسے بھمبر میں شکست کھانا پڑی۔ لودھیوں کی شکست نے سیدوں کو مایوس کر دیا۔ اب انہوں نے اپنی افواج کا رخ تخت سلیمان کی طرف پھیر دیا جہاں کشمیریوں نے اپنی آخری فتح کے لئے اہتمام کر رکھا تھا۔ یہاں سادات کو شکست فاش ہوئی اور ان کے بیشتر رہنما قتل کر دیئے گئے کشمیریوں نے سرینگر میں سادات کے مراکز مع خانقاہ معلی جلا کر خاکستر کر دیئے (۳) اور آخر کار سادات کو جون جولائی ۱۴۸۴ء میں کشمیر سے نکال باہر کیا (۴)

سادات کی شکست کے نتیجہ میں چار کشمیری رہنما سامنے آگئے جن کے نام یہ ہیں جہانگیر ماگرے سیف ڈار، عیدی رینہ اور شمس چک۔ انہوں نے ایک معاہدہ پر دستخط کر لئے کہ وہ چاروں مل کر نابالغ محمد شاہ کے نائبین کی حیثیت سے ملک پر حکومت کریں گے لیکن یہ اتحاد اربعہ بہت ناپائدار ثابت ہوا ویسے بھی یہ دیرپا ثابت نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ دستخط کرنے والے ایک دوسرے کے ساتھ کام کرنا نہیں چاہتے تھے جلد ہی وزیر اعظم کے منصب کے لئے ان کے درمیان کشمکش شروع ہو گئی ہر رہنما اس کوشش میں لگا رہتا کہ وہ دوسرے تین کو بارہ پتھر

---

(۱) شرپور۔ ص ۷۳ - ۲۷۱ (۲) شرپور ص ۱۷۰
(۳) شرپور۔ ص ۲۹۹ (۴) شرپور ص ۳۰۱

باہر کر دے اسی افراتفری کی حالت میں جہانگیر ماگری نے وزیر اعظم ہونے کا اعلان کر دیا مگر وہ دوسرے رہنماؤں کا اعتماد حاصل نہ کر سکا اور ان کو اپنا دشمن بنا لیا اس طرح وہ شہزادہ فتح خان کے ساتھ مل کر سازش کرنے پر مجبور ہو گئے

فتح شاہ

دور اوّل (۱۴۸۷ - ۹۹ء)

فتح خان شہزادہ آدم خان کا بیٹا تھا۔ سلطان زین العابدین کی موت کے بعد آدم خان جب حکومت کشمیر حاصل کرنے میں ناکام رہا تو وہ خود ہی جلاوطن ہو کر جموں چلا گیا تھا۔ فتح خاں یہیں پیدا ہوا۔ فتح خاں کی ابتدائی زندگی غم و اندوہ اور پریشانی و مشکلات میں گزری وہ ابھی بچہ ہی تھا کہ والد کے سایۂ شفقت سے محروم ہو گیا وہ جموں کے راجہ کی طرف سے تاتار خاں لودھی کے خلاف لڑتے ہوئے قتل ہو گیا تھا اس جنگ میں فتح خان تاتار خاں کے ہاتھ لگا مگر جلد ہی بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا وہ چار سال (۱۴۸۰ - ۸۴ء) تک جالندھر میں مارا مارا پھرتا رہا۔ اس زمانے میں جہانگیر ماگری بھی سادات کے مظالم سے تنگ آ کر لوہ کوٹ میں پناہ گزین تھا اس نے جلد ہی فتح شاہ کے ساتھ خط و کتابت شروع کر دی تاکہ اسے مستقبل میں کسی مناسب موقع پر شطرنج کے مہرے کی حیثیت سے استعمال کر سکے جہانگیر ماگری نے فتح شاہ کو سلطان کشمیر بننے کی امید دلا دی تھی اس لئے فتح خاں راجوری آ گیا اور اپنے خسر راجہ سندرسین کے ہاں ٹھہرا (۱) یہاں اس کے پاس سیف ڈار، عیدی رینہ اور شمس چک پہنچے اسے اپنی بھرپور مدد کا یقین اور جہانگیر ماگری پر حملہ کرنے کا حوصلہ دلایا چنانچہ وہ نوسہ میدان کے درے سے وادی میں داخل ہوا اور ۱۴۸۵ء میں کالام پور پر حملہ کر دیا گھمسان کا رن پڑا لیکن فتح خاں اور اس کے اتحادیوں کو شکست ہوئی اور وہ جان بچانے کے لئے راجوری کی طرف بھاگنے پر مجبور ہو گئے

---

(۱) شر یور ص : ۳۰۹

اس واقعہ نے جہانگیر ماگری کو اور بھی مغرور بنا دیا اس نے فتح خان کے کشمیری مددگاروں کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا چند ایک کو مروا دیا، بعض کو لوٹا گیا اور بعض کو جیل میں ڈال دیا. اور بیشتر ترک وطن کر گئے مختصر یہ کہ اسنے اپنے حریفوں سے زبردست انتقام لیا ایک بار پھر انہوں نے فوجیں جمع کیں لیکن اب یہ سب کچھ ایک قابل رہنما سیف ڈار کی قیادت میں ہو رہا تھا وہ پھر فتح خان کے پاس پہنچے اور اسے ایک اور حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا چنانچہ اس نے ایک بار پھر ان کی پیشکش قبول کر لی اور ۱۴۸۶ء میں جہانگیر ماگری کے خلاف اپنی افواج لیکر دمودر اودر کے مقام پہ پہنچ گیا یہاں جہانگیر ماگری کو عبرتناک شکست ہوئی اور وہ شرمندگی کے مارے کشمیر چھوڑ کر بھاگ نکلا اب نابالغ سلطان محمد شاہ کو دو سال اور سات مہینوں کے اقتدار کے بعد تخت سے اتار دیا گیا اور زمام اقتدار سیف ڈار نے سنبھال لی.

وزارت سیف ڈار (۹۶-۱۴۸۷ء)

فتح شاہ نے تخت پہ بیٹھتے ہی ملک سیف ڈار کو جس نے جہانگیر ماگری کو شکست دینے میں اہم کردار ادا کیا تھا اپنا وزیر اعظم بنا لیا، سیف ڈار مخلص دیانتدار اور انصاف پسند تھا اسکے دور میں ملک کو طویل مدت کے بعد امن و آسودگی حاصل ہوئی شرپور رقم طراز ہے اس کے نظم و نسق کے دوران عوام ہر طرح سے مسرور و مطمئن تھے (۱) مگر امن و خوشحالی کشمیر کا مقدر نہیں تھی مکافات عمل کے اصول نے پہلے ہی سیف ڈار کے خلاف کام کرنا شروع کر دیا تھا اس کا آغاز شمس چک سے ہوا جو دہشت انگیز اور بے باک چک رہنما تھا وہ حکومت پہ قبضہ کرنے کا خواہشمند تھا اس کے جوش کو سلطان فتح شاہ سے کافی سہارا ملتا. فتح شاہ سیف ڈار کے ہاتھ میں

---

(۱) شرپور ص ۳۴۸

کٹھ پتلی بنا ہوا تھا اس لئے اس نے یہ جوا اتار پھینکنے کا عزم کر لیا اس نے شمس چک نصرت چک اور سر ہنگ رینہ کو اعتماد میں لے لیا اور سیف ڈار کے قتل کا منصوبہ تیار کیا گیا۔ دریائے جہلم کے پل توڑ دیئے گئے اور پھر سیف ڈار کو اچانک حملہ کر کے قتل کر دیا گیا یہ ۱۴۹۶ء کا واقعہ ہے

وزارت شمس چک (۹۹-۱۴۹۶ء)

سیف ڈار کو ہلاک کرنے کے بعد فتح شاہ نے شمس چک کو وزیر اعظم مقرر کر دیا وہ بہت بڑا شجاع اور جسمانی طاقت کا مالک تھا مگر یہ انتخاب منحوس ثابت ہوا کیونکہ سلطان اور وزیر اعظم کو سید محمد بیہقی جیسا جانی دشمن ملا تھا ایک تو معزول بادشاہ محمد شاہ کا ماموں ہونے کی حیثیت سے سید مذکور اسے برسر اقتدار لانے کے لئے فکرمند تھا دوسرا یہ کہ شمس چک نے عوامی قیادت اسی سید کے ماتحت شروع کی تھی مگر بعد میں اسے تنہا چھوڑ دیا تھا سلطان اور وزیر پر دُھری فتح پانے کی غرض سے سید محمد بیہقی نے شمس چک کی وزارت کے دو اہم ارکان ابراہیم ماگری اور موسی رینہ کو الّو بنا لیا اس نے ان کو یہ کہہ کر دھوکہ دیا کہ وہ تو صرف وزیر اعظم کو گرانا چاہتا ہے اطرح انکی مدد سے وہ شمس چک کے خلاف صف آرا ہونے میں کامیاب ہو گیا چنانچہ شمس چک کو ۱۴۹۹ء میں شکست ہوئی اور وہ جان بچانے کے لئے وطن سے نکل گیا سید محمد بیہقی نے اس وقت اور بھی اطمینان کا سانس لیا جب فتح شاہ بھی بھاگ کر نوشہر چلا گیا جہاں وہ بعد میں شمس چک سے مل گیا۔

محمد شاہ ــ دورِ ثانی (۱۵۰۵-۱۴۹۹ء)

وزارت سید محمد بیہقی

دوسری بار محمد شاہ سید محمد بیہقی کی مدد سے تخت نشین ہوا اس سے سادات کے عہد کا آغاز سمجھا گیا جس سے کشمیری خوف کھاتے تھے اس طرح دشمنان اہل کشمیر کے ارادوں کی اور ان کے ظالمانہ سلوک کی تکمیل و تجدید ہو گئی تھی اس گہری چال نے جس کے ذریعے سید محمد بیہقی وزارت میں تبدیلی لانا چاہتا تھا اسے اپنے غیر سید دوستوں سے بیگانہ کر دیا تھا کشمیری جو ۱۴۸۴ء میں ستمگر سادات سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے بھاری قیمت ادا کر چکے تھے ان کی واپسی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے چہ جائیکہ ان کی حکومت کو تسلیم کرتے سادات کی حکومت پر عدم اعتماد کے اظہار کے لئے موسیٰ رینہ اور ابراہیم ماگری جو سید محمد بیہقی کے دو طاقتور غیر سید ہمکار تھے وزارت سے مستعفی ہو گئے اور سابق وزیر اعظم شمس چک کی رہنمائی میں کام کرنے والی مخالف جماعت میں شامل ہو گئے پھر ۱۵۰۵ء میں سادات پر جنگ ٹھونس دی (۱) سادات اپنی عددی کمزوری کے باعث بڑے گھاٹے میں رہے وہ کشمیریوں کی شرائط ماننے میں ناکام رہے تھے اس لئے اب جنگ ناگزیر تھی اور انہیں منہ کی کھانا پڑی اور سید محمد بیہقی کے بیشمار پیرو قتل کر دیئے گئے۔ محمد شاہ بچ کر راجوری چلا گیا اور فتح شاہ نے دوسری مرتبہ سلطان ہونے کا اعلان کر دیا۔

فتح شاہ ــ دورِ ثانی (۱۵۰۵-۱۶ء)

وزارت شمس چک

فتح شاہ کو دوبارہ حکومت ملی تو شمس چک اس کا وزیر اعظم بن گیا۔ معلوم ہوتا ہے

کہ غربت و جلاوطنی کے دوران جس کا سبب سید محمد بیہقی تھا۔

دو تولوں نے بھلا یا کم اور سیکھا زیادہ تھا شمس چک کو سید محمد بیہقی کی موت سے تسلی نہیں ہوئی تھی اس لیے اس کی آتش انتقام اور بھڑک اٹھی اس نے بیہقی کی تمام عمارات کو مسمار کردیا پھر اس کے تین بیٹوں سید مرتضیٰ، سید ابراہیم اور سید یعقوب کے ساتھ بے رحمی کا سلوک کیا (۱) سید مرتضیٰ کو ایک پہاڑی سے جبکہ وہ یہاں بچا کر اراخ کی طرف بھاگ رہا تھا لڑھکا دیا گیا اور اس کی موت واقع ہو گئی سید ابراہیم دس سال کے لیے اراخ کے راجہ کے ہاں قیدی رہا سید یعقوب کو جو سب سے چھوٹا تھا نابالغ ہونے کی بناء پر سری نگر میں رہنے کی اجازت دے دی گئی لیکن ابھی تک شمس چک کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا تھا اس نے ڈار خاندان کو سادات کے ساتھ بیاہی گٹھ جوڑ کرنے کے الزام میں قتل عام کی سکیم میں شامل کرایا پھر تو شمس چک بے مہار ہی ہو گیا نہ سلطان نے اور نہ ہی اس کے ہمکاروں موسیٰ رینہ اور ابراہیم ماگری نے اس کی کچھ مدد کی۔

آخر مظالم خود اس کے لیے وبال جان بن گئے ایک مختصر جماعت اعتراف گناہ دینے کی نیت سے انہوں نے شمس چک کو زنداں میں ڈال دیا جہاں ابراہیم ڈار اور دوسروں نے جو موسیٰ رینہ کے ممنون احسان تھے اسے ۱۵۰۵ء میں قتل کر دیا شمس چک مردانگی سے مرا دم توڑنے سے قبل اپنے قاتلین میں سے تین کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا حالانکہ اس کے پاس صرف ایک چاقو اور اینٹ کے چند ٹکڑوں کے سوا دفاع کیلئے کچھ نہ تھا۔ اب سلطان نے موسیٰ رینہ کو وزیر اعظم بنا لیا تھا۔

میر شمس الدین عراقی کی تحریک (۱۵۰۵-۲۶ء)

وزارت موسیٰ رینہ (۱۵۰۵-۱۴ء)

موسیٰ رینہ اور اس کے فوراً بعد کاجی چک کی وزارت سے میر شمس الدین عراقی کی

---

(۱) بہارستان ۷۷ ب

سرگرمیوں کے ذریعے جو کشمیریوں کی سماجی اور ثقافتی زندگی میں ایک انقلاب لانے پر تلا ہوا تھا کشمیر کے آزاد سلاطین کے آخری گروہ کی حکومت کے دوران اہم ترین داستان کا آغاز ہوا (۱) اس نے مسلمانان کشمیر کے اندر شدید اور مستقل فرقہ دارانہ عداوت کا بیج بو دیا تب سے سنی اور شیعہ دو علیحدہ مستقل فرقوں کی حیثیت سے اپنے آپ کو ممتاز کرنے لگے انہوں نے دو سنگدل اور آشتی ناپذیر بھائیوں کی طرح برتاؤ کرنا شروع کیا اور ۱۸۷۲ء تک جب بھی موقع ملتا وہ آپس میں لڑ پڑتے۔ ۱۸۷۲ء میں کشمیر کا دوسرا ڈوگرہ.... حکمران مہاراجہ رنبیر سنگھ ان میں مؤثر صلح و صفائی کرانے میں کامیاب ہوا...... گو ان کے دل کی گہرائیوں میں پرانے زخم ہرے ہی رہے۔

میر شمس الدین عراقی، سید شاہ قاسم انوار کا، جو سید محمد نور بخش کا بیٹا اور خلیفہ تھا۔ شاگرد تھا وہ پہلی مرتبہ ۱۴۸۴ء میں خراسان کے گورنر سلطان حسین مرزا (۱۵۰۶ء - ۱۴۶۹ء) کے سفیر کی حیثیت سے کشمیر آیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نور بخشیہ عقائد کی تبلیغ کا مشن لیکر آیا تھا نور بخشیہ کا بانی سید محمد نور بخش تھا وہ ۱۳۹۲ء میں کوہستان کے مقام کین میں پیدا ہوا، ختلان کے خواجہ اسحق کا مرید بنا جو....... سید علی ہمدانی کا مرید تھا مرشد کے خواب کی اطاعت کے صلہ میں اسے نور بخش کہا گیا مرشد نے اظہار خوشنودی کے طور پر اسے سید علی ہمدانی کا آخری خرقہ عنایت فرمایا اس نے امام کی حیثیت سے اپنا تعارف کرایا اس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ وہ تمام مسلمانوں کا خلیفہ ہے اور یہ کہ وہ تمام دینی اور دنیوی علوم میں کامل دستگاہ رکھتا ہے۔

سید نور بخش کو تیموریوں کے شاہ رخ مرزا (۱۴۰۴ - ۴۶ء) کے ہاتھوں ایذائیں برداشت کرنا پڑیں تاہم شاہ رخ کے مرنے کے بعد وہ رے میں سکونت پذیر ہو

---

(۱) تاریخ رشیدی ص ۴۳۵

گیا اور وہیں بہتر سال کی عمر میں ۹۱۵ ہجری میں چل بسا۔ اس نے یہ وصیت کر دی تھی کہ اس کا بیٹا شاہ قاسم انوار اس کا خلیفہ ہوگا اور شمس الدین محمد بن یحییٰ لاہیجانی الگیلانی اس کے عقائد کا پرچار کرے گا (۱)

نور بخشیہ عقائد

سید محمد نور بخش نے فرد کی اہمیت اور صوفیانہ عقیدہ وحدت وجود پر بڑا زور دیا ہے اس کا مرشد خواجہ اسحاق شیعہ عقائد کا حامل تھا اس نے قانون و احکام پر فقۂ احوط کے نام سے ایک رسالہ بھی قلم بند کیا تھا (۲)

جس میں شیعہ عقائد پیش کئے گئے ہیں اور امام مہدی پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ جسے متعدد فضائل کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی نسل سے ہونا چاہیے اور جو نکاح موقت یعنی متعہ کو قانونی حیثیت دے سکے۔

مرزا حیدر دُغلت کے مطابق بدخشاں اور کشمیر میں نور بخشیہ تعلیمات پر مختلف طریقے سے عمل ہوتا تھا وہ لکھتا ہے کہ بدخشاں کے نور بخشیہ حضرت محمدؐ کے احکام کی پیروی کرتے اور سنیوں کے ساتھ میل جول رکھتے تھے دوسری طرف ایسے نور بخشیہ عقائد جو شمس الدین عراقی کے ذریعے کشمیر میں پھیلے تھے مرزا حیدر کی نظر میں دین کی بگڑی ہوئی شکل، ناپاک اعمال اور ملحدانہ، اعتقادات کا مجموعہ تھے "فقۂ احوط" کے بارے میں جس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اس پر مرزا حیدر دغلت کے عہد میں کشمیر میں عمل کیا جاتا تھا وہ لکھتا ہے کہ یہ کتاب کسی بھی فرقہ کی تعلیمات کے خواہ وہ سنی ہو یا شیعہ، موافق نہیں ہے۔ (۳)

مرزا مزید لکھتا ہے کہ شیعوں اور نور بخشیوں کے متفقہ عقائد میں سے ایک اصحاب ثلاثہ اور حضرت عائشہؓ کو سخت سست کہنا ہے۔

نور بخشیہ عقیدہ کے بارے میں ابوالفضل اور نظام الدین نے کوئی بحث نہیں کی یہ صرف

---

(۱) مجالس المومنین ص ۱۳۵ (۲) فقہ احوط کو شمس الدین عراقی کی تالیف بھی بتایا جاتا ہے (۳) تاریخ رشیدی ص ۴۳۵۔

اتنا ہی بتاتے ہیں کہ یہ عقیدہ شمس الدین عراقی کی کوشش سے جو شاہ قاسم کا مرید تھا فتح شاہ کے عہد میں کشمیر کے اندر پھیلا (۱) نور بخشیہ عقیدہ کے ماننے والے جہانگیر کے دور میں بھی کشمیر میں موجود تھے دبستان مذاہب کا مولف سید محمد نور بخش کے فقط چند اقوال درج کرتا ہے جو اصل جوہر کے اعتبار سے مابعدالطبعیاتی ہیں ہمارے پاس اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ نور بخشیہ سترھویں صدی عیسوی کے بعد بھی کشمیر میں رہے ہوں اکبر، جہانگیر اور شاہجہان کے عہد میں کشمیر کے مغل گورنروں کے ہاتھوں چکوں کے بیدردانہ استحصال کے بعد جو اس عقیدہ کے سربرآوردہ پیرو تھے وہ نور بخشیہ جو مرزا حیدر دغلت کے مظالم سے بچ گئے تھے شیعہ فرقہ میں مدغم ہو گئے تھے اور جو اپنے عقیدہ سے دستبردار نہ ہوئے زندگی بچانے کے لئے بلتستان بھاگ گئے جو بعد میں نور بخشیہ کا ایک اہم مرکز بن گیا۔ ویگنی نے جس نے بلتستان مغربی تبت اور وادی کشمیر کا سفر کیا تھا نور بخشیہ کے کافی حالات فراہم کئے ہیں (۲) ڈریو بھی جو کشمیر کے مہاراجہ رنبیر سنگھ کی طرف سے لداخ میں انگریزوں کا پہلا وزیر وزارت تھا (۶۵-۱۸۶۰ء) نور بخشیہ کے بارے میں کم و بیش اسی انداز میں لکھتا ہے لیکن وہ ہمیں ان باطنی اختلافات سے روشناس کراتا ہے جو انہیں سنی اور شیعہ سے جدا کرتے تھے ۱۸۸۰ء میں گلگت میں پولٹیکل ایجنٹ کی حیثیت سے میجر بڈلف نے یہاں کے باشندوں کی معاشرتی زندگی کا گہرا مطالعہ کیا تھا (۳) اس نے نور بخشیہ عقیدہ کے ماننے والوں کے تفصیلی حالات سپرد قلم کئے ہیں جو مرزا حیدر دغلت کی تفصیل کا تتمہ ہیں۔

میر شمس الدین عراقی کشمیر میں

بار اول

خراسان ختلان اور اس کے ہمسایہ علاقوں میں اپنے عقیدہ کی اشاعت کے بعد نور بخشیہ

---

(۱) آئین اکبری، ج ۲، ص ۳۸۹ (۲) ویگنی سیاحت نامہ ج ۲، ص ۲۵۴ (۳) قبائل ہندوکش ص ۱۳۴

نے کشمیر میں بھی تبلیغ کرنے کا فیصلہ کیا کشمیر جیسا کہ ہم نے قبلاً اشارہ کیا بہت پہلے سے ایران خراسان، عراق، سمرقند، بخارا اور تقریباً مرکزی اور مغربی ایشیا کی خوشحال ریاستوں کے تمام سیاسی و مذہبی تارکین وطن کی پناہ گاہ بن چکا تھا ان ممالک کے باشندے تیمور کے مظالم سے بچنے کے لئے اور اس وقت کے شدید اقتصادی دباؤ کے تحت یہاں آتے تھے ایسے پناہ گزینوں کا پہلا قافلہ سید علی ہمدانی کی قیادت میں وادی میں پہنچا نور بخشیہ اور مسلمانان کشمیر سبھی آپ کا بحید احترام کرتے ہیں اس پس منظر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شمس الدین عراق ۱۴۸۴ء میں بعہد سلطان حسن شاہ (۱۴۷۴ - ۱۴۸۴ء) کشمیر پہنچا وہ خراسان سے سلطان حسین مرزا بایقرا (۱۴۶۹ - ۱۵۰۶ء) کا سفیر بن کر آیا تھا سلطان مذکور سید محمد نور بخش کے بیٹے اور خلیفہ شاہ قاسم انوار کے زیر اثر تھا کشمیر میں اس کے پہنچنے کے بعد جلد ہی سلطان حسن شاہ فوت ہو گیا شمس الدین عراق جیسے منچلے اور پرجوش مبلغ کے لئے یہ وقت بہت مناسب و مساعد تھا سیاسی زعما کی باہمی کشمکش کے نتیجہ میں ملک انتشار اور خانہ جنگیوں کے دور سے گزر رہا تھا موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے شمس الدین عراق نے وادی میں اپنے قیام کی مدت بڑھا دی چونکہ وہ سفیر تھا اس لئے مذہبی بحثوں میں یا اپنے عقیدہ کی تبلیغ میں کھلے بندوں حصہ نہ لے سکتا تھا۔ بنابریں اس نے شیخ اسمٰعیل کبروی کے ساتھ میل جول بڑھایا جو اس وقت کشمیر میں اسلام کا بلا اثر اور پرجوش مبلغ تھا (۱) اس نے عراقی کے محافظ کا رول ادا کیا شروع شروع میں اس کے پلیٹ فارم سے شمس الدین عراق نے اپنے عقیدہ کی تبلیغ کا آغاز کیا پھر چپکے چپکے اپنے سرپرست و محافظ کے لئے ایک اور با اثر لیکن احمق کشمیری لیڈر بابا علی نجار کی ناجائز حمایت کر کے مصیبت پیدا کر دی اب کشمیر میں بابا علی نجار عراقی کا خلیفہ بن گیا۔ مسلمانان کشمیر میں

---

(۱) تاریخ اعظمی ص ۶۳

نفرت وعداوت کا بیج بو کر شمس الدین عراقی وہاں سے چلا گیا۔

بار دوم

شمس الدین عراقی دوبارہ کشمیر میں اس وقت آیا جب فتح شاہ دوسری مرتبہ (۱۶-۱۵۰۵ء) حکومت کر رہا تھا اب کے اس نے کشمیر میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے خراسان کو اس لئے ترک کیا تھا کہ سلطان حسین مرزا بایقرا نے اسے وہاں سے نکال دیا تھا مگر ایک احتمال یہ ہے کہ یہ سفر اس کے مرشد شاہ قاسم انوار کی خراسان سے عراق کی طرف جبری واپسی کا نتیجہ ہو گا پہلے سفر کے دوران شمس الدین عراقی نے کشمیر میں مٹھی بھر وفادار مرید پیدا کر لئے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انہی کے ذریعے وہ کشمیر کے حالات سے اپنے آپ کو باخبر رکھتا تھا اور جب اس نے صورت حال مناسب دیکھی تو خود یہاں آ گیا بابا علی نجار جیسے پہلے اس نے شیخ اسماعیل کبروی کے خلاف لڑایا تھا اب ایک مقتدر مذہبی رہنما بنا ہوا تھا اور مریدوں کی ایک جماعت اس کی پیرو تھی اس کا سب سے بڑا پیرو موسیٰ رینہ وزیر اعظم تھا شمس الدین عراقی نے کشمیر پہنچتے ہی یہ دعویٰ کر دیا کہ وہ سید محمد نوربخش کا نائب ہے حالانکہ وہ تو اس کے بیٹے شاہ قاسم کا فقط مرید تھا (۱) پھر جلد ہی وہ موسیٰ رینہ کا منظور نظر بن گیا اور ہندوؤں کے خلاف ایک مہم شروع کر دی۔ ایک ہی حملہ میں چوبیس ہزار ہندو خاندان مسلمان بنا لئے گئے (۲) ہم عصر مورخ شک رقم طراز ہے میر اشمس (میر شمس الدین عراقی) موسی چندر (رینہ) کا مذہبی ہدایات دیئے بغیر ہی گرویدہ بن گیا۔ اس کے کہنے پر موسی حیندر نے مندروں کے سادھوؤں کو گرفتار کر ایا اور برہمنوں کی زمینیں ضبط کر لیں (۳)

---

(۱) تاریخ رشیدی ص ۴۳۵ (۲) بہارستان ۷۸ الف، تاریخ حیدر ملک ص ۳۹

(۳) شک ص ۳۳۹

اس موقعہ پر چار مخالف رہنماؤں ابراہیم ماگری، جہانگیر پدرو، عثمان ڈار اور کاجی چک نے جو موسیٰ رینہ کو وزارت سے اتارنے کے لیے موقعہ کی تاک میں تھے اس کی ہندو دشمن پالیسی سے فائدہ اٹھایا انہوں نے اسے بدنام کیا عوام کو باور کروایا کہ وہ امن کا سب سے بڑا دشمن ہے چنانچہ انہوں نے ۱۵۱۳ء میں ذلدر گمر کے مقام پر اس کے ساتھ جنگ لڑی۔ اسے شکست ہوئی اور وہ جان بچانے کے لیے بھاگتے ہوئے گھوڑے سے گر کر جاں بحق ہو گیا۔ لیکن فاتح مفتوح سے بھی بدتر نکلے دراصل وہ ریاکار و دغا باز تھے وہ دو سال سے اقتدار کے لئے لڑ رہے تھے۔ کاجی چک کا کردار جیسا کہ ہم بعد میں دیکھیں گے اور بھی بدتر نکلا۔

جس زمانے میں مسلم رہنما آپس میں لڑ رہے تھے پنڈت کنٹھ بھٹ جو بڑا مخلص و دلیر لیکن بے وقوف ہندو رہنما تھا سلطان زین العابدین کے مشہور وزیر شریا بھٹ کے خاندان کے فرد کی حیثیت سے منظر عام پر آ گیا اس دو سال کے عرصہ میں جب مسلم رہنما اپنے مسائل میں الجھے ہوئے تھے اس نے شمس الدین عراقی کی کامیابی کو روکے رکھا۔ اس نے اکثر ہندوؤں کو جنہیں شمس الدین عراقی کے زیر اثر گذشتہ آٹھ سال (۱۵۰۶ - ۱۴ء) کے دوران مجبوراً مسلمان بنا لیا گیا تھا دوبارہ ہندو بنایا لیکن عصری رجحان کے پیش نظر اس کا اندازہ غلط ثابت ہوا اسلام کی موجودہ حیثیت کو سامنے رکھا جائے تو کنٹھ بھٹ کی تحریک شریر بچوں کی اس خوش طبعی کا ہم پایہ ٹھہرے گی جو خنجر کا کھلونا ہاتھی پر پھینک کر بہت خوشی محسوس کرتے ہوں لہذا اس کی یہ نامعقول مہم تمام ہندو قوم کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

محمد شاہ بار سوم (۱۵۱۶ - ۲۸ء)

اسی اثناء میں تارک وطن سلطان محمد شاہ دہلی کے سلطان سکندر لودھی (۱۵۱۷ - ۱۴۸۸ء) کی مدد حاصل کرنے اور تخت نشین ہونے میں کامیاب ہو گیا کاجی چک نے بھی جس کی اپنے ہمکاروں سے ان بن ہو گئی تھی اس کا حوصلہ بڑھایا۔ محمد شاہ نے بھاری لشکر لے کر کشمیر پر

حملہ کیا اور سلطان فتح شاہ کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا اس نے ۱۵۱۶ء میں تیسری بار سلطان کشمیر ہونے کا اعلان کر دیا اور کاچی چک کو وزیر اعظم مقرر کیا جونہی کاچی چک نے زمام حکومت سنبھالی شمس الدین عراقی جو اس پر اثر ڈال چکا تھا ایک دفعہ پھر منظر عام پر آگیا نو مسلموں کو دوبارہ ہندو بنانے کی تحریک چلائی اس نے کاچی چک کو مشورہ دیا کہ وہ ہندو مت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے مٹا دے چنانچہ ۱۵۱۸ء میں کوئی آٹھ سو ہندو رہنماؤں کا ہولناک طریقے سے قتل عام کیا گیا موت کے خوف سے ان کے پیرو مجبور ہو گئے کہ وہ مسلمان جماعت میں داخل ہو جائیں بہارستان شاہی کے مؤلف نے اس طرح کی کاروائیوں کا مفصل ریکارڈ بہم پہنچایا ہے وہ امور کے بیان میں مبالغہ سے کام نہیں لیتا بلکہ واقعات کو ایک مسلمان کے نقطہ نظر سے بیان کرتا ہے وہ لکھتا ہے سب سے بڑا کارنامہ جو کاچی چک نے میر شمس الدین عراقی کے کہنے پر انجام دیا وہ بت پرستوں کا قتل عام تھا واقعہ یہ ہوا کہ اپنی حکومت کے دوران موسی رینہ نے اکثر ہندوؤں کو مسلمان بنا لیا بعد ازاں کئی ایک نے اپنے رہنماؤں کے کہنے سننے پر توبہ کر لی اور ایک بار پھر ہندوؤں نے مورتیوں کی پوجا شروع کر دی کچھ نے ان مورتیوں کو قرآن مجید کے پیچھے چھپا لیا تھا یہ بات دیکھ کر شمس الدین عراقی نے کاچی چک کو بلا بھیجا اور اسے سمجھایا کہ جن لوگوں نے ایک بار اسلام قبول کر لیا ہے وہ اس کے بعد ہندؤں کے رسم و رواج کو جاری نہیں رکھ سکتے اور اگر ان کو سچے مسلمانوں کے سے عمل کرنے پر مجبور نہ کیا گیا تو وہ خود کشمیر چھوڑ کر چلا جائیگا چنانچہ کاچی چک نے ۱۵۱۸ء میں اسوج کے مہینے میں کوئی آٹھ سو ہندو رہنماؤں کا قتل عام کروا دیا یہ کشمیری تقویم کا ۹۴ واں سال تھا اور اس طرح کشمیری ہندو بزور شمشیر مسلمان بنا لیئے گئے (۱) مذکورہ بالا واقعات ثابت کرتے ہیں کہ شمس الدین عراقی یا اس کے مقتدر کشمیری پیروؤں نے اپنے اعمال و معاشرت سے کوئی قابل قدر و پائیدار کارنامہ انجام نہیں دیا

---

(۱) بہارستان ۸۹ ب ۸۸ الف

عراقی مجرم ٹھہرتا ہے کہ اس نے ایک امن پسند ملت اور رواداری قوم کو پر جوش اور جنگ جو سوسائٹی میں تبدیل کر دیا۔ مرزا حیدر کی طرح بعد میں اس نے بھی جو طریقے اپنائے وہ اتنے وحشت ناک تھے کہ ان سے تعمیر ملت یا معاشرتی وحدت کا کام نہیں لیا جا سکتا تھا حقیقت یہ ہے کہ کشمیر اس وقت سارے شمالی ہند میں پھیلنے والے معاشرتی اور فرقہ وارانہ کینہ و عناد سے بچ نہ سکتا تھا۔

شمس الدین عراقی (ایک جائزہ)

شمس الدین عراقی سرینگر میں ۱۵۲۶ء میں فوت ہوا اسے زڈی بل میں سپرد خاک کیا گیا (۱) شیعان کشمیر اس مزار کی بڑی تعظیم کرتے ہیں قاضی نور اللہ شوشتری کا خیال یہ ہے کہ شیعہ عقیدہ شمس الدین عراقی کے مبلغانہ جوش کے باعث بڑی تیزی سے پھیلا۔

درحقیقت شمس الدین عراقی نے پہلی مرتبہ کشمیر کو نور بخشیہ عقائد سے روشناس کرایا اور ساتھ ہی ساتھ شیعہ عقیدہ کو بھی پھیلایا۔ نور بخشیہ جہانگیر کے عہد میں بھی یہاں پائے جاتے تھے (۲) لیکن اس عقیدہ نے وادی میں کوئی قابل ذکر اہمیت یا مقبولیت حاصل نہ کی البتہ اسے بلتستان میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی بلتستان میں بھی شمس الدین عراقی ہی نے تبلیغ کی تھی اور اس کے بعد اس کے دو بیٹوں میر مختار اور میر یحییٰ نے اسے مقبول بنایا اس خیال میں اختلافات پایا جاتا ہے کہ شمس الدین عراقی نے ملک میں نور بخشیہ کی اشاعت کی یا شیعہ عقائد کی مرزا حیدر کے بقول شمس الدین عراقی نے نور بخشیہ سلسلے کی تبلیغ کی تھی (۳)

ابوالفضل کی رائے بھی یہی ہے۔ محمد اعظم کے مطابق شمس الدین عراقی نے بابا علی نجار

---

(۱) مجالس المومنین (۲) توزک ج ۲ ص ۱۴۹

(۳) تاریخ رشیدی ص ۴۳۰

کے تعاون سے شیعہ عقیدہ کو پھیلایا اور زڈی بل میں اپنی خانقاہ بھی تعمیر کروائی (۱)

لارنس رقمطراز ہے شیعہ عموماً سرینگر کے زڈی بل محلہ میں اور ضلع کامراز میں رہتے ہیں ویسے وہ وادی کے دیگر مقامات میں بھی پائے جاتے ہیں یہاں ان کی قبروں سے ان کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے ان کی قبریں زمین کے ساتھ ہموار ہوتی ہیں جبکہ سنیوں کی قبریں مٹی کے ڈھیر سے ابھری ہوتی ہیں شیعہ سلسلہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ۱۵۰۴ء میں شمس الدین عراقی کے ذریعے پھیلا لیکن چکوں کے مختصر دور کو چھوڑ کر وادی میں کبھی پورا پورا تسلط حاصل نہ ہوا شروع سے ہی شمس الدین عراقی کو مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اسے زڈی بل میں دفنایا گیا اس کی قبر کی جس کو کئی بار سنیوں نے مٹا دیا تھا شیعان کشمیر بے حد تعظیم کرتے ہیں (۲)

اس بات سے کہ بعض شیعہ سنی مناقشات ہیں شمس الدین عراقی کی قبر کو سنیوں نے خراب کیا تھا یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ اس نے واقعی اس ملک میں شیعت کی تبلیغ نہ بھی کی ہو جب بھی اس نے جیسا کہ قاضی نور اللہ شوشتری نے لکھا ہے نئے شیعہ فراہم کر کے اسے ترقی ضرور دی تھی۔ ایک پرجوش مبلغ کی حیثیت سے اس کے کام کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو کشمیر میں اسلام کی نشر و اشاعت کی تاریخ میں اس کا وہی مقام متعین ہوگا جو سید محمد ہمدانی اور دیگر مبلغین کو حاصل تھا جنہوں نے ہندوؤں کو مسلمان بنانے کے لئے کام کیا ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ روح جو اسے پرجوش بنائے ہوئے تھی۔ وہ اس عہد کی روح تھی جب قومی وحدت اور ملی خوشحالی واستحکام کا شعور عوام میں نہیں پایا جاتا تھا۔

باطل دعویٰ داروں کی خلل اندازی

شہزادہ سکندر خاں

سلطان فتح شاہ ۱۵۱۹ء میں نوشہرہ میں فوت ہوا اس کا بیٹا سکندر خان اور اس

(۱) تاریخ اعظمی ص ۶۵ (۲) لارنس ص ۲۸۴

کے نامور مربی و والی عبدل ماگرے، لوہر ماگرے، عیدی، بینہ اور جہانگیر پدرو اس کی لاش کو سرینگر لائے اور اسے اس کے باپ آدم خان کے پہلو میں دفن کر دیا۔ حالات نے ان کو شہ دی کہ وہ ناگام کے قلعہ پر قابض ہو جائیں اور ۱۵۲۱ء میں سکندر خاں کے سلطان ہونے کا اعلان کر دیں (۱) کاجی چک کے لئے یہ ایک چیلنج تھا مگر وہ اس کے لئے تیار تھا اس کی بہادر چک فوجوں نے حریف کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا اس کے حلد بعد شادی پور میں جمع ہوئے (۲) لیکن کاجی چک کے لشکر نے ان کا محاصرہ کر لیا اور وہ بڑی طرح شکست کھا گئے سکندر خان کو کشمیر چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔ ادھر خلل انداز عبدل ماگرے ناکام ہو کر رہ گیا۔

کاجی چک کو فتح تو حاصل ہو گئی لیکن اس نے فوراً احساس کر لیا کہ جب تک ماگرے خاندان کے نامور لیڈر جو اس کے سیاسی حریف ہیں آزاد رہیں گے وہ اندرونی خلفشار اور بیرونی خطرہ کا مسلسل سبب بنے رہیں گے اس خطرہ سے بچنے کے لئے اس نے ہم آہنگی و اتحاد کی پالیسی اپنائی شروع میں اس نے ماگریوں کو اپنے خاندان کے ساتھ ازدواجی رشتوں میں باندھا پھر ان کو جاگیریں دیکر اور ذمہ دار عہدوں پر فائز کر کے عوام کی نظر میں صاحب عزت بنا دیا۔۔۔ اس کے باوجود پائدار امن کشمیر کی قسمت میں نہ تھا جلد ہی چک اور ماگرے باہم دست و گریبان ہو گئے۔ اب کی بار سلطان محمد شاہ نے ناشکری کا مظاہرہ کیا تھا اس نے دونوں قبیلوں کے اختلافات کو اور ہوا دی۔ گریوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر وہ بیش از بیش ان کی طرف مائل ہو گیا اس نے کاجی چک کے لئے معاملات کو اسقدر مشکل بنا دیا کہ اسے اپنے بڑے بڑے حامیوں کے ساتھ وطن کو خیر باد کہنا پڑا اگر وہ جلاوطنی میں بھی سلطان محمد شاہ کو جو اس کا داماد بھی تھا فراموش نہ کر سکا اس نے اس کے ساتھ غیر متزلزل وفاداری کا ثبوت اسس وقت دیا جب اس نے اور اس کے حامیوں نے لوہر کوٹ میں ۱۵۲۵ء میں ایک مغل امدادی

---

(۱) شک ص ۳۵۵ (۲) شک ص ۳۵۶

فوج کی مخالفت کی جب یہ شہزادہ سکندر خاں کی دوبارہ جانشینی کے لئے ---- کشمیر پر چڑھ آئی تھی (۱) دلیر چک لیڈروں کاچی چک، تازی چک اور غازی چک نے بڑی جنگی مہارت دکھائی اور انہوں نے مغل حملہ آوروں کو شکست دے دی تب انہوں نے شہزادہ سکندر خان کو گرفتار کر لیا اور سرکاری قیدی بنا لیا (۲) سکندر کو اسیر بنانے کے بعد کاچی چک سلطان محمد شاہ کے لئے خطرہ بن گیا تھا مگر سلطان نے ۱۵۲۸ میں کاچی چک کو بلایا اور اس کی شاندار خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اسے وزیر اعظم مقرر کر کے اپنی پریشانیوں پر قابو پا لیا اس سیاست کی وجہ سے محمد شاہ نے اپنے خطرناک حریف شہزادہ سکندر پر قابو پا لیا اس نے آنکھیں نکال کر شہزادے کو سیاسی دشمن و حریف کی حیثیت سے مستقل طور پر بے کار بنا دیا (۳) عبدل ماگری کو صرف یہ اختیار دیا گیا کہ وہ جان بچانے کے لئے کشمیر سے نکل جائے۔

شہزادہ نازک خان

کاچی چک نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ اس نے مکار اور ناشکر گزار محمد شاہ کے لئے اپنی آزادی کو قربان کر کے غلطی کی ہے سکندر خان کو اپنے رحم و کرم پر چھوڑ کر اس نے محسوس کیا کہ وہ خود بھی اس کے اشاروں پر ناچتا رہا ہے اس نے محمد شاہ کو تقریباً بارہ سال کے اقتدار کے بعد تخت سے اتار دیا اور اسے لوہر کوٹ میں قید کر دیا پھر اس نے اپنے بیٹے ابراہیم شاہ کو ۱۵۲۸ء میں تخت پر بٹھایا اور اسے ابراہیم شاہ اوّل کا لقب دیا۔ یہ ۱۵۲۶ء میں ابراہیم لودھی کے قبضے سے بھاگ آیا تھا جہاں اسے اس کے والد نے ۱۵۱۶ء میں سلطان سکندر خان لودھی کے پاس ضمانت کے طور پر چھوڑ دیا تھا کیونکہ سکندر خان نے حکومت کشمیر کے حصول

---

(۱) طبقات ص ۴۱۲ (۲) شک ۳۶۱ (۲) ایضاً ۳۶۲

میں اس کی مدد کی تھی۔

اسی اثناء میں مفرور ابدال ماگری بابر سے مدد حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا (۱) ایک ہزار چنے ہوئے مغلوں کی امدادی فوج مغل کمانڈروں شیخ علی بیگ، محمود خاں اور محمد خاں کی کمان میں اس کے حوالے کر دی۔ جس کے ذریعے ابدال ماگری نے کشمیر کے خلاف مہم شروع کر دی وہ نوجوان جھوٹے مدعی نازک خان کو اپنے ساتھ لایا تاکہ کشمیریوں کو یقین دلا سکے کہ وہ ایک ملی کاز کے لئے لڑ رہا ہے حملہ آوروں نے پہلا پڑاؤ وادی تاپر میں ڈالا۔ اور فوراً کاجی چک کے خلاف اعلان جنگ کر دیا چنانچہ اسے شکست دی اور کشمیر سے نکل جانے پر مجبور کر دیا پھر نازک خان کی بادشاہت کا نازک شاہ کے لقب سے ۱۵۲۹ء میں اعلان کرایا گیا (۲)

اپنے نائبین کے درمیان صلح صفائی برقرار رکھنے کے لئے ابدال ماگری نے وادی کو چار حصوں میں بانٹ دیا تین حصوں کا انتظام علی میر، لوہر چک اور ریگی چک کے سپرد کیا۔ اور چوتھا حصہ اپنے کنٹرول میں رکھا تاہم اسے جلد ہی معلوم ہوگیا کہ بادشاہ اور نہ ہی ملک کی تقسیم مستحکم حکومت کی ضمانت دے سکتی ہے لہذا اس نے کم از کم مزاحمت کا راستہ اختیار کر لیا چنانچہ محمد شاہ کو زندان خانے سے رہائی دلا کر ۱۵۳۰ء میں چوتھی مرتبہ تخت پر بٹھا دیا اور ولائت عہد کا مرتبہ نازک شاہ کو منتقل کر دیا (۳)

---

(۱) شک ۳۶۴ (۲) شک ص ۳۶۷ (۳) طبقات ص ۶۱۳

باب ہشتم

مرزا حیدر دغلت کا عہد

محمد شاہ چوتھی بار (۳۷ ـــــ ۱۵۳۰ء)

محمد شاہ نے چوتھی بار کوئی ڈیڑھ سال ہی حکومت کی تھی کہ ملک پنجاب کے گورنر مرزا کامران کی فوجوں نے حملہ کر دیا۔ ۱۵۳۰ء میں ہمایوں نے کامران کو پنجاب اور حدود سندھ کا علاقہ دے دیا تھا۔ کابل اور قندھار ایسے علاقے تھے جن پر اس کا پہلے ہی قبضہ ہو چکا تھا۔ اب اس کی حریصانہ نظریں کشمیر پر بھی تھیں۔ جب مغل سرداران شیخ علی بیگ، محمود خان اور محمد خان فتح کا مشن لے کر کامران کے پاس پہنچے تو اس نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا، جیسا کہ پہلے کہا گیا ان مغل سرداروں کو ۱۵۲۹ء میں بابر نے ابدال ماگری کی مدد کے لیے کشمیر پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا اس مشن میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد انہوں نے کشمیر کو بادل ناخواستہ چھوڑ دیا ۔۔۔ انہوں نے کامران کو ترغیب دی کہ وہ کشمیر پر حملہ کرے اور یقین دلایا کہ وہ اس مہم میں آسانی سے کامیاب ہو جائے گا (۱)

ان کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے کامران نے گھوڑ سواروں کی ایک بٹالین محرم بیگ کوکہ کی سرکردگی میں روانہ کی۔ شیخ علی بیگ اور اس کے رفقاء اس دستہ کی رہنمائی کر رہے تھے۔ انہوں نے اکتوبر اور نومبر ۱۵۳۱ء میں بغیر کسی مزاحمت کے کشمیر پر قبضہ کر لیا لیکن اس کے باوجود بھی انہوں نے

لہ : آئین (جیرٹ) ج ۲، ۳۸۹۔

قتل وغارت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ٗشک لکھتا ہے۔ ملیچھ (مغل) بھاری رسالہ فوج کے ہمراہ شہر میں داخل ہوئے اور کشمیریوں نے اپنے سپاہی قلعہ بند کر دیئے۔ شہری خوف کے مارے مختلف راستوں سے بھاگ کر پہاڑوں کے غاروں میں جا چھپے اور چونکہ مغل فوج تعداد میں کشمیری سپاہیوں سے کہیں زیادہ تھی اس لیے موخرالذکر بالکل تباہ کر دیئے گئے۔ مغل فوج نے قطب الدین پور کو لوٹ لینے کے بعد جب خوبصورت دارالحکومت کو خالی دیکھا تو غصے میں آکر مکانوں اور محلات کو آگ لگا دی پھر انہوں نے دیہات اور شہر میں ہزاروں بے گناہوں کو تہہ تیغ کر دیا۔(۱)

کہاوت ہے کہ مصیبت اجنبیوں کو بھی دوست بنا دیتی ہے۔ مشترک قومی مصیبت کو دیکھتے ہوئے ملک کاجی چک اور ابدال ماگری اپنی دشمنی و رقابت بھول گئے اور وہ اپنی فوجیں یکجا کر کے مغل لشکروں سے خوب لڑے۔ اگرچہ دونوں طرف سے بڑا جانی نقصان ہوا لیکن کشمیری اتھواجن (۲) کے مقام پر مغلوں کو غیر معمولی شکست دینے اور ان کو ملک سے نکال باہر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مغلوں کے نکل جانے کے بعد کشمیر کے بڑے سرداروں کاجی چک، ابدال ماگری، ریگی چک اور علی میر نے مخلوط حکومت بنائی۔۔۔۔ ۔اور محمد شاہ کو سلطان اور ابدال ماگری کو وزیر اعظم بنا لیا۔(۳)

کاشغریوں کا حملہ

ملک میں بمشکل دو سال سکون رہا ہوگا جب ایک نئے خطرے نے اسے آلیا۔ اب کے کشمیر پر کاشغر کے سلطان سعید خان کی فوجوں نے حملہ کر دیا تھا یہ حملہ کامران کی فوجوں کے حملے سے بدتر ثابت ہوا۔ ۱۵۳۲ء میں لداخ اور بلتستان کی مکمل تسخیر کے بعد، اپنے لشکروں کو موسم سرما میں مصروف رکھنے کی غرض سے سلطان سعید خان نے مرزا حیدر دوغلت اور شہزادہ سکندر خان کو چار ہزار (۴) گھوڑ سوار

۱۔ ٗشک ص ۷۰-۳۶۹ و آئین (جیریٹ، ج ۲، ص ۳۹۰۔
۲۔ تختِ سلیمان کے جنوب میں ایک مقام۔
۳۔ بہارستان شاہی ۹۷ ب ۴۔ تاریخ رشیدی ص ۱۰۶۔

فوج کا سردار بنا کر کشمیر کی فتح کے لیے روانہ کیا، ان کی مدد اس امدادی فوج کے ذریعے کی گئی جو لداخ اور بلتستان کے شکست خوردہ سرداروں نے مہیا کی تھی اس مددگار فوج سے راہنما اور قُلی کا کام بھی لیا گیا جس کے لیے وہ لداخ سے کشمیر تک لمبے سفر کے دوران موزوں تھی۔ کاشغری فوج مشہور شاہراہ لداخ۔ کشمیر طے کرنے اور زوجیلا پاس عبور کرنے کے بعد جنوری ۱۵۳۳ء (۱) میں سونامرگ میں داخل ہوئی۔ کشمیری فوجوں نے جو ہنگ ستیو (۲) کے تنگ اور خطرناک درّہ میں تعینات تھیں، دشمن کی معمولی سی مزاحمت کی۔

یہ درہ پوری وادی کے لیے زبردست دفاعی اہمیت رکھتا تھا لیکن کشمیر حکومت نے اسکی حفاظت کا بہت ہی ناقص انتظام کر رکھا تھا۔ حالانکہ یہ اطلاع مل چکی تھی کہ کاشغری حملہ آور پہنچ رہے ہیں۔ کشمیری افواج بری طرح گھبرا گئیں اور گرتے پڑتے بھاگ نکلیں جبکہ صرف چار سو کاشغریوں نے پیش قدمی کر کے ہنگ ستیو میں ان کا صفایا کر دیا۔ کاشغریوں کو ایسی مشکل جگہ میں آسانی سے فتح حاصل ہو گئی۔ تاریخ بزدلی اور غفلت کے لیے کشمیری فوجوں کی ہمیشہ مذمت کرتی رہے گی۔ اگر وہ ثابت قدمی دکھاتے اور ہنگ ستیو کے مقام پر سپارٹا کے تین سو بہادروں کی طرح جنہوں نے تھرموپلائی کے درّہ کی حفاظت کی تھی، حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے تو یہ کاشغریوں کو شکست دے دیتے اور وہ مایوس اور رسوا ہو کر بھاگ کھڑے ہوتے۔ ہنگ ستیو میں باآسانی حاصل کی گئی فتح سے مغرور ہو کر کاشغری کامیابی سے بڑھتے ہی چلے گئے یہاں تک کہ وہ نوشہر (۳) پہنچ گئے۔ جو وادی کا پہلا اہم قصبہ ہے۔ یہاں وہ چوبیس دن تک ٹھہرے رہے۔

۱۔ جمادی الثانی ۹۳۹ھ

۲۔ سونامرگ وادی سے دو میل کے فاصلے پر دو چٹانوں کے درمیان ایک تنگ راستہ تھا جہاں سے گھوڑے پر سوار ہو کر بمشکل گزرا جاتا تھا۔ (جغرافیۂ قدیم۔ فقرہ۔ ۱۳۱)

۳۔ پرانا نام راجدہانی ہے۔

اور ان کی فوجوں اور گھوڑوں نے آرام کیا۔ پھر وہ سب لوگوں کو ہانکتے ہوئے جنوب کی طرف روانہ ہوئے۔ اور ان کے ساتھ نہایت بے رحمی کا سلوک کیا گیا۔ انہوں نے لوگوں کو لوٹا ان کے گھروں کو جلا دیا اور عورتوں (۱) اور بچوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔

خوف کے مارے کشمیری اپنے شہروں اور گھروں کو خیر باد کہہ کر اور مال و متاع چھوڑ کر پہاڑوں اور دروں کی طرف بھاگ گئے، جونہی برف پگھلنا شروع ہوئی کشمیری راہنماؤں، کاچی چک، ابدال ماگری، ریگی چک، لوہر ماگری، اور علی میر نے جو مشرقی سلسلہ کوہ سے کاشغریوں کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے اپنی فوجوں کو پھر سے جمع کیا اور ۲۸ فروری ۱۵۳۳ء کو اننت ناگ کے مقام بھون میں ایک زبردست لڑائی میں ان کا مقابلہ کیا، لیکن ان کو شکست ہوئی اور بہت سارے قتل ہوئے جن میں ان کے فوجی سردار بھی شامل تھے۔

علی میر جیسا بہادر سردار بھی اس معرکے میں کام آیا اس کے باوجود وہ قابل تحسین جرأت و دلیری کے ساتھ ڈٹے رہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو پڑوس کے پہاڑی علاقے میں محصور کر لیا اور ہار نہ مانی۔ کاشغری سواروں کے لیے ان کا پیچھا کرنا خطرناک تھا، کیونکہ اس کا نتیجہ شکست اور موت کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس پر کاشغری سرداروں نے جنگی کونسل منعقد کی۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ سری نگر پر دھاوا بول دیا جائے تاکہ اسے بچانے کے لیے کشمیری راہنما پہاڑوں سے نیچے آنے پر مجبور ہو جائیں۔

اندریں حالات کاشغریوں نے دوسری صبح سویرے بھون سے محاصرہ اٹھا لیا۔ کشمیری فوج عقب سے ان کا پیچھا کر رہی تھی، چنانچہ دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ یکم مارچ ۱۵۳۳ء کو ناگام میں ہوئی جو جنوب میں سرینگر سے گیارہ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے۔ کاشغری سوار تعداد میں زیادہ تھے لہذا کشمیریوں کی پیادہ فوج کو یہاں بھی شکست ہو گئی۔ تاہم وہ اپنی بہادری، ثابت قدمی اور اتحاد کے سبب کاشغریوں

۱۔ بہارستان شاہی ۹۸ الف، وُشک ص ۳۷۱ و فرشتہ ج ۲، ص ۳۵۳۔

کو آخری بار شکست دینے میں کامیاب ہو گئے۔

مرزا حیدر دوغلت کشمیر میں قیام کرنا چاہتا تھا تاکہ اس ملک کو پورے طور سے مطیع بنالے لیکن اس کے فوجی جتھے ایسا نہ کر سکتے تھے وہ گزشتہ دس سال سے اس کی زیر کمان لڑ رہے تھے اور اب وہ اپنے گھروں کو لوٹنا چاہتے تھے۔ کشمیریوں کے ساتھ ڈھائی مہینے میل جول سے ان کے احساسات میں تناؤ پیدا ہو گیا تھا وہ کشمیریوں کو "بے دینوں کا بے ہوش" گروہ سمجھتے تھے اور میل جول کے لیے ایک ناپسندیدہ قوم...... مرزا حیدر کے لیے صورت حال اس وقت اور بھی خراب ہو گئی جب اس کے کچھ سپہ سالار جو میر علی تغائی کی کمان میں تھے اس کے خلاف ہو گئے۔ وہ اس کی فتوحات پر عمل رہے تھے۔ انہوں نے اس کے خلاف بے اطمینانی اور نریب کاری کا پروپیگنڈہ کر کے فوجی دستوں کے دل جیت لیے تھے۔ اور ایک بار جب یہ فوجی دستے مندرجہ ذیل خیالات لے کر مرزا حیدر کے سامنے پیش ہوئے تو اس کے لیے کشمیر چھوڑ دینے کے سوا کوئی چارہ ہی نہ رہا۔

" ہم مغل ہیں اور ہم ہمیشہ مغولستان کے امور میں مشغول رہے ہیں۔ مغلوں کے اوس کا قدرتی سکون اور مسرت صحرا ہے، جس میں کسی قسم کی کھیتی باڑی نہ کی جاتی ہو، ویرانے میں اُلو کی آواز، باغ میں صدائے بلبل کی نسبت ہمیں زیادہ بھلی لگتی ہے ہم نے کسی زرخیز خطہ کو کبھی اپنا وطن نہیں بنایا۔ ہمارے ساتھی پہاڑوں کے جانور رہے ہیں اور ہمارے رفیق دشت کے درندے، جنگل ہماری سیرگاہیں اور ہمارے پسندیدہ گھر، پہاڑوں کی چوٹیوں کی گپھائیں رہی ہیں۔ ہمارا لباس کتوں اور جنگلی جانوروں کی کھالیں، ہماری خوراک پرندوں اور وحشی جانوروں کا گوشت رہی ہے پس ہماری نسل کے لوگ کشمیر کے "بے ہوش و بے دینوں" کے ساتھ کیونکر میل جول رکھ سکتے ہیں۔

کشمیر سے کاشغر تک ایک طویل راستہ ہے۔ فاصلہ ہی زیادہ نہیں بلکہ راستے کی مشکلات ایسی ہیں جن پر قابو نہیں پایا جا سکتا، ہمارے بیوی بچے، مال و متاع اور ریوڑ وہاں ہیں اور ہم یہاں ریوڑوں کے بغیر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ہم افواج کشمیر کو تباہ کرنے کی بجائے خان اعظم کے پاس لوٹ جائیں۔ اگر خان نے ہمیں مروا دیا تو ہماری

لاشوں کو رشتہ دار دفنا دیں گے۔ اور اگر اس نے ہم کو زندہ رہنے دیا تو ہم یقیناً مغولستان کے سوا کسی دوسرے علاقہ کی طرف رخ نہیں کریں گے (۱)

ان حالات میں کشمیر کو کامل طور پر تسخیر کرنے کا مرزا حیدر کا منصوبہ ناکام ہو گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ اب اس ملک میں محفوظ نہیں رہ سکے گا لہٰذا اس نے یہاں سے نکل جانے کا فیصلہ کر لیا اور رہنمایانِ کشمیر کے ساتھ مندرجہ ذیل شرائط پر سمجھوتہ ہوا۔

۱۔ کاشغر کے سلطان سعید خان کے نام کا سکہ جاری ہو اور اس کا خطبہ پڑھا جائے۔

۲۔ کاشغریوں کو ٹیکس کے بقایاجات ادا کیے جائیں۔

۳۔ سلطان سعید خان کے بیٹے شاہزادہ سکندر خان سے کشمیر کے سلطان محمد شاہ کی بیٹی کی شادی کروائی جائے۔

۴۔ جنگی قیدی خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں رہا کر دیئے جائیں (۲)

مندرجہ بالا معاہدہ کی توثیق کے بعد کاشغری ۱۵ رمئی ۱۵۳۳ کو زوجیلا، لداخ کے راستے لوٹ گئے (۳) اس طرح ایک بار پھر کشمیر نے استقلال حاصل کر لیا۔

۱۵۳۴ء کا قحط عظیم

کاشغریوں کی واپسی کے بعد یہاں ایک خطرناک اقتصادی بحران کا آغاز ہو گیا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے انسانوں اور ذرائع پیداوار کو بے رحمی سے تباہ کر دیا تھا۔ اگرچہ کسانوں نے غلہ پیدا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی چونکہ بوائی کا موسم گزر چکا تھا، اس لیے فصل خریف کامیاب نہ ہوئی۔

۱۔ تاریخ رشیدی ص ۴۴۰-۴۳۹

۲۔ طبقات ص ۶۱۴

۳۔ شوال کا آخری دن ۹۳۹ھ (تاریخ رشیدی ۱۴۴)

نتیجہ ۱۵۳۴ء کے خوف ناک قحط کی صورت میں نکلا (۱) غلہ اس قدر مہنگا ہوگیا کہ ایک خروار شالی دس ہزار دینار میں بھی حاصل نہ ہو سکتی تھی (۲) یہ قحط ایک طرف وسیع پیمانے پر جانی منیاع کا اور دوسری طرف وادی سے لوگوں کی نقل مکانی کا سبب بنا۔ تقریباً دس ماہ تک یہی حالت رہی۔

محمد شاہ کی موت

بعد کے تین سال نسبتاً امن و آرام سے گزرے لوگوں نے ایک بار پھر آزادی کی سانس لی اور وہ اپنی دوبارہ بحالی میں مصروف ہوگئے۔

یہ خوشی کی بات ہے کہ ان کے چوٹی کے رہنما مثلاً کاجی چک اور ابدال ماگری جو ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے ملی تعمیر نو میں پورا پورا اتفاق کرنے لگے۔ سلطان محمد ۱۵۳۷ء میں ساٹھ سال کی عمر میں فوت ہوگیا۔ وہ زندگی میں چار مرتبہ تخت کھو کر اسے دوبارہ حاصل کر چکا تھا۔ اسے مزار سلاطین میں پیوند خاک کیا گیا۔

محمد شاہ کے جانشین (۱۵۳۷-۴۰ء)

محمد شاہ کی موت نے ایک بار پھر ریاست کے امن و سکون کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ سازشی اور طالع آزما سردار ایک بار پھر بدنظمی پھیلانے والے عناصر کو میدان میں لے آئے تاکہ وہ اپنے حریفوں کو راستے سے ہٹا سکیں۔

جس تیزی سے تین سال کی مدت میں چار بادشاہتیں ادلیں بدلیں، اس کی وجہ سے ملک زبردست

۱۔ شُنک ص ۴۷-۳۷۳۔

۲ دس ہزار دینار، ڈھائی روپے کے برابر تھے (مصنف)

افراتفری کا شکار ہو گیا تھا۔ پہلی دفعہ چک کامیاب نکلے۔ انہوں نے ۱۵۳۷ء میں محمد شاہ کے بیٹے شمس الدین دوم کو تخت پر بٹھا دیا لیکن یہ برائے نام بادشاہ تھا جبکہ اصلی حکمران اس کا آزمودہ کار اور چالاک نانا ملک کاچی چک تھا۔ اس نے سوپور کے مقام پر ماگری سرداروں کو شکست دینے کے بعد ان کو ملک سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔ شمس الدین دوم ایک سال حکومت کرنے کے بعد فوت ہو گیا۔ اور اس کا بھائی اسمٰعیل شاہ اوّل ۱۵۳۸ء میں اس کا جانشین بنا۔ ڈیڑھ سال کے مختصر عہد حکومت میں کاچی چک ہی اسمٰعیل کا حقیقی مشیر بنا رہا تاہم کاچی چک شیعہ نوربخشیہ عقیدہ اپنانے پر سُنیوں پر تشدد کرنے کے باعث عوام میں غیر مقبول ہو گیا تھا اور اسی سبب اس کے خلاف کئی بغاوتیں ہوئیں۔

اسمٰعیل شاہ اوّل ۱۵۴۰ء میں مرا تو اس کا بیٹا ابراہیم شاہ دوم تخت و تاج کا مالک بنا، مگر جلد ہی سُنی سرداروں نے کاچی چک کو کشمیر سے نکل جانے پر مجبور کر دیا وہ مدد حاصل کرنے کے لیے دھلی کے افغان حکمران شیر شاہ سوری کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت شیر شاہ ہمایوں کو شکست دے کر اسے دہلی سے نکال چکا تھا مگر کاچی چک کا منصوبہ کامیاب نہ ہوا اس کے برعکس کشمیر پر مرزا حیدر دُغلت نے دوسری مرتبہ ۱۵۴۰ء میں قبضہ کر لیا، وہ نازک شاہ کو تخت پر بیٹھا کر خود اس کے نائب کی حیثیت سے کام کرنے لگا۔ یہاں پر ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ مرزا حیدر دغلت کی گزشتہ زندگی اور اُن حالات کے بارے میں جو دوبارہ تسخیر کشمیر کا باعث بنے تفصیلات دی جائیں۔

مرزا حیدر دُغلت

پورا نام مرزا محمد حیدر دغلت گورگان تھا(۱) اور یہ محمد حسین گورگان کا بیٹا تھا وہ ۱۵۰۰ء میں تاشقند میں جہاں اس کا والد گورنر تھا، پیدا ہوا۔ ننھیال کی طرف سے وہ چغتائی خان یونس کا نواسہ اور

۱۔ گورگان وسطی ایشیا کے ایک اہم مغل قبیلے کا نام ہے (مصنف)

بابر کا بھانجا تھا۔ کیونکہ اس کی ماں ہندوستان کے اولین مغل بادشاہ کی چھوٹی ہمشیرہ تھی(۱) اس کی ابتدائی زندگی خطرات و مشکلات اور جد و جہد میں گزری۔ مرزا حیدر کی عمر بمشکل انیس سال ہو گی جب اس کے والد کو جو ایک سازشی اور مکار آدمی تھا شاہی بیگ خان المعروف بہ شیبانی خان کے گماشتوں نے ہرات میں قتل کر دیا تھا(۲) مرزا حیدر کو اس کے والد کے دشمنوں سے بچانے کے لیے مولانا محمد، جو اس کے والد کا پیر تھا اسے ۱۵۰۸ء میں کابل لے آیا یہاں بابر نے نہایت ہی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا اور اُسے بھی افرادِ خاندان میں شامل کر لیا(۳) آنے والے دو برسوں کے دوران بابر بے حد مصروف رہا اس نے ازبکوں کے خلاف دو کامیاب جنگیں لڑیں اور جب شیبانی خان ۱۵۱۰ء میں چل بسا۔ تو اس نے بخارا اور سمرقند پر دوبارہ اپنا قبضہ جما لیا۔ ان مہمات میں مرزا حیدر بھی شریک رہا۔ اگرچہ وہ نو عمری کی وجہ سے خود تو نہ لڑ سکا لیکن اس نے جنگ آزمائی کی عملی تربیت ضرور حاصل کر لی جس نے قدرتی طور پر اسے ایک کامیاب سپاہی بنا دیا۔

جوشِ جوانی میں اس نے ۱۵۱۲ء میں بابر سے ترک تعلق کر لیا اور وہ اپنے چچا سلطان احمد کے پاس چلا گیا جو کاشغر اور مغولستان کا حکمران تھا۔ یہاں اس کی زندگی کا پہلا مرحلہ ختم ہوتا ہے۔ اس کے بعد مرزا حیدر فرغانہ میں مقیم ہو گیا یہاں وہ ۱۵۱۴ء میں سلطان سعید احمد کے بیٹے سعید خان کے ملازمین میں شامل ہو گیا۔ اسی نے حیدر کو گورگان کا لقب دیا اور وہ اسے کاشغر اور یارقند کے سفر میں اپنے ساتھ لے گیا تب سے سلطان سعید خان کی موت کے سال یعنی ۱۵۳۳ء تک مرزا حیدر نے سپاہی کی حیثیت سے خان کی خدمت کی۔ اس عرصے میں اس نے دور دراز کے علاقوں میں بہت ساری مہمات سَر کیں۔ ۱۵۲۷ء میں بلور کا پہاڑی ملک جس میں ہنزہ، گلگت، چترال اور یاغستان شامل تھے لوٹا اور پامال کیا گیا۔ ۳۰-۱۵۲۹ء کے دوران اس نے بدخشان پر چڑھائی کی چند مہمات میں سے جو

۱۔ تاریخ رشیدی ص ۲۰۹

۲۔ ایضاً ص ۲۰۹

۳۔ ایضاً ص ۳۰-۲۲۸۔

اس نے اپنے آقا کے مذہبی جوش کی خاطر انجام دیں یہ ہیں ۱۵۳۱ء میں لداخ کی فتح۔ ۳۳-۱۵۳۲ء میں کشمیر کی فتح ۱۵۳۲ء اور ۱۵۳۸ء میں بالترتیب بلتستان اور تبت کی فتوحات۔

سلطان سعید خان ۱۵۳۳ء میں فوت ہوا اور اس کا بیٹا عبدالرشید خان اس کا جانشین بنا۔ نیا بادشاہ دغلت قبیلہ کے ساتھ دشمنی رکھنے میں مشہور تھا، حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے خون میں ہاتھ رنگ کر تخت و تاج کا مالک بنا تھا۔ حالات نے مرزا حیدر کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ رشید خان کے چنگل سے بھاگ نکلے وہ ۱۵۴۷ء میں تارک الوطن کی حیثیت سے لاہور پہنچا تو یہاں پنجاب کے گورنر مرزا کامران نے اسے سر آنکھوں پر بٹھایا۔

جلد ہی کامران کو قندھار کی مدد کے لیے جانا پڑا۔ جس پر سام مرزا قبضہ کرنے والا تھا۔ اس طرح وہ پنجاب سے تقریباً ایک سال باہر رہا اور مرزا حیدر کو یہاں کی حکومت سونپ دی۔ مرزا حیدر نے ٹیکس وصول کیے بغاوتیں دبائیں۔ سرحدوں کی حفاظت کی اور اسلام کو مستحکم کیا (۱) اس وقت کشمیر کے سردار آپس کے جھگڑوں میں پھنسے ہوئے تھے۔

کاچی چک کا ناقابل برداشت سلوک اور اس کی سنگدلانہ سُنی دشمن پالیسی نے اس کے سیاسی اور مذہبی حریفوں ابدال ماگری اور ریگی چک کو جو سُنی تھے پنجاب میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا وہ ۱۵۳۲ء سے مرزا حیدر کے واقف کار چلے آ رہے تھے۔ جب اس نے پہلے پہل کشمیر کو فتح کیا تھا۔ اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ مرزا کا رجحانِ سُنیوں کی طرف ہے لہٰذا انہوں نے بڑی مایوسی میں تعلقات کی دوبارہ بحالی پر توجہ دی وہ اس کے پاس مدد لینے کی غرض سے پہنچے تاکہ ملک کو دوبارہ فتح کیا جائے اور کاچی چک کے ظالمانہ اقتدار سے نجات حاصل کی جائے۔

ایک طرف ابدال ماگری اور ریگی چک اور دوسری طرف مرزا حیدر کے درمیان مذاکرات خواجہ حاجی کے ذریعے کروائے گئے۔ مرزا حیدر جو ۱۵۳۲ء میں بادل ناخواستہ کشمیر سے نکل گیا تھا۔ اب اس منصوبے

۱۔ تاریخ رشیدی ص ۶۹-۴۶۸

میں سرگرمی سے حصہ لینے لگا تھا اور جونہی کامران ۱۵۳۸ء میں قندھار سے لوٹا مرزا یہ تجویز منوانے میں کامیاب ہو گیا جو پہلے ہی اس کے منصوبۂ فتوحات کا ایک حصہ تھی۔

کامران نے موقعے سے فائدہ اٹھانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اس نے بابا چوچک کو جو اس کے تجربہ کار جرنیلوں میں سے تھا معقول فوج دے کر کشمیر کی فتح اور ابدال ماگری کی حکومت کی بحالی کے لیے روانہ کر دیا۔ اس کے فوراً بعد کامران اور مرزا حیدر کو بیس ہزار سپاہیوں کا لشکر لے کر ہمایوں کی مدد کے لیے آگرہ جانا پڑا، جسے چوسہ کے مقام پر شیر شاہ سوری شکست دینے والا تھا، اگرچہ بعد میں کامران اپنے بھائی کی مدد پہ مائل ہو گیا تاہم مرزا حیدر نے اچھا کردار دکھایا اور وہ اس کے ساتھ شانہ بشانہ لڑتا رہا اس صورت حال کے پیش نظر بابا چوچک نے جو پہلے بھی کچھ زیادہ شائق نہ تھا، کشمیر کی مہم کا ارادہ ترک کر دیا۔ دریں اثنا، ۱۷ مئی ۱۵۴۰ء کو قنوج میں افواج ہمایوں کی عبرت ناک شکست نے اسے اور مرزا حیدر دُغلت کو جان بچانے کے لیے لاہور میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا، کشمیر کے طالع آزما اور ہوشیار سرداروں، ابدال ماگری اور ریگی چک نے جو کشمیر سے باہر زندگی گزار رہے تھے، دوبارہ مرزا حیدر کے ساتھ مذاکرات شروع کر دیئے۔ بعد میں مرزا حیدر مغرور بادشاہ کو حملۂ کشمیر کے فوائد باور کرانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے ہمایوں کو یہ سمجھایا کہ ملک کی جغرافیائی پوزیشن ہاتھوں سے نکلی ہوئی بادشاہت کے دوبارہ حصول کے لیے بیس کیمپ کا کام دے گی۔ ہمایوں نے مرزا کو چار سو سپاہیوں کی امدادی فوج مہیا کر کے مہم پر بھیج دیا[۱] چنانچہ وہ ان مٹھی بھر آدمیوں کے ہمراہ نوشہر پہنچا۔

اب تک لاہور کے حالات بدل چکے تھے۔ ہمایوں کے منصوبوں میں اس کے مکار بھائیوں۔ کامران اور عسکری نے رکاوٹ ڈال دی تھی۔ اس وجہ سے وہ سندھ چلا آیا تھا۔ مرزا حیدر کو یہ اطلاع نوشہر میں پہنچی..... تو اس کے سپہ سالاروں خواجہ کلاں اور سکندر توپچی نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس کے باوجود وہ جرأت سے کشمیر کی طرف بڑھا۔ اس نے پونچھ کا طویل راستہ اختیار کیا کیونکہ اس میں کشمیری فوج کی حفاظتی

۱۔ تاریخ رشیدی۔ ص ۴۷۹۔

چوکیاں کم تھیں۔ اس لئے کاچی چک کو جو کشمیر کا نائب حکمران تھا جھانسہ دیا اور پھر وہ اچانک ۲۲ نومبر ۱۵۴۰ء کو ایک تیر چلائے بغیر وادی میں داخل ہو گیا۔ کاچی چک کو تخت سے اتار کر کشمیر سے نکال دیا گیا۔

کشمیر کے گورنر کی حیثیت سے (۵۰-۱۵۴۰ء)

مرزا حیدر دغلت کے ہاتھوں خونریزی بغیر کشمیر کی دوبارہ فتح چکوں کی اخلاقی شکست تھی۔ گو یہ مرزا حیدر کے لیے بھی کوئی بڑی کامیابی نہ تھی۔ دغلت اہل کشمیر میں ۳۳-۱۵۳۲ء سے ہی غیر مقبول چلا آرہا تھا۔ جب اس کی فوجوں نے ان کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ ہند سے بادشاہ ہمایوں کی غیر حاضری نے مرزا کی قانونی حیثیت کو بھی غیر مستحکم کر دیا تھا تاہم اس حکمت عملی نے جو اس نے اپنی ساکھ کی بحالی اور اپنی اور اپنی فوج کی سلامتی کے لیے اپنائی تھی۔ اسے ایک عظیم سیاست دان اور عملی انسان بنا دیا تھا وہ سب کچھ ابدال ماگری اور ریگی چک کے مشوروں سے کرتا رہا۔ اس نے ملکی انتظام میں ان کو شریک کر لیا، اور اعلان کر دیا کہ مرحوم سلطان فتح شاہ کا بیٹا نازک شاہ اس کے ماتحت بادشاہ کی حیثیت سے کام کرے گا۔ مرزا حیدر کو کشمیر کی حکومت سنبھالے کوئی ڈھائی سال گزرے ہوں گے کہ کاچی چک شیر شاہ سوری کے پاس مدد لینے کی خاطر جا پہنچا تاکہ مرزا کی حکومت کا تختہ الٹا جا سکے۔ اس نے سلطان اسمٰعیل شاہ کی بہن کا رشتہ شیر شاہ سوری کو دے کر اپنی درخواست کو قابل غور بنا لیا۔ شیر شاہ بھی جانتا تھا کہ وہ مرزا حیدر کو شکست دے کر ہمایوں پر ایک اور برتری حاصل کر لے گا لہٰذا اس نے کاچی چک کو پانچ ہزار افغانوں کی گھوڑ سوار فوج دی اور بہت سارے پیادہ سپاہی حسین خان شیروانی اور عادل خان کی زیر کمان مہیا کر دیئے۔ وہ ۱۵۴۱ء میں کشمیر میں ہیر پور کے راستے سے داخل ہوئے اس وقت مرزا حیدر کی پوزیشن خاصی کمزور تھی کیونکہ اس کا طاقتور حلیف ابدال ماگری فوت ہو چکا تھا۔ اس کے باقی کشمیری حامی بھی برگشتہ ہو گئے تھے اب ایک ریگی چک اور اس کی جماعت ہی ساتھ دے رہی تھی، بہر حال مرزا حیدر نے آخری دم تک بہادری سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے یہ فیصلہ کیا کہ دفاعی پوزیشن میں لڑنے کی بجائے دشمن پر جارحانہ حملہ کیا جائے۔

لہٰذا اس نے افواج کے ساتھ اندرکوٹ سے جو فوجی اعتبار سے اس کا مضبوط مرکز تھا۔ کوچ کیا اور تین ماہ کے بعد سوموار ۲ راگست ۱۵۴۱ء (۱) کو اس کے تین سو دلیر مغل کشمیری سپاہیوں نے وتہ نر (۲) کے مقام پر افغانوں پر دھاوا بول دیا وہ اس بے جگری سے لڑے کہ انہوں نے دشمن کے پانچ ہزار گھوڑ سواروں اور کئی ہزار پیادہ سپاہیوں کو شکست دے دی اس فتح کے ذریعے مرزا حیدر نے وہ ساکھ دوبارہ بنالی جسے ہمایوں نے ۱۵۴۰ء میں معرکہ قنوج میں بٹہ لگایا تھا۔

کلبرگ کی مہم ۱۵۴۳ء

افغانوں پر مرزا حیدر کی فتح یابی نے اُسے پورے کشمیر کا مسلمہ مالک وخودمختار بنا دیا تھا پھر بھی اس نے انکساری کا ثبوت دیا اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس نے کٹھ پتلی بادشاہ نازک شاہ کا اس سے کہیں زیادہ احترام کیا۔ جتنا ملک کے سابقہ کارکن اپنے سلاطین کا کیا کرتے تھے (۳) کچھ عرصہ تو ملک کو امن وسکون حاصل رہا مگر یہ ناپائدار اور عارضی ثابت ہوا۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ مرزا حیدر کی کاچی چک کے ساتھ پھر ٹھن گئی۔ اب کے یہ مصیبت اس کے اپنے قابل اعتماد وزیر ریگی چک نے لاکھڑی کی تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ مرزا حیدر اور ریگی چک زڈی بل جاکر مشہور صوفی شاہ احمد نوربخش کی خدمت میں حاضر ہوئے یہاں اس نے شیعوں اور نوربخشیوں کے ساتھ اپنی غیر معمولی دوستی کا اظہار کیا اس واقعہ نے ریگی چک کے ذہن میں جو ایک متعصب سُنّی تھا شکوک پیدا کر دیئے۔ اگر ہم مرزا حیدر کی بعد کی مذہبی پالیسی کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ اس کا یہ رویہ محض سیاسی تھا مگر ریگی چک

۱۔ ۸ ربیع الثانی ۹۴۸ھ

۲۔ شاہ آباد اور برنگ پرگنہ کے درمیان پہاڑی درّہ۔ (مصنف)

۳۔ تاریخ رشیدی ص ۴۸۶۔

جیسا کوتاہ اندیش آدمی فوراً بھڑک اٹھا۔ اور کامراز میں جہاں اس کا قلعہ تھا۔ مرزا حیدر کے خلاف بغاوت کھڑی کر دی، مرزا حیدر کو اس کے مقابلہ پر نکلنا پڑا۔ اسے پونچھ کی طرف بھگا دیا گیا، یہاں وہ کاجی چک کے ساتھ جو مرزا حیدر کا جانی دشمن تھا مل گیا۔ تب دونوں کشمیری سرداروں نے مرزا حیدر پر گل برگ داما کے مقام پر ایک مشترکہ حملہ کر دیا۔

۱۵۴۴ء میں مرزا حیدر نے شبخون مار کر ان کو عبرت ناک شکست دے دی اور وہ بھاگ کر پہلے پونچھ اور پھر راجوری چلے گئے۔ کاجی چک اور اس کا بیٹا راجوری میں ہی ۱۵۴۴ء میں فوت ہوا۔ اسی سال شیر شاہ سوری فوت ہوا اور دوسرے سال بعض نامعلوم افراد نے ریگی چک کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔

استحکام و فتوحات کا عہد

مرزا حیدر کو اس کے خطرناک دشمنوں کی موت نے اور مغرور بادشاہ ہمایوں کے ہاتھوں ۱۵۴۵ء میں کابل کی فتح نے یہ موقعہ فراہم کیا کہ وہ ملک کی اندرونی خوشحالی و استحکام اور بیرونی تحفظ کے منصوبے کو عملی جامہ پہنا سکے چنانچہ اس نے کشمیر میں انتظامی اور سیاسی اعتبار سے اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے لیے ہمایوں کے نام کا خطبہ پڑھنے اور سکّہ چلانے کا اعلان کر دیا۔ ثقافتی طور پر بھی اس نے ملک کے اندرونی امن اور بیرونی سکون سے پورا پورا فائدہ اٹھایا کشمیر کے خوشگوار ترین موسم میں اس نے وسطی ایشیا کے مغلوں کی تاریخ یعنی تاریخ رشیدی کو جسے ۱۵۴۲ء-۱۵۴۱ء میں شروع کیا تھا مکمل کیا (۲) .... اب وہ انتظامیہ کی تشکیل نو کے کام میں مشغول ہو گیا۔ اس نے نئے شہر بسائے اور مغل تہذیب کے کچھ نئے عناصر کو متعارف کروایا اس نے صناعوں اور کاریگروں کو باہر سے بلایا اور پھر ان کو ملازمتیں دیں تاکہ وہ صنعت و حرفت کو کشمیر میں رواج

۱۔ فارسی مورخین کا غوری مرگ جو پیر پنچال کے ڈھلوان میں واقع ہے۔ (مصنف)

۲۔ ملاحظہ ہو۔ مقدمہ تاریخ رشیدی ترجمہ ڈینی سن راس ص ۱۰۸۔

دیں اس طرح اس نے ملک کو خوشحال بنا دیا۔

اس نے بھرپور کوشش کی کہ ریاستی فوج کو مضبوط بنایا جائے۔شک نے اس کی اصلاحات اور خاص طور سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مغل فنون لطیفہ کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے (۱)

یہ قدامت پسند برہمن مورخ کشمیریوں کی ملامت کرتا ہے کہ انہوں نے مغلوں کے ایسے لباس اور کھانے اپنائے جن سے ان کو فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوا اس کے برعکس جہانگیر کشمیریوں کی فضیلت و برتری کی تعریف کرتا ہے جو ان کو مرزا حیدر کے عہد میں حاصل ہوئی (۲) وہ لکھتا ہے کہ مرزا کے دور حکومت میں کشمیر میں کئی ماہر صنعت گر موجود تھے۔ وہ موسیقی میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔تنبور، پیانو بین اور بانسری اس کے عہد میں بجائی جاتی تھی حالانکہ پہلے زمانوں میں تنبور کی ایک ہی قسم مروج تھی۔ اور وہ کشمیری زبان میں کورس گایا کرتے جن کے راگوں کی ترتیب ہندی کے راگوں کی ترتیب کیمطابق ہوتی۔ جہانگیر لکھتا ہے لاریب کشمیر اپنی موجودہ عظمتوں کے لیے مرزا حیدر کا مرہون منت ہے۔محمد اعظم اور حسن شاہ بھی مرزا حیدر کی لائی ہوئی تہذیبی تبدیلیوں کے معترف ہیں ان کا کہنا ہے کہ اس نے گرم حمام اور جالی دار کھڑکیاں بنوائیں۔ شالی کو سکھانے والے آلات کو جسے مقامی زبان میں نار لول کہا جاتا ہے رواج دیا، نار لول کو کشمیر میں رواج دینے کا سہرا یقیناً مرزا حیدر ہی کے سر بندھتا ہے۔ مگر جہاں تک گرم حماموں اور جالی دار کھڑکیوں کا تعلق ہے۔یہ درست نہیں۔کیونکہ کشمیری عوام ہندو حکمرانوں کے عہد حکومت میں بھی ان سے آشنا تھے۔ ملک کے اندر امن و امان کی بحالی کے بعد مرزا حیدر نے فتوحات اور ہمسایہ ریاستوں کے ساتھ سیاسی اتحاد برقرار رکھنے کا منصوبہ بنایا اس کا مقصد یہ تھا کہ کشمیر کو بیرونی جارحیت۔ محفوظ کر دیا جائے اور اندرونی خلفشار و بے چینی کا خاتمہ کر دیا جائے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا کام کشتواڑ سے شروع کیا (۳) جہاں ہندوؤں کا ابھی تک غلبہ تھا اور

۱۔ شک ص ۳۸۰ (۲) توزک ج ۲ ۔ ص ۱۴۸

۳۔ طبقات ص ۱۳۴

اس سے دشمن ناجائز فائدہ اٹھا سکتا تھا مگر یہ مہم المیہ پر منتج ہوئی۔ ۱۵۴۷ء میں اس نے عبدالرشید خان والی کاشغر سے سیاسی تعلقات استوار کیے سلطان مذکور کے سفیر کا گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا اور تاریخ رشیدی اس کے نام پر معنون کر دی، فوجی لحاظ سے وہ خاصا مضبوط نظر آتا تھا۔ اور اس نے اڑوس پڑوس کی ریاستوں، راجوری، پکھلی، یہاں تک کے لداخ اور بلتستان جیسی دور افتادہ ریاستوں کو فتح کر لیا تھا۔ وہ تمام مہمات میں کامیاب رہا۔ ۱۵۴۸ء میں ان ریاستوں کا کشمیر سے باقاعدہ الحاق عمل میں آیا اور ان کا نظم و نسق ملازمین سرکار کے سپرد کر دیا۔

مذہبی رجحان

جب بیرونی خطرات سے محفوظ ہونے کا یقین ہو گیا تو مرزا حیدر نے ہر ریاست میں ایک جامع مسجد تعمیر کروانے کے منصوبہ کا آغاز کر دیا۔ ذاتی طور پر وہ ایک سنگدل متعصب اور تنگ نظر سُنّی تھا۔ وہ ان لوگوں کو برداشت نہ کر سکتا۔ جو سُنّی عقیدہ نہ رکھتے وہ جب یہ دیکھتا کہ کشمیر کٹر اور آزاد خیالوں مثلاً[۱] سُنیوں، شیعوں، نوربخشیوں، صوفیوں اور بت پرستوں کی سرزمین ہے تو وہ بے چین ہو جاتا۔ (۲) وہ لکھتا ہے کہ نوربخشیہ لوگ دین کی ایک بگڑی ہوئی شکل کے پیرو ہیں اور متعدد بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ صوفیوں نے کئی بدعتوں کو شرعی طور پر جائز ٹھہرا لیا ہے اور ان کو حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں (۲) اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ ہر قسم کے کفر و بے دینی کی بیخ کنی کر کے رہے گا۔ وہ ان سے نہایت بے رحمی سے پیش آیا ۱۵۴۸ء میں اس نے زڈی بل میں واقع مزار شمس الدین عراقی کو اکھڑوا دیا۔ ۵۰-۱۵۴۹ء میں اس کے بیٹے شیخ دانیال کو اور کئی دوسرے سربرآوردہ شیعوں اور نوربخشیوں کو مروا دیا (۳) پھر اس

۱۔ تاریخ رشیدی ص ۴۷-۴۳۴۔

۲۔ تاریخ رشیدی ص ۳۶-۴۳۵۔

۳۔ بہارستان ف ۱۱۱ ب۔

نے سنگدلی سے ان فرقوں کے پیروؤں کا قتل عام کروایا۔ مختصر یہ کہ اس نے شمس الدین عراقی کے معتقدین میں اس قدر خوف و ہراس پیدا کر دیا تھا کہ اس کے اپنے الفاظ میں کوئی بھی یہ جرأت نہ کر سکتا کہ وہ کھلم کھلا عراقی سے روحانی تعلق کا اظہار کرے، سب نے انکار کر دیا ہے کیونکہ وہ میری سختی سے بخوبی آگاہ ہیں اور جانتے ہیں کہ اگر کوئی فرقہ سر اٹھانے کی کوشش کرے گا تو وہ سزائے موت سے بچ نہ سکے گا (۱) بد قسمتی سے یہ منحوس رویہ اس کی اعلیٰ مذہبی پالیسی کا حصہ بنا رہا۔

اسلام شاہ سوری کی اطاعت (۱۵۵۰ء)

چکوں نے جو کشمیر میں شیعہ اور نور بخشیہ کا سب سے بڑا سہارا تھے۔ مذہبی اور سیاسی طور پر مرزا حیدر سے زبردست نقصان اٹھایا تھا، وہ روز بروز پریشان مگر چوکس ہوتے چلے گئے۔ ان کے ممتاز سردار مثلاً دولت خان چک، اور غازی چک ملک سے باہر چلے گئے تاکہ وہ ہندوستان کے شیعوں کو مرزا حیدر کی جارحانہ پالیسی سے آگاہ کریں اور اس کے خلاف مدد حاصل کر سکیں انہوں نے شیر شاہ سوری کے بیٹے اور جانشین اسلام شاہ سوری (۲) اور ہیبت خان نیازی عرف اعظم ہمایوں کی باہمی دشمنی سے فائدہ اٹھانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

اسلام شاہ سوری اپنے والد کے سرداروں خاص طور سے ہیبت خان نیازی سے جو ایک دوسرے دعویدار کو دہلی کے تخت پر بٹھانا چاہتا تھا بدظن ہو گیا۔ بنا بریں ان سرداروں کیخلاف اس کی دشمنی ناگزیر تھی اور اس نے انہیں ملک سے نکال باہر کیا تھا۔ میدانی علاقوں میں صورت حال اس سے بھی بد تر تھی۔ ہیبت خان اور اس کے پیرو گکھڑوں کے پاس پناہ گزین ہو گئے تھے۔ اتنے فاصلے سے بھی انہوں نے سلام شاہ کو اس قدر پریشان کر دیا۔ کہ اسے ایک بڑی فوج لے کر

۱۔ تاریخ رشیدی ص ۴۳۶

۲۔ اس کا ایک نام سلیم شاہ بھی تھا۔ (مصنف)

ان کی تباہی کے لیے خود میدان میں نکلنا پڑا مسلسل دو سال تک وہ گکھڑ سردار آدم خان کے خلاف لڑتا رہا کیونکہ وہ بادشاہ ہمایوں کا بھی جان نثار دوست تھا۔ ہیبت خان نیازی کی خطرناک صورت حال کو دیکھتے ہوئے پناہ گزین سرداروں دولت چک اور غازی چک نے اس کے ساتھ ساز باز شروع کر دی اور وہ انہیں اور ان کے پیروؤں کو پناہ دینے کی غرض سے راجوری لے گئے تاکہ ان کو بعد میں مرزا حیدر پر حملہ کے لیے تیار کر سکیں (۱) لیکن اسلام شاہ سوری نے اس کی گوشمالی کا پکا ارادہ کر لیا تھا اس مقصد کے لیے وہ نوشہرہ پہنچا۔ دریں اثنا مرزا حیدر نے اپنے تئیں چک۔ نیازی، سازش کا شکار جان کر، نیازی لشکر کی ناکہ بندی کروا دی، تاکہ اپنی حفاظت ممکن ہو۔ غالباً ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ اسلام شاہ سوری کی رضا مندی حاصل کرے۔ ہیبت خان اور اس کے حامیوں کی حالت یہ تھی کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔

اس کے بعد کیا ہوا۔ اس بارے میں مؤرخین مختلف تفصیلات دیتے ہیں۔ نظام الدین احمد اور فرشتہ کے مطابق ہیبت خان نے آخر کار اسلام شاہ سوری کے ساتھ صلح کر لی اور اپنا بیٹا حسن سلوک کے صلے میں بطور ضمانت اس کے سپرد کر دیا۔ اس نے مرزا حیدر کے ساتھ بھی مصالحت کر لی۔ جس نے اسے کافی رقم مہیا کی اور اس طرح اس نے مالی مشکلات سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔ منصوبوں کی ناکامی نے چک سرداروں کے درمیان جنہوں نے ہیبت خان کی حمایت کی تھی تفرقہ پیدا کر دیا۔ بعض نے اسے پیٹھ دکھائی اور وہ مرزا حیدر سے مل گئے۔ جبکہ بعض ابھی تک اس کیساتھ چمٹے رہے۔ مورخین، عبداللہ اور نعمت اللہ نیازی کے خاتمہ کی داستان بھی مختلف طریقے سے بیان کرتے ہیں ان کے مطابق جب ہیبت خان نیازی کے طرفداروں کو اپنے منصوبہ کی ناکامی کا اندازہ ہو گیا تو غازی چک جو اُن میں زیادہ بے باک تھا الگ ہو کر مرزا حیدر کے ساتھ مل گیا۔ اس نے بتایا کہ ہیبت خان نیازی پرگنہ بانہال اور لوہر کوٹ کے پہاڑوں میں افغانوں کی بھاری فوج کے ساتھ پہنچ چکا ہے تاکہ کشمیر کو فتح کیا جا سکے۔ مرزا حیدر نے کشمیریوں کے جتھے عیدی رینہ، حسین ماگری، بہرام چک اور یوسف چک کی زیر کمان حملہ آوروں کے مقابلہ میں بھیجے

۱۔ تاریخ داؤدی ص۔ ۵۰۔ ۲۴۹۔

اور ایک زبردست مقابلہ ہوا۔ کشمیریوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی ۔ اور ہیبت خان نیازی کے ساتھ سید خان اور بی بی ربیعہ جیسے عظیم نیازی سردار بھی کھیت رہے ۔ مرزا حیدر نے ان کے سر نذرانہ کے طور پر اسلام شاہ سوری کو بھیج کر اس کی خوشنودی حاصل کر لی ۔ مگر نظام الدین فرشتہ اور بہارستان شاہی کے مطابق نیازی سرداروں کے خاتمہ کا المیہ مرزا حیدر کی موت کے بعد پیش آیا ۔ صحیح صورت حال یہ ہے کہ اسلام شاہ سوری ، ہیبت خان نیازی اور مرزا حیدر نے ایک سہ جماعتی اتحاد قائم کیا تھا ۔ اس واسطے ہیبت خان نیازی کی یہ سراسر حماقت تھی کہ وہ کشمیر پر حملہ کا خیال بھی کرتا جب کہ اسے کشمیر سے نکال دیا گیا تھا ۔ اور اس نے اپنا بیٹا ضمانت کے طور پر اسلام شاہ سوری کے حوالے کر دیا تھا اسی طرح یہ بات بھی ناقابل یقین ہے کہ بانہال لوہر کوٹ کی نسبت خاص جغرافیائی تعلق کی بنا پر میدان عمل بن سکتا ۔ ان دنوں جب سفر کرنا بیحد مشکل تھا ۔ نیازیوں کے لیے ناممکن تھا کہ وہ اتنی جلد راجوری سے بانہال جا پہنچتے ۔ اس سیاق و سباق میں ہمیں یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ ۱۵۵۰ء میں مرزا حیدر بدترین سیاسی مشکلات سے دوچار تھا ۔ اسلیئے اس نے اسلام شاہ سوری کے نام کا سکہ رائج کیا ۔ اس نے سوری بادشاہت کی رضامندی کے حصول کے لیے بعد میں تحائف بھیجے اور اسلام شاہ سوری نے خوش اخلاقی کا سلوک کیا ۔

بغاوت

اندرونی طور پر غلط حکمت عملی اپنا کر مرزا حیدر نے اپنے تئیں آتش فشاں کے دہانے پر لا کھڑا کر دیا تھا جس نے جلد ہی پھٹ کر اسے تباہ کر دیا ۔ لداخ ، بلتستان ، پکھلی اور راجوری کی فتح کے بعد جن کی مہمات میں اس کے کشمیری پیرووں نے خود مغلوں سے زیادہ قربانیاں دی تھیں ۔ مرزا حیدر نے کشمیریوں کو نظر انداز کر دیا ، پھر اس نے مفتوحہ صوبوں کا نظم و نسق مغل اہلکاروں کے حوالے کر کے اہل کشمیر کے تجربات اور ان کی اہلیت کا بھی مذاق اڑایا تھا (۱) جابرانہ حکمت عملی کے سبب وہ شیعوں اور

۱ - طبقات ص ۶۱۷

ہندوؤں کی حمایت سے محروم ہوگیا۔ جو بلحاظ تعداد کافی سیاسی قوت اور اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ اس سے پہلے ہمایوں اور پھر اسلام شاہ سوری کے نام کے سکے جاری کر کے اس نے کشمیریوں کے جذبات مجروح کر دیے تھے اور انہیں بغاوت کا موقع فراہم کر دیا تھا۔

۱۲ اکتوبر ۱۵۵۰ء کو صورت حال اور بھی خطرناک ہوگئی جب مرزا نے مانکوٹ پر مہم روانہ کی (۱) مہم کی قیادت اس کا چچا زاد بھائی قرا بہادر کر رہا تھا اس کی فوج کشمیریوں اور مغلوں پر مشتمل تھی جب وہ ۲۵ اکتوبر کو بارہ مولہ کے اس پار ایک پیچیدہ سلسلہ کوہ میں داخل ہوئے تو کشمیری جو مغلوں سے تعداد میں زیادہ تھے اور سوچی سمجھی سکیم کے تحت بغاوت پر تیار کھڑے تھے، ان پر ٹوٹ پڑے، کچھ مغل ہلاک ہو گئے، کچھ قید ہوئے اور کچھ بھاگ نکلے اس واقعہ نے کشمیر بھر میں بغاوت کو شہ دی اور ہر جگہ مرزا حیدر کے مغل حامیوں کا یہی انجام ہوا۔

موت

جب مٹھی بھر حامی باقی رہ گئے تو مرزا حیدر نے ایک بار پھر مایوس ہو کر جلدی میں کشمیری اہل حرفہ و تجار کی ایک پلٹن کھڑی کر لی۔ جو نہ اہلیت رکھتے تھے اور نہ ہی لڑنے کا میلان (۲) دشمن کی کیفیت معلوم کرنے کے بعد اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنی نئی پلٹن کو رات کے وقت ان سے بھڑا دیا جائے لیکن حملے سے پہلے ہی راستہ روک لیا گیا اور ۱۹ نومبر ۱۵۵۰ء کو اسے قتل کر دیا گیا۔ (۳) اس کے سُنی حامیوں نے لاش کو محفوظ کرنے کا انتظام کیا تاکہ دشمن اس کی بے حرمتی نہ کرے پھر اسے سرینگر کے مزار سلاطین کے احاطہ

۱۔ ایک گاؤں اور قلعہ۔ جو پونچھ اور کوٹلی کے درمیان مینڈل دریا کے دائیں کنارے پر واقع تھا (مصنف)

۲۔ طبقات ص ۶۱۹۔

۳۔ ابوالفضل نے یہ مقام سرینگر۔ بمبرا پور روڈ پر تلاش کیا تھا۔ ہمارے خیال میں یہ جگہ خان پور سرائے ہے جو بیروہ پرگنہ میں ایک گاؤں ہے۔ قتل کی تاریخ "قضائے الٰہی" سے نکلتی ہے۔ (۸ ذی قعدہ ۹۵۷ھ) مصنف۔

میں دفنا دیا گیا۔

مرزا حیدر دُغلت ـــــ ایک جائزہ

مرزا حیدر کی شہرت زیادہ تر تاریخ رشیدی کی وجہ سے ہے لیکن یہاں ہمارا بڑا مقصد یہ ہے کہ ہم ایک فاتح اور حکمران کی حیثیت سے اس کے کام کا جائزہ لیں۔ ابوالفضل کے مطابق اس نے کشمیر کو ازسرنو آباد کیا۔ کھنڈروں کو ایک ایسے ملک میں تبدیل کر دیا جہاں خوب کھیتی باڑی ہوتی تھی۔ خوبصورت شہروں اور صنعت وحرفت نے ان فن کاروں کے ذریعے ترقی کی جن کو وہ بیرونی ممالک سے یہاں لایا تھا تاہم ابوالفضل یہ الزام بھی لگاتا ہے کہ وہ موسیقی کا بے حد رسیا تھا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اپنے اردگرد کے خطرات سے بے خبر ہو گیا۔ وہ اس بات کے لیے بھی اسے موردِ الزام ٹھہراتا ہے کہ اس نے کشمیر کی حکومت کٹھ پتلی نازک شاہ اور رد کھے پھیکے متعصبین کے ہاتھ میں دے دی تھی جس کی وجہ سے ملک کی ترقی نامکمل رہی۔ جہانگیر موسیقی سے لگاؤ اور بیرونی ماہرین صنعت وحرفت کی کشمیر میں آبادی کے لیے مرزا حیدر کی تعریف کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ کشمیر اپنی عظمتوں کے لیے مرزا حیدر کا بہت زیادہ مرہون ہے۔ جوہر اسے بادشاہ ہمایوں کا ایک وفادار خادم قرار دیتا ہے (۱)

امین احمد رازی رقم طراز ہے کہ اعلیٰ کردار اُسے ودیعت کیا گیا تھا اور اسے نثر نویسی اور شعر گوئی کی بہترین استعداد ملی تھی۔ فطرت کے ان عطیوں کے ساتھ ساتھ اس کو زبردست شجاعت اور دوسری خوبیاں نصیب ہوئی تھیں جو ایک عظیم جرنیل میں ہونی چاہئیں (۲)

ارسکن کے نزدیک وہ فضیلت، ذہانت اور علم کا مالک تھا۔ علم اور علمار کی سرپرستی کے لیے ..... اس کی تعریف کرتا ہے لیکن اس کی رعایا دشمن پالیسی کی مذمت بھی کرتا ہے وہ اسے ایک

۱۔ تذکرۃ الواقعات (میجر سٹیورٹ) ص ۱۷۔

۲۔ تاریخ رشیدی تعارف ص ۲۶-۲۵۔

متعصب مسلمان اور تنگ نظر سنی قرار دیتا ہے (۱)

ان نقطہ ہائے نظر سے عام طور پر اتفاق ہے لیکن ابوالفضل کا بیان مبالغہ آمیز ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ مرزا حیدر نے کونے کونے سے صناع اور کاریگر بلوائے۔ کشمیر کو خوبصورت شہروں سے آراستہ کیا اور تہذیب کو فروغ دیا۔ مگر مرزا حیدر خود اس کا انکار کرتا ہے وہ تحریر کرتا ہے۔ کشمیر میں آدمی کو وہ تمام صنعت و حرفت ملے گی جس کا دوسرے شہروں میں نام بھی نہیں۔ مثال کے طور پر صیقل سنگ، سنگ تراشی، شیشہ سازی زرکوبی وغیرہ کی صنعت سمرقند اور بخارا کو چھوڑ کر پورے ماوراالنہر میں نہیں ملتی جبکہ کشمیر میں ان کی بہتات ہے، یہ سب کچھ زین العابدین کی بدولت ہے (۲)

رہا شہروں اور قصبوں کی تعمیر کا مسئلہ تو اس سلسلے میں ہمیں موجود تحریری یا غیر تحریری ماخذوں میں اس کی تائید میں کوئی شہادت نہیں ملتی۔ ابوالفضل خود بھی کسی ایسے شہر کا نام نہیں لکھتا جو مرزا حیدر نے تعمیر کروایا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ مرزا حیدر جیسا آدمی جو ہمیشہ بیرونی امور میں مصروف رہا۔ ایک خطرناک تعصب کو ہوا دیتا رہا۔ اور اکثر وقت موسیقی کی محفلوں میں گزارتا رہا۔ وہ کوئی نیا شہر نہ بسا سکتا تھا اور نہ ہی کسی موجود شہر کو آراستہ کر سکتا تھا۔ بہرحال ابوالفضل اور جہانگیر نسلی اور سیاسی تعصب کا شکار ہو کر مرزا حیدر کو وہ اعزاز دیتے نظر آتے ہیں جس کا مستحق زین العابدین ہے۔ مرزا حیدر کا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ اس نے ایک غیر کشمیری کی حیثیت سے سوچا اور عمل کیا ۔ بدقسمتی یہ ہے کہ کشمیر جیسے ملک میں دس سال قیام کرنے اور اقتدار و ذرائع رکھنے کے باوجود اس نے اپنے پیچھے اس تلخ یاد کے سوا کچھ نہ چھوڑا کہ وہ ایک مصلحت ناآشنا متعصب تھا۔

ایک انسان ایک سپہ سالار اور ایک حکمران کی حیثیت سے مرزا حیدر اپنے عہد کا بڑا آدمی تھا، بابر کی سرپرستی و پدرانہ شفقت میں اس نے بحیثیت طالع آزما سپاہی زندگی کا آغاز کیا۔ اسے مایوسی

۱۔ تاریخ ہند۔ ارسکن ج ۲، ص ۲۶۸۔

۲۔ تاریخ رشیدی ص ۴۳۷۔

میں بھی جرأت دکھانے کی صفت اسی محسن سے ورثہ میں ملی تھی۔ اس خوبی نے ہمیشہ اس کا ساتھ دیا اور یہی صفت مشکلات حیات کے خلاف جنگ میں اس کی کامیابی کا راز بنی رہی۔ مگر وہ جزئیات نمایاں نقائص سے بھی پاک نہ تھا اگرچہ وہ ایک دلیر سپاہی اور ایک عالم تھا تاہم اس نے اپنے تذبذب، لوگوں کے بارے میں غلط اندازے اور خطرناک تعصب سے ہمیشہ نقصان اٹھایا یہ ساری خصوصیات جو اس میں جمع ہو گئی تھیں اس کے المناک انجام کا سبب بنیں۔ اس کے کردار کا ضعف مرزا علی تغائی کے ساتھ حسن سلوک سے بھی ظاہر ہو جاتا ہے جس کا مظاہرہ اس نے یہ جانتے ہوئے کیا کہ یہ بے وفا فوجی سردار ۱۵۴۳ء سے کشمیر میں فوج کو اس کے خلاف بھڑکا رہا ہے۔ وہ خود بھی اس کا اعتراف کرتا ہے اور لکھتا ہے میں نے مرزا علی تغائی کے شیطانی مشوروں اور جھوٹی تجاویز سے فریب کھانے کی اپنے تئیں اجازت دی آگے لکھتا ہے میں نے دیکھا کہ میرے لیے دو ہی راستے ہیں یا تو مرزا علی تغائی کو مروا دوں یا پھر یہ کہ اسے زندہ رہنے دوں لیکن خود ملک سے نکل جاؤں آخر کار میں نے دوسرا راستہ اختیار کیا (۱)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ ایسے آدمی کو مروا سکتا تھا تو پھر اس نے تامل کیوں کیا؟ اور اگر تامل کیا تو اس پر اظہار افسوس کی کیا ضرورت پیش آئی۔ دراصل وہ نہ اسے تباہ کر سکتا تھا اور نہ ہی اس سے مصالحت کر سکتا تھا۔ کشمیری بھی اس کے خلاف نہ بھڑک سکتے تھے۔ بلکہ وہ فقط بے تابی دکھا رہے تھے جب مرزا حیدر کے دوستوں اور بہی خواہوں نے اسے یہ مشورہ دیا کہ وہ منتشر کر کے اپنی طاقت کو ضائع نہ کرے بلکہ دشمن کی بیخ کنی کے لیے اسے یکجا کر کے کام میں لائے۔ خود پسند اور مغرور سیاست دان تو وہ تھا ہی اس نے ان کے مشوروں کو کوئی اہمیت نہ دی۔ الٹا ان پر فتنہ سازی کا الزام لگا دیا اس نے ایک سیاسی طالع آزما تو بننا چاہا مگر وہ وقت اور خود قسمت کا اندازہ نہ لگا سکا یہ سب کچھ اس کے متلون رویے سے عیاں ہو جاتا ہے کہ کس طرح اس نے کشمیر کے کٹھ پتلی نازک شاہ سے اطاعت کا رشتہ توڑ کر بھگوڑے بادشاہ ہمایوں اور پھر اسلام شاہ سوری سے تعلق پیدا کر لیا اور اپنی

۱۔ تاریخ رشیدی ص ۴۴۱

مشکلات وخطرات کے وقت نہ وہ ایک کو اپنی طرف راغب کرسکا نہ دوسرے کو اس کے برعکس اگر وہ ایثار پسند ہوتا تو وہ صرف نازک شاہ پر اپنی توجہ مرکوز رکھتا اور فرقوں میں تقسیم کیے بغیر کشمیری دوستوں اور حامیوں پر پورا پورا اعتماد کرتا۔ یہ بات ملک اور باہر کی مخالفت کے مقابل بہت بڑا سرمایہ ثابت ہوتی۔ وہ اگر مقامی باشندوں کے جذبات سے ہم آہنگ ہوتا اور کشمیریوں کے دل جیتنے کی کوشش کرتا تو وہ اپنے عبرت ناک انجام سے بچ سکتا تھا۔ ایک نکتہ اس مورخ ہونے کے باوصف وہ سلطان زین العابدین کی حکمت عملی سے کوئی فائدہ نہ اٹھاسکا حالانکہ اس ملک کے تمام سلاطین میں اسی کی زیادہ تعریف اس لیے کی ہے۔

مرزا حیدر کی طبیعت اور مزاج کو نظر میں رکھیں تو اسے ایک کامیاب حکمران تسلیم نہیں کیا جاسکتا سُنی تو وہ تھا ہی مگر اُسے نہیں چاہیئے تھا کہ وہ انتظامی سیاسیات میں تعصب سے کام لے۔ جبھی ایک منطقی مقصد کے پیش نظر اس پالیسی کو اپنانے کا امکان پیدا ہوسکتا تھا جس سے اس کو کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ اس سلسلہ میں اس نے بابر کی اس قیمتی نصیحت کو بالکل ہی بھلا دیا جو اس نے اپنے جانشینوں کے لیے کی تھی کہ ان کو برصغیر پاک وہند کے باشندوں کے دین میں کوئی مداخلت نہیں کرنی چاہیئے — شمس الدین عراقی کے پیروؤں کے ساتھ ظالمانہ سلوک کر کے نہ صرف یہ کہ مرزا حیدر نے ملک کی بہادر کمیونٹی کی اخلاقی اور مالی مدد سے اپنے آپ کو محروم کر لیا بلکہ ساتھ ہی مخالف حلقوں کو مضبوط بھی کر دیا اس کے کاموں کو صحیح تناظر میں دیکھتے ہوئے بہارستان شاہی کا مؤلف بالکل درست نتیجہ نکالتا ہے وہ کہتا ہے آخر کار جابرانہ پالیسی اپنا کر اسے ملا کیا؟ یہی ناکہ اس نے اپنے زوال کی رفتار کو تیز تر کر دیا[۱] دوسرا زل کے بارے میں ناقص پہچان کے سبب بھی مرزا حیدر نے کوئی کم نقصان نہیں اٹھایا کیونکہ اس نے خواجہ حاجی کو چنا تھا۔ ثانی الذکر ۴۸-۱۵۴۷ کے دوران مرزا کا معتمد علیہ بن گیا تھا جب اس نے مرزا حیدر اور کشمیر کے مغرور سردار ابدال ماگری کے درمیان بات چیت کرائی تھی۔ اس سے بڑھ کر

۱۔ بہارستان شاہی ف ۱۱۲ ب۔

اور بدقسمتی کیا ہوگی کہ انجام کار خواجہ حاجی اس بغاوت کا سرچشمہ بنا جو مرزا کے عبرت ناک انجام کا سبب بنی (۱) مرزا کو عین اس وقت قتل کر دیا گیا جب وہ رات کی تاریکی میں خانپور کے میدان جنگ میں خواجہ کے خیمہ کے پاس پہنچ چکا تھا۔

مختصر یہ کہ جب زندگی کے ہر پہلو کا جائزہ لیا جائے۔ تو مرزا حیدر دوغلت مجموعہ اضداد نظر آتا ہے ایک طرف وہ جرائت، شائستگی اور کمال کے دلفریب اوصاف دکھاتا ہے تو دوسری طرف وہ دغابازی مذہبی کٹرپن اور نسلی تعصب کا نمونہ بھی پیش کرتا ہے۔ حق یہ ہے کہ وہ کشمیر میں مغل بادشاہت کے استحکام کے لیے قطعاً غیر موزوں آدمی تھا۔

۱۔ طبقات ص ۶۱۸، فرشتہ ج ۱، ص ۳۵۰

باب نہم

چکّوں کا عہد

مرزا حیدر کے زوال کے بعد ہمیں ایک بار پھر کشمیریوں کے ذہنی مزاج اور ان کے جذبات حب الوطنی کا پتہ چلتا ہے جو بیرونی اقتدار اور معاشرتی نااتفاقی کو ہرگز برداشت نہ کر سکتے تھے اس سے قبل وہ ۱۴۸۴ء میں عہد سادات کا خاتمہ کر چکے تھے۔ حالانکہ پیغمبر اسلام کی اولاد ہونے کی حیثیت سے ان کی بڑی عزت کی جاتی تھی۔ ۸۶۔۱۵۸۵ء کے دوران انہوں نے اس کے باوجود کہ خود ان کے چند مشہور لیڈروں نے ساز باز کی تھی۔ اکبر کی فوجوں کا کام بہت مشکل بنا دیا تھا۔

مرزا حیدر دغلت کی حکومت کو اس لیے زوال سے دوچار ہونا پڑا کہ کشمیری اس سے اکتا چکے تھے اس نے دو خطرناک غلطیاں کی تھیں۔ اولاً یہ کہ بدترین معاشرتی منافرت کی حکمت عملی کو اپنایا، ثانیاً یہ کہ مغلوں کو کشمیریوں پر ترجیح دے کر نسلی منافرت اور شاہی ترجیحات کے بیج بوئے، بہرصورت اس نے کشمیریوں کی لیاقت و قابلیت کی توہین کی۔ کشمیریوں نے جو تلخی اور نفرت کے خلاف تھے موقعہ ملتے ہی مرزا حیدر اور اس کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔

دراصل مرزا حیدر کے خلاف بغاوت بیرونی تسلط کے خلاف قومی سطح پر مخالفت کا نتیجہ تھی لیکن پہلے اور بعد کے ایسے مواقع پر رہنماؤں کا اتحاد ایک ایسی مصالحت تھی جو بعد میں غیر منطقی اور ناپائیدار ثابت ہوئی۔ اس وقت سیاسی طاقتوں کی صف آرائی، ماگری اور چک خاندانوں کے درمیان جنگ اقتدار تک محدود تھی۔ . . . . دونوں خاندان غیر رواداراور جارح تھے۔

دونوں ایک طرف تعاون اور دوسری طرف سیاسی اتحاد اور قومی سلامتی کے جذبات سے کھیلتے رہے بنیادی طور پر وہ موقع پرست اور خود غرض تھے۔ ماگری زیادہ تر سُنّی تھے جبکہ چکوں کی اکثریت شیعہ تھی۔ ماگری مقامی قبیلہ تھا لیکن چک باہر سے آئے تھے ان بنیادی اختلافات کے باوجود وہ مشترک دشمن کے خلاف اتحاد پیدا کر لیا کرتے اور جوں ہی مقصد پورا ہو جاتا، ان کا اتحاد ٹوٹ جاتا اور وہ پھر قدیم باہمی شکوک، حسد اور رقابت میں گرفتار ہو جاتے۔ افراتفری کے بعد چکوں کو جو مضبوط اور دلیر تھے جب بھی موثر قیادت ملتی کامیابی حاصل کر لیتے۔ وہ ماگریوں سے طاقت اور شاہمیروں سے سلطنت چھین کر خود اس کے مالک بن گئے تھے۔

دولت چک کی وزارت

سربر آوردہ سردار جنہوں نے مرزا حیدر کے خلاف عوام کے جذبات ابھارے تھے۔ عیدی رینہ، حسین ماگری، دولت چک اور غازی خان چک تھے۔ امور سلطنت کے استحکام اور امن و امان کی بحالی کے لیے انہوں نے تیسری مرتبہ نازک شاہ کو تخت پر بیٹھا کر عیدی رینہ کو وزیر اعظم بنا دیا تھا(۱) تب انہوں نے ملک کے آپس میں حصے بخرے کر لیے، اپنی حکومت کی مضبوطی اور سلامتی کے واسطے وہ آپس میں ازدواجی تعلقات میں بندھے ہوتے تھے۔

اس انتظام کی وجہ سے چکوں کی طاقت اور شہرت میں اضافہ ہو گیا تھا چنانچہ عیدی رینہ ان پر جلنے لگا۔ اس نے تفرقہ اندازی کے لیے مرزا حیدر دغلات کے مغل حامیوں کو جن میں ان کا قائد مرزا قرا بہادر بھی شامل تھا۔ زنداں سے رہا کرا لیا اور ان کو گھوڑے، رقم اور سامان جنگ مہیا کر دیا تا کہ وہ ان چیزوں کو چکوں کے خلاف استعمال کر سکیں (۲) لیکن اسے اپنی اس انتہا پسندی کی بھاری قیمت ادا

۱۔ فرشتہ ج ۲، ص ۳۵۷

(۲) طبقات ص ۶۲۰

کرنے پڑے اور جلد ہی اسے اپنے فوجی افسروں نے بھی پیٹھ دکھا دی۔

نیازیوں کا زوال چکوں کی گوت کپواری میں خاص کر کے ان کے رہنما دولت چک کی زندگی میں ایک نقطۂ انقلاب تھا۔ اس کی کامیابی سے اسے عزت و شہرت کا وہ مقام حاصل ہو گیا کہ اس نے بہادری سے عیدی رینہ کے اقتدار کو چیلنج کر دیا اور لڑائی کا موقعہ ہاتھ آنے سے پہلے ہی اسے ملک سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔ عیدی رینہ وطن سے باہر ہی فوت ہو گیا اس کے بہت جلد بعد ۱۵۵۱ء میں دولت چک نے دس ماہ کے برائے نام اقتدار کے بعد نازک شاہ کو موقوف کر کے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس نے محمد شاہ کے پوتے اسماعیل شاہ دوم کو حکومت سونپ دی لیکن اپنی وفات یعنی ۱۵۵۴ء تک وہ خود تاج پہنتا رہا (۱) بہارستان شاہی کا مؤلف مرزا حیدر دغلت کی مذہبی حکمت عملی کی مذمت کرتا ہے لیکن دولت چک کی تعریف میں وہ زمین آسمان کے قلابے ملاتا ہے وہ لکھتا ہے اس نیکوکار آدمی نے حکم جاری کیا کہ اس کی حدود سلطنت کے اندر ہر شخص کو اس مذہب کی پیروی کی اجازت ہے جسے وہ پسند کرے اور کسی کو مذہبی امور میں دق کرنے کی اجازت نہیں ہے (۲) مگر حقیقت کو اس رائے سے دور کا بھی تعلق نہیں، دولت چک کا رجحان ہمیشہ شیعہ اور نور بخشیہ کی طرف رہا اس نے نور بخشیہ عقائد کے احیار کی بھرپور سعی کی۔ زڈی بل میں شمس الدین عراقی کی قبر تعمیر کروائی جسے مرزا حیدر دغلت نے مسمار کروا دیا تھا۔ اس نے شیخ دانیال اور بابا علی نجار کی یاد میں نئی قبریں بنوائیں۔ اس نے سید علی ہمدانی اور شمس الدین عراقی کے صوفیانہ سلسلوں کو دوبارہ زندہ کیا۔ اس نے حکم دیا کہ شیعوں کے بارہ اماموں کا نام خطبہ میں پڑھا جائے (۳) اس نے برہمنوں پر جزیہ عائد کیا۔ جب انہوں نے استدعا کی کہ اس حکم کو منسوخ کیا جائے تو اس نے جواب دیا۔ میں جو ایک مسلمان ہوں، برہمنوں پر ٹیکس لگانا کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ (۴) دولت چک نے لداخ

۱۔ بہارستان شاہی ف ۱۱۸۔

۲۔ بہارستان شاہی ف ۱۲۰ الف

۳۔ بہارستان شاہی ص ۱۲۰ الف ۔ (۴) فشک ص ۳۸۲

اور بلتستان کو فتح کیا لیکن ۱۵۵۴ء کے تباہ کن زلزلہ نے اس کی شہرت کو خاک میں ملا دیا۔ زلزلہ سے ناقابل تلافی، جانی اور مالی نقصان ہوا۔ دریائے ویشاو نے اپنا راستہ بدل لیا۔ تنگ تکھتا سے دریائے ویشاو کے کنارے واقع شہروں حسین پور اور حسن پور میں زلزلہ نے جو تباہی مچائی تھی وہ آج بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ بھونچال کئی دنوں تک روزانہ کئی کئی بار آتا رہا چنانچہ لوگ خیموں میں رہنے لگے اسی سال اسماعیل شاہ دوم مرا اور حبیب شاہ اس کا جانشین ہوا دولت چک کی پریشانیوں کا یہیں خاتمہ نہیں ہو جاتا اس نے اپنے زوال کو اس وقت تیز تر کر دیا ۔ جب اس نے غازی خان چک کی ماں سے شادی کر لی ۔ اسی کے ذریعے اس نے غازی خان کو ــــ جو نوجوان، دلیر اور سنگ دل تھا اپنا مخالف بنا لیا۔ وہ اس قدر برافروختہ ہو گیا کہ انتقام لینے کے لیے دشمنوں کی صفوں میں چلا گیا۔ اور اس نے دولت خان کو مٹا دینے کا منصوبہ بنا لیا۔ جلد ہی موزوں وقت آ گیا۔ جب دولت چک جھیل ڈل میں اکیلا مچھلی کا شکار کر رہا تھا اور جاسوس اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ وہ جب پاس کی ایک پہاڑی پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے ایک چرواہے نے پکڑ لیا اور پھر غازی خان کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ غازی خان نے ۱۷ اکتوبر ۱۵۵۵ء کو اس کی آنکھیں نکال دیں تاکہ وہ ایک سیاسی حریف کی حیثیت سے کام نہ کر سکے۔

شاہمیری سلطنت کا خاتمہ

قائدین کشمیر میں یہ بڑی صفت ہمیشہ رہی ہے کہ انہوں نے شاذ و نادر ہی ملک کی خدمت میں اپنی ذات کو فراموش کیا۔ جب ایک بار اقتدار ان کو مل گیا تو انہوں نے یہی سمجھا کہ ان کو کسی طرح بھی گدی سے ہٹایا نہیں جا سکتا۔ غازی خان جو آباؤ اجداد کے نقش قدم پہ چلا اس عمومی کردار سے مستثنیٰ نہ تھا غرور اور خودسری کا نشہ چڑھا تو اس نے حبیب خان کو برطرف کر دیا حالانکہ وہ اس کا بھتیجا تھا۔ فوراً ہی اس نے ناصرالدین محمد غازی شاہ کا لقب اختیار کر کے سلطان کشمیر ہونے کا اعلان کر دیا اور شاہمیریوں کے جانشین کی حیثیت سے چک خاندان کی بنیاد رکھی۔

چکوں کی اصل اور عروج

چکوں نے پندرہویں اور سولہویں صدی کے دوران کشمیر کی سیاسی اور مذہبی ترقی میں اہم رول ادا کیا ہے تاہم ان کے اصل کے بارے میں بہت کم علم ہے۔ یہ بات کہ وہ اصل کشمیری نہ تھے اور کسی بیرونی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے اجڈ مزاج پر آشوب، عادات اور مضبوط جسمانی ساخت کے پیش نظر صحیح معلوم ہوتی ہے اس میں شک نہیں کہ ان سے متعلق کئی داستانیں مشہور ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ پہلا چک ایک عورت اور اس کے عاشق دیو کی اولاد تھا(۱) کشمیری چکوں کے ناموں میں مشابہت کے پیش نظر قیاس یہ ہے کہ یہ جزیرہ نما ملایا کے چکس کے اخلاف یا وسطی ایشیا کے صحرا نشین قبیلہ کپچک کی اولاد ہیں۔ جو ترک کے نام سے مشہور ہیں۔ ممکن ہے وہ وسطی ایشیا کے ترکمنوں سے نسلی تعلق رکھتے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ علاقہ کوہ کند میں رہنے والے کسی قدیم قبیلہ کی شاخ ہوں جو ڈاکے ڈالتے اور مسافروں کو لوٹا کرتے تھے پھر جب کسی مغل فوجی سردار نے شمالی ہند پر حملہ کیا تو ان لوگوں کو اپنی فوج میں بھرتی کر لیا ہو۔

ان کی اصل کچھ بھی ہو زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ گلگت اور ہنزہ کے علاقہ میں فاتح یا پناہ گزین کی حیثیت سے آباد ہو گئے۔ تب سے یہ علاقہ دردستان کے نام سے مشہور ہوا غالباً ان میں سے کچھ چیا گانگ پہاڑیوں اور بھوٹان میں نقل مکانی کر کے چلے گئے ہوں گے۔

حقیقت کچھ بھی ہو چک جو پہلے منیں تو دسویں صدی میں کشمیر میں ضرور وارد ہوئے تھے بے حد

۱۔ تاریخ اعظمی ص ۴۷

سازشی تھے ان کے جسمانی خد وخال اور ظالمانہ عادات کو دیکھتے ہوئے ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ کئی صدیوں تک وادی میں بسنے کے باوجود وہ مقامی آبادی سے گھل مل نہ سکے کیونکہ وہ ان سے ڈرتے اور الگ رہتے رہے۔

مقامی مورخین کے مطابق چک پہلے پہل دردستان یعنی گلگت اور ہنزہ سے آئے تھے اور راجہ سہدیو کے عہد (۱۳۰۵-۲۴) میں پناہ گزین کی حیثیت سے کشمیر میں داخل ہوئے تھے وہ اپنے سردار لنگر چک کی قیادت میں آئے۔ اور ترہ گام (۱) میں مقیم ہوئے تھے۔ تاریخ فرشتہ کے مطابق سلطان شمس الدین شاہمیر نے ان کو بھرتی کر کے عظمت بخشی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ چکوں نے راجہ سہدیو کے عہد سے بہت پہلے کشمیر کو اپنا وطن بنا لیا ہو گا۔ ہم فارسی مورخین کے لنگر چک کی تطبیق الم کار چکر سے دے سکتے ہیں (۲) کلہن اسے کرناہ کا ایک طاقتور جاگیردار بتاتا ہے جس کے دردستان کے سرداروں سے شادی بیاہ کے رشتے تھے اور جو ۱۱۴۳ء میں راجہ جےسنگھ کے لیے بڑی پریشانی کا سبب بنا تھا۔

جب چک ترہ گام میں بس چکے تب کشمیریوں کو معلوم ہوا کہ وہ بے رحم اور ظالم لوگ ہیں وہ ان سے نفرت کرنے اور انہیں دور رکھنے لگے۔ پندرھویں صدی کے شروع میں وہ اپنے سنگدل سردار پانڈو چک کی زیر قیادت بارہ مولہ اور سوپور کے درمیان وادی کے شمالی حصہ میں قتل و غارت کرتے نظر آتے ہیں۔ پھر تو وہ عوام کے لیے ایک مستقل خطرہ بن گئے۔ ان کاموں سے ان کو روکنے اور پابند قانون بنانے کے لیے سلطان زین العابدین نے ایک نیا پرگنہ زین گیر بنایا جسے اس نے سخت انتظام اور پولیس کنٹرول میں دے دیا تھا۔ اسے چک موسمی تفریح گاہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ یہاں سلطان نے چند بہادر کشمیری خاندانوں کو جو چکوں کے حملوں کا مقابلہ کر سکیں آباد کر دیا تھا آئندہ کے لیے ان کی نقل وحرکت پر مسلسل نظر رکھنے کی غرض سے اس نے ولر

۱۔ دشری گوم، اتر مچھل پورہ۔ وادی لولاب (مصنف)

۲۔ راج ترنگنی اشلوک ۱۸۴۳۔

جھیل میں اپنے لیے ریسٹ ہاؤس تعمیر کروایا اور اس کا نام زین لنک رکھا۔

یہ محسوس کرتے ہوئے کہ سلطان چکوں کی آزادیاں محدود کرنے پر تلا ہوا ہے اور ان کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھتا ہے، پانڈو چک نے اس کا انتقام لینے کی ٹھان لی، اس نے نوشہر (سرینگر) میں سلطان کے محل کو آگ لگا دی جس سے آبادی کو زبردست جانی و مالی نقصان پہنچا: اس پر سلطان مجبور ہو گیا کہ وہ چک، خاندان کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کرے چنانچہ اس نے حکم دیا کہ ان کے تمام مکانوں کو مسمار کر دیا جائے (۱) پانڈو چک اور دوسرے ممتاز چکوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا مگر انکے بیوی بچوں کو کچھ نہ کہا گیا شر یور لکھتا ہے۔ سلطان چکرس (چک) کرامراجیہ (کامراز) لوگوں کو شر پسند سمجھتا تھا اس نے ان کی زمینیں چھین لیں۔ البتہ ان کو ضروریاتِ زندگی مہیا کر دیئے تھے۔ اور ان کو مدوا (مراز) کے علاقہ میں آباد کیا (۲) ظاہر ہے کہ زین العابدین نے ان کی لوٹ مار کی عادات کو دبا دیا تھا۔ اس نے کچھ کو کپواڑہ اور کچھ کو ترہ گام میں بسا کر ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ وقت گزرنے کے بعد دونوں شاخیں کپواڑی چک اور ترہ گامی چک کے ناموں سے مشہور ہوئیں، آہستہ آہستہ ان کا کردار بدلا اور ان کو سپاہی پیادہ اور کسان کی حیثیت سے کام دیا گیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ ۱۴۸۴ء میں پہلی سید حکومت کے خاتمہ تک چک اپنا وجود منوانے کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں تھے باہمی جنگ آزما سلاطین، محمد شاہ اور فتح شاہ کے عہد میں جب مقامی رہنماؤں کے درمیان باہمی رسہ کشی آئے دن کا معمول بن گئی تو چکوں نے اس موقع سے خوب فائدہ اٹھایا انہوں نے سادات کے خلاف کشمیری رہنماؤں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر لیا اس کے بعد وہ اپنی سیاسی ضرورت کے مطابق ان سے لڑتے جھگڑتے رہے۔ سادات کے زوال کے بعد ان کی سیاسی حیثیت محض خیالی نہیں رہی تھی۔ ماگرے اور رینہ خاندانوں سے جوان کے واحد

۱۔ بہارستانِ شاہی ص ۱۰۱

۲۔ شر یور ص ۱۰۲

سیاسی حریف تھے الگ ہو کر چک ہمت، مکارانہ حکمت عملی، سیاسی قیادت اپنے ہاتھ میں لینے میں کامیاب ہو گئے۔ سیاسی زندگی کے آغاز میں وہ اپنے زیرک وہوشیار قائد کاچی چک کی رہنمائی میں "بادشاہ گر" کا رول ادا کرتے رہے مرزا حیدر دغلت کا دس سالہ دور اقتدار چکوں کی زندگی کا تاریک ترین دور تھا۔ انہوں نے سیاسی طور پر نقصان اٹھایا اور مذہبی طور پر بھی اگرچہ ان کو دبایا گیا لیکن مٹایا نہ جاسکا جب ماگرے اور دیگر رہنما مرزا حیدر دغلت کے زوال کے لیے چکوں سے مل گئے تو تاریخ نے اپنے آپ کو دھرادیا اب انہوں نے اپنے تئیں آمر کی حیثیت سے مستحکم کرلیا۔ ۱۵۵۰ء میں مرزا حیدر دغلت کی موت نے دولت چک اور غازی خان چک کو بڑی سیاسی اہمیت دے دی تھی اور جس روز منچلے غازی خان چک نے دولت چک کی آنکھیں نکالیں۔ چکوں کی بادشاہت مسلمہ حقیقت بن گئیں۔

یہ معلوم نہیں کہ کشمیر کو اپنا وطن بنانے سے پہلے چکوں کا مذہب کیا تھا۔ ان کے ناموں مثلاً لنگر چک، شنکر چک، پانڈو چک، ہلمت چک اور کاچی چک سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ غالباً غیر مسلم تھے ان کا اصل مذہب کچھ بھی ہو یہ حقیقت ہے کہ چند ایک نے سادات کے عہد میں اسلام قبول کرلیا جبکہ باقی شمس الدین عراقی کی تبلیغ و ترغیب سے شیعہ یا نور بخشیہ بنے۔

ناصر الدین محمد غازی شاہ - (۱۵۵۵ - ۶۲ء)

کشمیر کا پہلا چک بادشاہ غازی خان، ناصر الدین محمد غازی شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا غازی خان ایک زبردست سیاسی شعور کا مالک اور کشورداری کے مروجہ امور میں ماہر تھا۔ اسے قدرت کی طرف سے انتھک طاقت اور مضبوط ارادہ ملا تھا دوسری طرف غیر مصالحت پسند طبیعت رکھنے کا عیب بھی اس میں موجود تھا وہ بہت جلدی دشمن بنالیتا تھا۔ دلیل و برہان کو ہرگز نہ مانتا، کسی کو معاف نہ کرتا وہ عدل وانصاف کے معاملہ میں بڑا ہی سخت گیر تھا اور اکثر اوقات معمولی نوعیت کے جرائم پر شدید ترین سزا دیتا۔ اور اس سلسلے میں اپنے بیٹوں کو بھی معاف نہ کرتا اس کی سخت سزاؤں

کے بارے میں ریکارڈ بتاتا ہے کہ اس نے پھل چرانے پر سات سال کے بچے کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور ایک آدمی کے جرم پر سارے گاؤں کو لوٹ لیا گیا (۱) غازی خان کو غصے اور مایوسی کے بحران میں دھکیل دیا گیا تھا جس کی وجہ سے اس نے ناقابل معافی وحشیانہ مظالم ڈھائے۔ پھر وہ جذام کا مریض بھی ہو گیا۔ اس نے متضاد کام انجام دیئے وہ علم کا شیدائی اور علماء کا محسن رہا۔ بہرحال حکمران کی حیثیت سے اس نے ایک ناقص ذہن کی تمام علامات دکھائیں۔ بہارستان شاہی کے مطابق مغلوں پر دو فتوحات غازی چک کا عظیم الشان کارنامہ ہے لیکن رعایا پر اس کے جور و ستم، خون ریزی کی روایات، کی ابتداء آنکھیں نکالنے، اعضا کو الگ الگ کرنے اور خونی رشتہ داروں کی ہلاکت کے حوالے سے دیکھا جائے تو کوئی نہیں جانتا کہ ایسا ظالم آدمی کسی اور عہد میں ہوا ہے یا نہیں۔ (۲)

شاہ ابوالمعالی کا حملہ (۱۵۵۷ء)

غازی خان کی تیز مزاجی نے اسے رعایا کے لیے ناقابل برداشت اور مکروہ بنا دیا تھا چنانچہ انہوں نے اس کے خلاف متعدد بغاوت کر دی۔ مگر ان کو کچل دیا گیا اور ان میں سے کچھ جان بچانے اور اپنے پیشروؤں کی طرح بیرونی امداد حاصل کرنے کی غرض سے ملک چھوڑ کر باہر چلے گئے۔

اسی دوران ابوالمعالی جو جنگ و جدل اور بغاوت کے لیے بدنام تھا۔ اکبر بادشاہ کے حضور گستاخانہ رویے کی سزا میں لاہور میں قید کر دیا گیا۔ لیکن اس نے اپنی چالاکی اور کشمیر کے یوسف چک کی تدبیر سے زنداں خانے سے بھاگ نکلنے کا انتظام کر لیا۔ تب یوسف اسے نوشہرے آیا۔ یہاں کشمیر سے بھاگے ہوئے سرداروں دولت چک، خواجہ حاجی، اور فتح چک وغیرہ نے منصوبہ بنایا تاکہ اسے غازی شاہ کے خلاف استعمال کیا جا سکے۔ شاہ ابوالمعالی ۱۵۵۷ء میں آٹھ سو کشمیریوں کے ہمراہ پونچھ

۱۔ شُنگک ص ۲۹۰۔ ۲۔ بہارستان شاہی ص ۱۲۲

کے راستے روانہ ہوا اور بارہ مولہ کی وادی میں خفیہ دروں سے داخل ہوا (۲) غازی شاہ بھی حملہ آوروں کے مقابلہ کے لیے بڑھا چنانچہ دونوں کی پٹن میں مڈ بھیڑ ہوئی۔ شاہ ابو المعالی کو شکست ہوئی اور وہ بدترین حالت میں کشمیر سے بھاگ گیا۔

قرا بہادر کا حملہ (۱۵۶۱ء)

پٹن کی فتح نے غازی خان کو آپے سے باہر کر دیا تھا وہ اور بھی متکبر ہو گیا اور پہلے سے زیادہ ناانصافیاں روا رکھنے لگا۔ جب اس کے مظالم کی رپورٹیں پہنچیں تو اکبر نے مرزا حیدر دغلت کے چچا زاد قرا بہادر کو ۱۵۶۱ء میں ایک بڑی فوج کا سپہ سالار بنا کر کشمیر پر حملہ کے لیے روانہ کیا تاکہ وہاں کے باشندوں کو ظلم و ستم سے نجات دلائی جائے۔ مرزا قرا بہادر کے بارے میں خیال یہ تھا کہ وہ کشمیر کی جغرافیائی حیثیت اور اس کی تاریخ سے واقف ہو گا لیکن وہ نہ تو ہوشیار تھا اور نہ ہی جفاکش۔ اس نے مہم انجام دینے میں بہت دیر کر دی (۱) آخر کار وہ جب راجوری پہنچا تو موسم گرما اپنے شباب پر تھا۔ یہاں اس نے کشمیری سرداروں سے ملاقات کی جو غازی خان کے ظالمانہ سلوک کی وجہ سے اسے چھوڑ آئے تھے انہوں نے جب دیکھا کہ قرا بہادر کی فوج منظم نہیں تو اکثر اس سے بھی الگ ہو گئے۔ مزید برآں یہ کہ مغلوں نے کمک پہنچنے کے انتظار میں تین مہینے بھمبر میں ضائع کر دیے اور چونکہ ان کے سردار بہت بوڑھے تھے لہٰذا انہوں نے پہنچنے میں زیادہ وقت لیا اس اثناء میں غازی شاہ نے کشمیر جانے کے سارے درے اور راستے بند کر دیئے اور پھر وہ خود پیدل فوج لے کر حملہ کے لیے روانہ ہوا، اس نے اپنی افواج میں یہ اعلان کر کے ایک ولولہ تازہ پیدا کر دیا کہ دشمن کے ایک ایک سر کے بدلے سونے کی ایک ایک مہر عطا کی جائے گی (۳) دونوں لشکروں کا مقابلہ راجوری

---

(۱) اکبر نامہ ج ۲، ص ۱۵۴۔

۲۔ اکبر نامہ ج ۲، ص ۱۹۸

۳۔ تاریخ حیدر ملک ص ۵۶

میں ہوا۔ کئی دنوں کی مسلسل اور شدید لڑائی کے بعد قرا بہادر کو شکست ہوئی۔

ابوالفضل رقم طراز ہے کہ کشمیریوں کے پاس اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ قرا بہادر کو شکست دیتے بلکہ اس کی شکست کا سبب یہ تھا کہ جاڑے کے بخاروں کا موسم تھا یہ سات شروع ہو گئی تھی اور امدادی فوجیں نہیں پہنچی تھیں اس کے برعکس نظام الدین نے لکھا ہے کہ مغلوں کو فی الواقع عبرتناک شکست ہوئی۔ قرا بہادر کے پاس بھاری فوج اور نوہاکھی موجود تھے اس کے باوجود اس معرکہ میں پانصد مغل کھیت رہے[1]۔ کشمیری مورخین کا خیال یہ ہے کہ مغل سات سو جوانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے (۲) اس شکست نے مغلوں کے حوصلے اس قدر لپست کر دیئے تھے کہ آئندہ پچیس برسوں تک اکبر نے فتح کشمیر کے لیے کوئی سنجیدہ کوشش تو نہ کی لیکن کشمیر کی تسخیر میں اس کی دلچسپی روز بروز زیادہ ہوتی چلی گئی۔

غازی شاہ کی دست برداری

جب ناراض کشمیری سردار بیرونی مدد کے سہارے غازی شاہ کی حکومت کا تختہ نہ الٹ سکے تو انہوں نے کشتواڑ اور لداخ میں بغاوت کر دی۔ غازی شاہ نے اپنا بیٹا احمد خان ۱۵۶۲ء میں بھاری فوج دے کر لداخ کی بغاوت کو کچلنے کے لیے بھیجا مگر احمد خان دشمن کا سامنا کیے بغیر ہی بزدلی دکھاتے ہوئے لوٹ گیا۔ اس بات سے باپ اس قدر ناراض ہوا کہ اس نے بیٹے کو عاق کر دیا اور پھر بذاتِ خود اس مہم پر روانہ ہوا دارالحکومت سے اس کی طویل غیر حاضری کے دوران دشمنوں نے غازی شاہ کے ناراض و برہم بیٹے اور بھائی سے اتحاد کر لیا اور ملک میں فسادات پھیلا دیے۔ صورت حال کی سنگینی کے پیشِ نظر اسے لداخ کی مہم سے جب وہ پورے زوروں پر تھی واپس آنا پڑا لیکن سفر کی دشواری اور شدت سرما نے اس کے بدن کی جذامی کیفیت کو اور خراب کر دیا۔ یہاں تک کہ اس کی انگلیاں

۱۔ طبقات ص ۶۲۲۔

۲۔ تاریخ حیدر ملک۔ ص ۵۶

گر گئیں اور وہ بینائی کھو بیٹھا، لہٰذا مجبور ہو کر اسے ۱۵۶۲ء میں اپنے بھائی حسین خان چک کے حق میں حکومت سے دستبردار ہونا پڑا۔

حسین شاہ چک (۱۵۶۲-۶۹ء)

حسین خان چک ۱۵۶۲ء میں محمد نصیر الدین حسین شاہ غازی کے لقب سے تخت نشین ہوا اس نے انصاف اور امن کی پالیسی اپنائی وہ بہت جفاکش آدمی تھا۔ وہ کشمیر کا واحد سلطان ہے جس نے مناسب طریقے سے اپنی مصروفیات کی منصوبہ بندی کی ہفتہ کا ہر روز ایک خاص کام کرنے کے لیے مخصوص ہوتا۔ سینچر کا روز برہمن اور بودھ بھکشوں کی ملاقات کے لیے تھا۔ وہ ریاست کے تمام سرکاری و غیر سرکاری کاموں میں باقاعدگی کے ساتھ شمولیت کرتا۔ اس طرح اس نے اپنے تئیں ہر دل عزیز بنا لیا۔

اس کے باوجود حسین شاہ آرام سے حکومت نہ کر سکا۔ اسے اپنے بیٹے شنکہ چک نیز احمد خان اور غازی شاہ کے بیٹوں نے پریشان کر رکھا تھا حالانکہ وہ غازی شاہ کے خلاف سازش میں شریک تھے۔ انھوں نے اس کے خلاف بے اعتمادی اور بے اطمینانی پھیلا دی ایک بدنام باغی خان زمان دل کھول کر ان کی مدد کر رہا تھا لیکن حسین شاہ نے ان کی ایک نہ چلنے دی۔ اپنے ہوشیار جاسوسوں کی مدد سے اس نے سازشوں کو ناکام بنا دیا۔ خان زمان گرفتار ہوا اور اسے زینہ کدل پل پر برسر عام پھانسی دی گئی (۱) مسعود نائیک جو بادشاہ کے حفاظتی دستہ کا کمانڈر تھا اور جس نے باغی سردار کو گرفتار کیا تھا۔ بہادری اور وفاداری کے سبب انعام واکرام سے نوازا گیا اسے شہزادہ کا درجہ اور بہادر خان کا لقب دیا گیا۔ ازاں بعد احمد خان کی آنکھیں نکال دی گئیں بیٹے کے المناک مقدر نے غازی شاہ کی موت کو نزدیک کر دیا۔

حسین شاہ شاعر اور فنون لطیفہ کا قدردان تھا۔ ہندوؤں کے ساتھ برتاو میں ..... آزاد

۱۔ سُنکھ ص ۳۹۲

خیال اور رواداری ...... تھا وہ ان کے سالانہ تہواروں میں شریک ہوتا۔ تاہم اس میں خفیہ تعصب کے آثار موجود تھے جس کی وضاحت مندرجہ ذیل واقعہ سے ہوجائے گی۔

قرا بہادر کی شکست کے بعد بھی اکبر کشمیر میں ہونے والے واقعات کے بارے میں اطلاعات حاصل کرتا رہا۔ اسے خاص طور سے غازی چک کے عہد میں کشمیر میں سیاسی معاشرتی اور مذہبی حالات کی رپورٹیں ملتی رہیں۔ خوبصورت وادی کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے اور پریشان حال رعایا کو امن و امان دینے کے لیے اس کی دلچسپی روز بروز بڑھتی رہی۔

ابتدائی قدم کے طور پر اس نے ۱۵۶۸ء میں مرزا مقیم اصفہانی اور میر یعقوب کو سفیر بنا کر حسین شاہ چک کے دربار میں بھیجا۔ یہاں پہنچنے پر سفیروں کا شایان شان استقبال کیا گیا اور وادی میں ان کے آرام دہ قیام کے لیے پر تکلف انتظامات کیے گئے۔ اس وقت ایک جھگڑا کھڑا ہو گیا جو شروع میں ہی نرالا معلوم ہوتا تھا جس نے جلد ہی ایک معاشرتی پریشانی کی صورت اختیار کر لی اس کا تعلق مسلم لا کی تفسیر سے تھا جس میں مرزا مقیم بھی شریک تھا۔ جھگڑا اس وقت کھڑا ہوا جب قاضی اور جامع مسجد کے خطیب کو جو سنی تھا جمعہ کے روز یوسف نامی شیعہ نے زخمی کر دیا۔ ابتدا میں قاضی نے یوسف کو تازیانہ مارا تھا پھر موخر الذکر نے جو ایک معزز سپاہی تھا قاضی کو تلوار سے زخمی کر کے انتقام لیا۔ جلد ہی یہ جھگڑا پورے شہر میں پھیل گیا جب سنیوں کا فرقہ وارانہ جنون اپنی انتہا کو پہنچ گیا تو شیعہ سلطان نے سنی مفتیوں ملا یوسف اور ملا فیروز کو مامور کیا کہ وہ معاملہ کی تحقیقات کر کے سزا تجویز کریں۔ انہوں نے سفارش کی کہ یوسف کو سزائے موت دی جائے۔ سلطان نے فیصلہ بحال رکھا۔ چنانچہ یوسف کو موت کی سزا دی گئی حالانکہ خود قاضی احتجاج کرتا رہا کہ جب زخموں سے میں بچ نکلا ہوں تو اسے یہ سزا نہیں دی جا سکتی۔ اس پر مرزا مقیم نے جو ایک پر جوش شیعہ تھا۔ مفتیوں کو دلیل لانے کا چیلنج دے دیا۔ جب وہ کوئی مذہبی یا آئینی دلیل نہ لا سکے تو انہیں سلطان کے محافظ اسلحہ فتح خان کی تحویل میں دے دیا

گیا۔ فتح خان نے ان کو شہر کے کوچہ و بازار میں نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ گھمانے کے بعد مروا دیا۔(۱)

اس واقعہ کے بعد مرزا مقیم اور میر یعقوب دونوں نے کشمیر کو چھوڑ دیا۔ حسین شاہ نے قیمتی تحائف دیئے اور اپنی بیٹی بھی ان کے ساتھ بھیج دی جس کی شادی شہزادہ سلیم سے ہونا تھی بہر حال اس نے دیدہ و دانستہ اکبر کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کر لیا۔ دریں اثنا کچھ کشمیریوں نے جن کی شیخ عبد النبی کے توسط سے دربار اکبری میں رسائی تھی اکبر کو اس کردار سے آگاہ کیا جو کشمیر میں اس کے سفیروں نے انجام دیا تھا۔ بادشاہ اپنے سفیروں کے احمقانہ اور متعصبانہ کردار سے سیخ پا ہو گیا اور جوں ہی وہ واپس آئے ان کو فتح پور سیکری میں پھانسی دے دی۔ سلطان کشمیر کے سلوک پر ناراضگی جتلانے کے لیے اکبر نے اس کی بیٹی کی پیشکش ٹھکرا دی اور اسے کشمیر لوٹا دیا گیا(۲) حسین شاہ نے اس توہین کو بری طرح محسوس کیا اور ساتھ ہی جب یہ دیکھا کہ رعایا اس سے الگ ہو گئی ہے تو وہ سات سال حکومت کرنے کے بعد ۱۵۶۹ء میں اپنے بھائی علی خان کے حق میں جسے عوام چاہتے تھے۔ دست بردار ہو گیا پھر وہ زین پور میں رہنے لگا اور وہیں ایک عام آدمی کی طرح فوت ہوا۔

علی شاہ (۷۹ ۔ ۱۵۶۹ء)

علی خان ظہیر الدین محمد علی بادشاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا وہ رحم دل اور دلیر بادشاہ تھا وہ ملک کے اندر امن و امان برقرار کر کے اور بیرونی ممالک سے درستی استوار کر کے ہر دل عزیز

۱۔ طبقات ص ۶۲۷

۲۔ طبقات ص ۶۲۸

بن گیا۔ اس نے اپنے عہد حکومت کا آغاز جامع مسجد میں کھلے طور پر عوام کے سامنے اپنا تعارف کروا کے کیا یہاں اس نے وعدہ کیا کہ وہ ایک محب وطن بادشاہ کی حیثیت سے حکومت کرے گا اور کوئی مذہبی تعصب اس کے حکومتی فرائض میں رکاوٹ نہیں بنے گا (۱)

انیسویں صدی کی تحریک اصلاح مجرمان کے پیشرو کی حیثیت سے اس نے ظالمانہ سزاؤں مثلاً میخیں ٹھونک کر سولی دینا۔ اعضا کو جدا کرنا۔ آنکھیں نکالنا نیز سزائے موت کو ختم کر دیا۔ اس نے انصاف اعتدال اور نرم دلی سے ملک پر حکومت کی اور اپنا سارا وقت اور ساری طاقت رعایا کی خدمت میں صرف کر دی۔

اس کے باوجود اس کا عہد جنگوں اور ناگہانی مصائب سے خالی نہیں گزرا۔ کشتواڑ کی پہاڑی ریاست اپنے خاص جغرافیائی محل وقوع کے باعث غازی شاہ کے عہد سے ہی باغیوں اور شورشیوں کا اکھاڑہ بنی ہوئی تھی۔ یہیں سے وہ وادی پر حملے کرتے اور حکومت کو پریشان کر دیتے۔ ۱۵۷۲ء میں علیشاہ نے قانون شکنوں نیز راجہ کشتواڑ کی گوشمالی کے لیے جس نے ان کو پناہ دے رکھی تھی فوجیں بھیجیں۔ باغی تو غائب ہو گئے لیکن راجہ بہادر سنگھ کو سلطان کشمیر کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کرنا پڑا۔ اور وفاداری کے ثبوت میں اپنی بہن شنکر دیوی کی منگنی سلطان کے پوتے یعقوب خان سے کروا دی (۲) لیکن جوں ہی کشمیر کی فوج واپس ہوئی راجہ معاہدہ سے پھر گیا جس کی قیمت اسے جلد ہی ادا کرنا پڑی۔ دوسری مہم ۱۵۷۴ء میں عمل میں آئی اور راجہ نے اطاعت قبول کر لی۔ اس نے اپنا بیٹا راج سنگھ کشتواڑ کا زعفران، اور اپنی بیٹی نیج خاتون بطور تحفہ بھیجی تاکہ اسے حرم سلطان کی رونق بنایا جائے۔

جھوٹے دعویداروں کا قیام

سلطان نازک شاہ کی برطرفی کے زمانہ سے جو ۱۵۵۱ء میں ہوئی تھی اس کے دو بیٹے حیدر خان اور

۱۔ بہارستان ۱۲۸ الف ۲۔ تاریخ حیدر ملک ص ۶۱

سلیم خان ہمسایہ پہاڑی ریاست پونچھ میں پناہ گزین کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ کچھ ناراض کشمیری لیڈران سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ انہیں علی شاہ چک کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکیں ان کو روپیہ اور آدمی دیئے گئے تاکہ وہ کشمیر پر حملہ کریں۔ یہ شہزادے، نوجوان ناتجربہ کار اور بے تدبیر تھے اس لیے آسانی سے بے وقوف بنا لیے گئے۔ وہ ۱۵۷۵ء میں ایک بھاری فوج کے ساتھ نوشہر کی طرف سے کشمیر پر حملہ آور ہوئے مگر وہ مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس کا سبب فوجی نہیں بلکہ سیاسی تھا ان کی شکست کا سبب سلطان کے وفادار اور قابل اعتماد گورنر راجوری محمد خان کی شاطرانہ تدبیر تھی۔

وہ طریقہ جس سے اس نے جھوٹے دعویداروں کو افواج کشمیر کے آمنے سامنے ہونے سے پہلے ہی کچل دیا تھا بڑا دلچسپ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حملہ آوروں کے راجوری پہنچتے ہی محمد خان نے اپنے کو شہزادوں کا منظورِ نظر بنا لیا۔ اس نے ان سے ہمدردی کا اظہار کیا اور یہ یقین دلایا کہ وہ ان کے مقصد میں مخلص ہے۔ ظاہری طور پر اس نے اپنے رویہ کی صداقت ثابت بھی کر دی جب اس نے لوہر خان چک کو گرفتار کر لیا جو اسی اقتدار میں کشمیری فوجوں کا کمانڈر بن کر راجوری پہنچ گیا تھا تاکہ حملہ آوروں کی پیش قدمی روک سکے۔ اب اس نے شہزادوں میں پھوٹ ڈال دی اس نے بڑے دعویدار حیدر خان کے لیے کشمیر کو فتح کرنے کے واسطے اپنی خدمات اس شرط پر پیش کر دیں کہ مذکور کا چھوٹا بھائی سلیم خان اس کے ساتھ جائے۔ یہ شرط مان لی گئی۔ جب وہ اور سلیم خان تھنہ پہنچے تو یہاں ایک تنگ گھاٹی میں عیار محمد خان شہزادہ کے خلاف ہو گیا اور وہیں اس کو قتل کر دیا۔ شہزادہ حیدر خان کو جو عقب میں آ رہا تھا یہ خبر پہنچی تو اسے محمد خان کے مکارانہ سلوک پر اس قدر دکھ ہوا کہ اس نے کشمیر کی طرف ہمیشہ کے لیے پیٹھ پھیر لی اور یہ مہم ناکام ہو گئی۔

اکبر اور کشمیر

۱۵۶۸ء میں اکبر نے ملا عشقی اور قاضی صدرالدین پر مشتمل دوسرا مشن کشمیر بھیجا۔ سلطان علی شاہ

نے بھی اپنی طرف سے مناسب صلہ دیا۔ اس نے اکبر کو حاکم اعلیٰ تسلیم کر لیا اس کے نام کا خطبہ پڑھا اور سکّہ جاری کیا (۱) جب ۱۵۷۹ء میں سفیر کشمیر سے روانہ ہوئے تو اس نے بادشاہ کے لیے کشمیر کے بہترین تحائف زعفران، کستوری اور شال وغیرہ بھیجے۔ اور مستقل اطاعت کے ثبوت کے طور پر اس نے محمد قاسم کو مغل دربار میں نمائندہ بنا کر بھیجا اور اپنی بھتیجی کی منگنی بھی شہزادہ سلیم سے کروا دی۔

۱۵۷۶ء کا قحط

علی شاہ کے عہد حکومت کے آخری تین سال کشمیر کو قحط اور سوختگی کے تباہ کن نتائج برداشت کرنا پڑے۔ ۱۵۷۶ء میں قحط کا سبب وقت سے پہلے کی برف باری تھی۔ جب دھان کی فصلیں ابھی کھڑی تھیں۔ مؤرخین قحط کی ہولناک تفصیل دیتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہزاروں لوگ بھوک کے مارے جاں بحق ہو گئے، جو بچے انہوں نے مُردوں کا گوشت کھایا، اکثر نے روٹی حاصل کرنے کے لیے اپنے لخت جگر تبادلہ میں دیے اور کئی تو ملک ہی چھوڑ کر چلے گئے۔ بادشاہ نے رعایا کے مصائب کم کرنے کے لیے حکومت کے تمام وسائل صرف کیے لیکن قحط اپنی پوری ہلاکت آفرینیوں کے ساتھ کوئی تین سال تک رہا۔ مصیبت اپنی انتہا کو اس وقت پہنچی جب سرینگر کے شمالی حصے کو آگ نے خاکستر بنا دیا جس سے زبردست جانی و مالی نقصان ہوا۔

علی شاہ عیدگاہ گراونڈ میں پولو کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر پڑا اور ۱۵۷۹ء میں فوت ہو گیا اس نے نو سال حکومت کی۔ پھر اس کا بیٹا یوسف شاہ تخت نشین ہوا۔

یوسف شاہ چک کشمیر کی تاریخ میں سب سے بڑا عاشق مزاج بادشاہ ہو گزرا ہے۔ وہ اپنا اکثر وقت جنگلوں، مرغزاروں، اور سحر آفریں نظاروں میں گزارتا، گلبرگ کا حسن پہلے پہل اسی نے دریافت

۱۔ طبقات ص ۶۲۹۔

گیا تھا جب وہ حبہ خاتون کے ہمراہ سیر و تفریح کے مزے لے رہا تھا۔ وہ ایک عمدہ شاعر، موسیقار، اور عاشق فطرت تھا اس نے کشمیری، ہندی، اور فارسی میں اعلیٰ قسم کی نظمیں اور گیت کہے۔ وہ ہند میں بادشاہ اکبر کے سیمیناروں اور رگو تیوں کے گروہوں میں شرکت کیا کرتا جہاں تان سین بھی حاضر ہوتا۔ (۱)

اس کے باوجود یوسف شاہ ہسرت کی پُرامن روشوں پر چلنا نہیں چاہتا تھا۔ بنیادی طور پر غلطی اس کی اپنی تھی وہ ایک عام آدمی کی حیثیت سے نادان اور ایک بادشاہ کی حیثیت سے موقع ناشناس آدمی تھا۔ اس کا عہد حکومت خانہ جنگی سے شروع ہوا اور کشمیر کی آزادی و استقلال کے خاتمہ اور اکبری سلطنت کے ساتھ الحاق پر ختم ہوا۔

باپ کے مرنے کے فوراً بعد یوسف شاہ کو للکارا گیا کہ وہ اپنے استحقاق سلطنت کو سچا ثابت کرنے کی غرض سے اپنے چچا ابدال چک سے نبرد آزما ہو۔ سید مبارک خان جو خود تخت حکومت پر قبضہ کرنا چاہتا تھا، سازشیں کر کے اسے جنگ میں گھسیٹ لایا تھا۔ چنانچہ نوہٹہ میں لڑائی لڑی گئی ابدال چک کو شکست ہوئی اور اسے قتل کر دیا گیا (۲) نوہٹہ کی فتح نے یوسف شاہ کے دعویٰ حکمرانی کو مستحکم تر کر دیا تھا۔ ۱۵۷۹ء میں اس نے نصیر الدین محمد یوسف بادشاہ غازی کے لقب سے اپنی بادشاہت کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔ تاہم جلد ہی وہ عیش و عشرت میں پھنس گیا اور ..... فرائض منصبی کو فراموش کر دیا اس سے اس کے حریفوں بالخصوص سید مبارک خان کو ایک بار پھر سر اٹھانے کا موقع مل گیا اور ملک کا نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا۔

سید مبارک خان بیہقی سادات کا آخری ممتاز کارکن تھا۔ ۱۴۸۴ء میں کشمیریوں کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد یہ سادات سماجی اور سیاسی اعتبار سے بُرے دن دیکھ رہے تھے تاہم سید مبارک خان عوام میں عزت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اس نے سلطان علی شاہ کے مشیر کی حیثیت سے کام کیا اس حیثیت سے اس نے اذیت ناک سزائیں مثلاً اعضاء کی علیحدگی چشم کنی

۱۔ تاریخ حیدر ملک ص ۶۸ ۲۔ طبقات ص ۳۰-۶۲۹

وغیرہ ریاست کے آئین سے خارج کر دادیں پھر یوسف شاہ اور ابدال چک کی خانہ جنگی میں اس نے اول الذکر کا ساتھ دیا۔ ایک خیال یہ ہے کہ یوسف شاہ پر لڑائی اسی نے مسلط کی تھی۔ ہمیں بھی اس خیال کی تائید کرنا پڑتی ہے کیونکہ ابدال چک کی موت کے فوراً بعد یوسف شاہ کو باغی سادات، نے گھیر لیا اور اس کی قیمت اسے تخت سلطنت کی شکل میں ادا کرنا پڑی۔ ابدال چک کی موت کے بعد سید مبارک خان مضبوط ترین اور باا‌ثر ترین قائد کی حیثیت سے ابھرا یہ عزت دیکھ کر وہ پھولا نہ سمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ جلد ہی اس نے تخت چھیننے کے لیے ذہنی بیقراری کی علامات دکھانا شروع کر دی تھیں۔ ان حالات میں جنگ ناگزیر ہو گئی نادان اور موقع ناشناس یوسف شاہ نے جب اپنے وزرا کی یہ نصیحت رد کر دی کہ سید مذکور کے بڑے بڑے حامیوں کو جاگیریں اور ملازمتیں دے کر اپنے ساتھ ملا لیا جائے تو اس سے بحران میں اور اضافہ ہو گیا (۱) بادشاہ نے خطرے کو حکمت عملی پر ترجیح دی جس کا نتیجہ دوسری خانہ جنگی کی صورت میں نکلا (۲) یوسف شاہ کو عید گاہ سرینگر کے میدان میں سید مبارک بیہقی کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانا پڑی اور پھر وہ جان بچانے کی خاطر ملک سے بھاگ گیا۔

سیّد مبارک شاہ

سید مبارک شاہ نے ۱۵۷۹ء میں حکومت سنبھالی۔ یہ یوسف شاہ سے بڑھ کر بیوقوف نکلا اس نے بے حد کبر و غرور سے کام لیا اور ایک زبردست سیاسی غلطی کا ارتکاب اس وقت کیا جب اس نے علی چک اور نوروز چک کو، جو یوسف شاہ کے خلاف اس کے معاون و مددگار تھے اپنے ہاتھ مضبوط کرنے سے پہلے ہی جیل میں ڈال دیا۔ اس طرح اس نے چکوں کو اپنا دشمن بنا لیا جبکہ کشمیریوں کا رویہ پہلے ہی غیر ہمدردانہ تھا۔ انہوں نے لوہر چک کی قیادت میں بغاوت کر دی اور سید مبارک کو

۱۔ تاریخ حیدر ملک ص ۶۵

۲۔ بہارستان شاہی ف ۴۰

لوہر چک کے حق میں حکومت سے دست بردار ہونا پڑا۔ اس نے بمشکل ڈیڑھ مہینہ حکومت کی۔

لوہر شاہ چک ۸۰-۱۵۷۹ء

لوہر چک یوسف شاہ کا چچا زاد بھائی تھا اس نے صرف ایک سال حکومت کی۔ اس مختصر مدت میں بھی اس نے اپنے عہد کو اقتصادی لحاظ سے سلاطین کشمیر کی تاریخ میں خوش حال ترین عہد بنا لیا تھا کھانے کی اشیا اس نے وافر اور ارزاں مہیا کر رکھیں شالی کی قیمت اس قدر گر گئی کہ ایک خروار ۲/۱ ۱ تولہ وزن کے تانبے کے پیسے سے خریدا جاتا تھا(۱) آج بھی لوہر منڈ کی اصطلاح جس سے ایک بڑی روٹی مراد ہے جو چند سکوں کے عوض خریدی جاتی تھی لوہر شاہ کے اسی عہد کی یاد دلاتی ہے جب کشمیر اقتصادی لحاظ سے خوشحال ریاست تھی۔

یوسف شاہ کی بحالی (۸۶—۱۵۸۰ء)

معلوم ہوتا ہے کہ شکست نے یوسف شاہ کو نیا عزم اور نئی ہمت دے دی تھی۔ وہ ایک ڈرپوک کی طرح خاموش نہ بیٹھا۔ وہ سیدھا فتح پور سیکری گیا۔ ۳ جنوری ۱۵۸۰ء کو اکبر کے حضور حاضر ہوا اور پناہ اور مدد کی درخواست کی۔ اکبر نے جو مدت سے ایسے موقعے کی تلاش میں تھا اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اس نے راجہ مان سنگھ اور مرزا یوسف خان رضوی کو کشمیر پر چڑھائی کرنے اور یوسف شاہ کی حکومت بحال کرنے کا حکم دے دیا۔ اتفاق یہ ہوا کہ لاہور میں یوسف شاہ کو راجہ مان سنگھ کے رویہ پر غصہ آگیا، کیونکہ اس نے موخرالذکر کو کشمیر پر چڑھائی کے لیے سنجیدہ نہیں پایا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یوسف شاہ نے مغل نگہبانوں سے بھاگ نکلنے کا انتظام کر لیا۔ اور وہ اپنے کشمیری پیروؤں سے

۱۔ تاریخ حیدر ملک، ص ۶۸

جا ملاجن کی قیادت سابق وزیر اعظم محمد بھٹ کے ہاتھ میں تھی اس کے حامی لاہور میں ہی اس کا انتظار کر رہے تھے۔ جلد ہی وہ بھمبر پہنچ گئے اور اس طرح مغلوں کی پہنچ سے دور نکل آئے۔

تعجب ہے کہ اسی اثنا میں یہ خبر جنگل کی آگ کی مانند کشمیر میں پھیل گئی کہ یوسف شاہ مغل فوجوں کے ہمراہ حصول اقتدار کے لیے آرہا ہے۔ اس سے کشمیری گھبرا گئے۔ لوھر شاہ چک اور اس کے حامی برُے نتائج سے ڈر کر یوسف شاہ کے پاس پہنچے اور متبادل تجویز پیش کی (۱) انہوں نے اس شرط پر اسے حکومت کشمیر پیش کی کہ وہ مغل فوجوں سے علیحدہ ہو کر کشمیر آجائے اب یوسف شاہ کی حالت یہ تھی کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے آیا وہ مغلوں کی مدد سے کشمیر پر حملہ آور ہو اور ملک کا استقلال کھو دے یا پھر وہ کشمیری رہنماؤں کے وعدوں پر اعتماد کرے اور رعایا کو . . . . کسی قسم کی تکلیف دیئے بغیر حکومت پر قبضہ کر لے بہر حال اس نے موخر الذکر صورت کو ترجیح دی۔ یہ روش اختیار کرنے کے بعد وہ تھوڑی سی فوج لے کر جو لاہور سے آتے ہوئے مقامی لوگوں سے مرتب کی گئی تھی کشمیر کی طرف چل پڑا۔ ریاستی حدود میں قدم رکھتے ہی اسے لوہر چک کی نمک حرامی کا احساس ہو گیا اس نے دیکھا کہ راستوں کو بند کر دیا گیا ہے اور متعدد جگہوں کی مضبوط موروچوں کے ذریعے حفاظت کی جارہی ہے۔ یوسف شاہ اور اس کے باوفا پیرو اس قابل نہ تھے کہ وہ دشمن کی گھات میں بیٹھتے وہ ۸ ر نومبر ۱۵۸۰ء کو کسی رکاوٹ کے بغیر سوپور پہنچ گئے۔ یہاں لوھر چک نے ان کا مقابلہ کیا لیکن وہ میدان ہار گیا اور اپنے سرکردہ پیروؤں کے ساتھ قیدی بنا لیا گیا یوں یوسف شاہ کو ایک بار پھر کشمیر کے تخت سلطنت پر رونق افروز ہو گیا۔

اندرونی استحکام

یوں لگتا ہے کہ جلاوطنی کے دوران یوسف شاہ نے بہت کچھ سیکھا تھا۔ جب اس نے تخت

۱۔ طبقات ص ۱۲۱ء

پر قبضہ کر لیا تو پھر امن کے ساتھ حکومت کرنا مقصد بنالیا تھا لیکن یہ اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک اس کے دشمن کھلے تھے۔ اس نے اپنی پوزیشن خوب مستحکم کی اور پھر دشمنوں کو ڈرایا دھمکایا اور سیاسی طور پر ان کو بے اثر بنا دیا۔ اس کی حکمت عملی یہ تھی کہ تنے کو کاٹو شاخیں خود بخود گر جائیں گی اس نے لوہر شاہ کی آنکھیں نکلوائیں اور پھر اسے حامیوں سمیت جیل میں ڈال دیا البتہ سید مبارک خان کو بالکل نہ چھیڑا گیا کیونکہ اس کے بعض رشتہ دار دربار اکبری میں بڑا اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ غالباً اکبر کو خوش کرنے کے لیے یا اس کی کچھ انتظامی تدابیر کی تقلید میں یوسف شاہ نے تمام ظالمانہ ٹیکس مثلاً میر بحری (ملاحوں پر ٹیکس)، بیگار اور جزیہ معاف کر دیا (۱) اس طرح سے اس نے امن قائم کیا اور وادی میں اور اس کے علاوہ لداخ اور کشتواڑ کے دور افتادہ صوبوں میں بغاوت کو دبا دیا۔

اکبر کے سفیر

یوسف شاہ ملک کے اندر تو ضرور خوش تھا لیکن وہ بیرونی تعلقات کے اعتبار سے خوش نہ تھا۔ اس کی تشویش کا بڑا سبب بادشاہ اکبر تھا جسے وہ پہلے ہی دھوکہ دے چکا تھا جب اکبر نے امور کشمیر میں گہری دلچسپی لینا شروع کی تو یہ کشمیر کے حکمران کے لیے شگون بد ثابت ہوا۔ معاملہ ۱۵۸۱ء میں نازک صورت اختیار کر گیا۔ اکبر کابل سے لوٹا تو جلال آباد پہنچنے پر اس نے مرزا طاہر اور صالح دیوانہ کو سفیر بنا کر کشمیر بھیجا۔ سفیر جب بارہ مولہ پہنچے تو یوسف چک نے گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا اس نے بادشاہ کے مراسلہ کو چوما اور اسے قابل احترام چیز کے طور پر اپنی دستار میں رکھ لیا (۲) اس نے اکبر کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کر لیا حالانکہ اس کے وزراء ایسا نہ کرنے کی نصیحت کرتے رہے۔ پھر اپنی طرف سے بھی اس نے اپنا منجھلا بیٹا حیدر خان تحائف دے کر شیخ یعقوب صرفی کے ہمراہ دربار میں

۱۔ تاریخ حیدر ملک ص ۷۸

۲۔ فرشتہ ص ۳۷۶

بھیج دیا (۱) تاہم صالح دیوانہ نے واپس آکر اکبر کو رپورٹ دی کہ یوسف شاہ نے حکومت مستقل اور محکم بنیادوں پر استوار کر لی ہے۔ اکبر اس قدر برافروختہ ہوا کہ اس نے ۱۵۸۲ء میں حیدر خان کو واپس بھیج دیا کیونکہ اسے بادشاہی فوج کے لیے غیر موزوں سمجھا گیا اور ساتھ ہی یوسف شاہ کو وہ احسانات بھی یاد کرائے گئے جو اس پر کیے گئے تھے۔

اکبر کے سفیروں کی واپسی کے فوراً بعد دو طاقتور چک لیڈروں حیدر چک اور شمس چک نے عام فسادات کا آغاز کر دیا جن کے فرو کرنے میں یوسف شاہ دو سال تک مصروف رہا۔ ۱۵۸۴ء میں امن وامان برقرار کیا تو اپنے بڑے بیٹے یعقوب خان کو تحائف دے کر دربار اکبری میں بھیجا (۲) لیکن نیابت کے ذریعے یہ حاضری یوسف شاہ کے لیے زبردست ناراضگی وتنقید کا سبب بن گئی اس پر یوسف شاہ کو خطرناک نتائج سے گھبرا کر ۱۵۸۵ء میں لاہور میں اکبر کے سامنے خود حاضر ہونا پڑا۔ ادھر یعقوب خان نے جو لاہور میں شاہی کیمپ میں تھا والد کو اطلاع دی کہ بادشاہ کشمیر کی سیر کرنا چاہتا ہے اکبر نے تو کشمیر کی سیر نہ کی البتہ اس نے حکیم علی جیلانی اور بہاؤالدین کمبوہ کو چوتھی مرتبہ سفیر بنا کر ۱۹ اکتوبر ۱۵۸۵ء میں کشمیر بھیجا۔ اسی اثنا میں یعقوب خان خطرہ محسوس کر کے لاہور سے کشمیر بھاگ گیا اس کے اس عمل نے یوسف شاہ کے کیس کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ فضائے برہم سے بچنے کے لیے یوسف شاہ نے بادشاہ کو خراج دینے پر اپنی آمادگی کا اظہار کیا مگر اس کے سرداروں نے یہ دھمکی دے دی کہ وہ اگر ایسا کرے گا تو اسے حکومت سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔

یوسف شاہ کی اسیری

ان واقعات کے نتیجے میں سلطان اور اکبر کے درمیان تعلقات بہتر نہیں ہو سکتے تھے۔ دونوں

۱۔ طبقات ص ۳۶۱

۲۔ طبقات ص ۶۳۱

میں تناؤ بڑھتا ہی چلا گیا۔ تعمیل حکم میں دیر پیدا کرنے والے یوسف شاہ کے داؤ پیچ کو اکبر نے اپنی بادشاہت کے لیے ایک چیلنج سمجھا۔ اس لیے ۱۰ دسمبر ۱۵۸۵ء کو اس نے پانچ ہزار فوج راجہ بھگوان داس، مرزا شاہرخ، شاہ قلی محرم، اور شیخ یعقوب صرفی کشمیری اور حیدر چک کی قیادت و رہنمائی میں بھیجدی (۱) تاہم شدید سردی اور کشمیر وادی اور خطۂ ایبٹ آباد۔ مانسہرہ کے ارد گرد کی پہاڑیوں پر بھاری برف باری کی وجہ سے یہ مہم ناکام ہوگئی۔ (۲)

اصل میں مغل جرنیلوں نے بھمبر کے راستے وادی میں داخل ہونے کا منصوبہ بنایا تھا کیونکہ اسی راستے بھاری فوج اور گھوڑے وغیرہ منتقل کیے جا سکتے تھے۔ اس کے علاوہ پڑوس کے زمینداروں کا رویہ دوستانہ تھا۔ اور انہوں نے ہر قسم کی معاونت کا وعدہ بھی کیا تھا۔ چونکہ بادشاہ بہت متفکر تھا کہ کشمیر کو کسی ڈھیل کے بغیر فتح کیا جائے لہذا اس نے کمانڈروں کو احکامات جاری کر دیے کہ مہم پکھلی سے جو نسبتاً مختصر راستہ ہے اور عام طور پر موسم سرما کے دوران کھلا رہتا ہے شروع کی جائے۔ یہ خبر ملنے پر کہ بادشاہی لشکر پکھلی کے راستے آگے بڑھ رہا ہے۔ یوسف شاہ نے بڑی بے احتیاطی اور نادانی سے فوجی دستے بھیج دیئے تاکہ کوارمرت (۳) کے مقام پر مغل فوجوں کی ناکہ بندی کی جائے۔ فریقین جان پر کھیل کر لڑے شدید سردی اور بارشوں اور برف باری کی وجہ سے مغل فوجوں کی پوزیشن بے حد خطرے میں پڑ گئی اور وسائل کی کمی کے باعث ان کے آدمیوں اور جانوروں کا بے پناہ نقصان ہوا (۴) عبرت ناک ھلاکت سے بچنے کے لیے راجہ بھگوان داس نے اس امید سے صلح کر لی کہ یوسف شاہ کی باقاعدہ اطاعت اکبر کو مطمئن کر دے گی اور یوسف شاہ نے یہ ذمہ داری قبول کی کہ وہ بنفس نفیس دربار میں حاضر ہوگا اور اکبر کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرنے کا اعلان کر دے گا۔ (۵) گمان غالب یہ ہے

۱۔ اکبر نامہ ص ۷۱۵ (۲) اکبر نامہ ص ۷۱۵

۳۔ بلیایس ۴۔ اکبر نامہ ص ۷۲۴

۵۔ تاریخ حیدر ملک ص ۲۸۹

کہ یوسف شاہ مغل افواج کی تباہی سے ملک وقوم کو بچانے کے لیے بہت بے چین تھا لہٰذا وہ ۱۴ فروری ۱۵۸۶ء کو چپکے سے شاہی دربار میں جا پہنچا۔ راجہ بھگوان داس نے ۲۸ مارچ ۱۵۸۶ء کو اسے اکبر کے سامنے پیش کیا مگر تمام توقعات کے برعکس اس نے اپنے تئیں راجہ ٹوڈرمل کی نگرانی میں قیدی پایا۔ اب اس کا لباس ٹاٹ تھا اور بستر راکھ (۱)

یوسف شاہ دو سال کے لگ بھگ سیاسی قیدی رہا اگرچہ اسے اس وقت آزاد کر دیا گیا جب کشمیر کا مکمل طور پر سلطنت اکبری کے ساتھ الحاق ہو گیا۔ مگر عوامی بغاوت کے خطرے سے بچنے کے لیے اسے کشمیر میں داخل ہونے کی اجازت نہ ملی۔ اسے بہار میں چھوٹی سی جاگیر دے دی گئی اور پانسو کے فوجی دستے کا سردار بنا دیا گیا۔ اس نے بنگال میں بھی خدمات انجام دیں اور اوڑیسہ کی تسخیر میں راجہ مان سنگھ کی ہمراہی کی یوسف شاہ ۱۱ ستمبر ۱۵۹۲ء کو بدھ کے دن فوت ہوا اور بہار میں ہی سپرد خاک کیا گیا۔

یوسف شاہ کی نظر بندی اس عہد میں رائج انصاف وحکمت عملی کے برعکس ظلم کی بدترین مثال ہے اس کے اور راجہ بھگوان داس کے درمیان جو اکبر کا معتمد علیہ نمائندہ تھا انجام پانے والے معاہدہ کے بنیادی اصولوں سے ہی انکار کر دیا گیا۔ اس معاہدہ سے انحراف جو ہمیں آج بے تکا معلوم ہوتا ہے اس وقت کے لحاظ سے غیر معمولی بات نہ تھی معاہدہ میں کوئی بھی غیر معمولی چیز نہیں تھی مگر جو چیز اسے غیر معمولی بنا دیتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی پابندی اکبر جیسے آدمی نے نہ کی حالانکہ شرائط کا تعین خود اسی نے کیا تھا۔ کشمیر کے مستقبل کے بارے میں اپنی بے قراری اور یوسف شاہ کے ڈھل مل سلوک سے وہ غضبناک ہو گیا تھا۔ کشمیر کو اپنے حکمرانوں سے نجات دلانا اکبر کے لیے شاہی عزت و وقار کا مسئلہ تھا جبکہ یوسف شاہ کے لیے سیدھا سادہ مسئلہ کشمیر کی آزادی اور اپنی ذاتی دلچسپی تھا۔ اخلاقی ذمہ داریوں سے دست بردار ی کے بعد جس کے حق میں کوئی دفاع نہیں کیا جا سکتا۔ جنونی اور جذباتی

۱۔ اکبر نامہ ص ۷۲۴

راجہ بھگوان داس کے لیے بھی اکبر کے کردار میں کوئی کشش نہیں رہی تھی اسی لیے احتجاج کے طور پر اس نے خودکشی کی کوشش کی تھی (۱) حبہ خاتون کے لیے جو یوسف شاہ کی محبوبہ اور ملکہ تھی یہ جدائی اس قدر ناقابل برداشت ہوگئی کہ وہ آخر کار فقیر بن گئی۔ پانڈ وچک میں اس کی خانقاہ آج بھی کشمیریوں کے لیے ایک زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔

جہاں تک کشمیر کا تعلق ہے اکبر کے ارادوں اور مقاصد کے پیش نظر ہمیں تصویر کا دوسرا رخ بھی سامنے رکھنا چاہیئے طویل تجسس اور تشویش کا مارا ہوا اکبر بات کا تبنگڑ بناتا دکھائی دیتا ہے۔ مغل عہد کے مورخین نے کشمیر کی آزادی کے خلاف پہلے ہی توہین آمیز پروپیگنڈہ شروع کر رکھا تھا۔ مثال کے طور پر وہ یوسف شاہ کو صرف یوسف خان لکھتے تاکہ یہ دکھایا جائے کہ وہ آزاد و خودمختار سلطان نہیں بلکہ فقط ایک زمیندار ہے لاریب اکبر کے مورخین اسے خوش کرنا چاہتے تھے۔ تسخیر کشمیر کے مقاصد دو تھے۔ اولاً یہ کہ کشمیر پر تسلط اکبر کی نظر میں بابر اور ہمایوں کے خوابوں کی تعبیر تھا۔ ثانیاً کشمیر کی تسخیر اور اس کے الحاق کا خاص سیاسی مقصد اکبر کے پیش نظر یہ تھا کہ اس طرح اسے افغانستان اور مرکزی ایشیا...... تک راستہ مل جائے گا۔ ۱۵۸۶ء میں وہ جتنا جلد ممکن ہو، فتح کشمیر کے لیے بیتاب نظر آتا ہے تاکہ وہ اپنی سلطنت کی وسعت اور فوجی طاقت سب کو اور خاص طور سے تورانی بادشاہ عبداللہ خان اوزبک کے سفیر میر قریش کو دکھا سکے کیونکہ بادشاہ مذکور کے مکروہ عزائم ڈھکے چھپے نہیں تھے۔ آخر کار یہ ساری کارروائی اکبر کی حکمت عملی کی کامیابی کا ذریعہ بنی۔

مگر افسوس یہ ہے کہ تاریخ یوسف شاہ کے دفاع میں کوئی دلیل پیش نہیں کرتی وہ بزدل، تنگ مزاج اور خود غرض ہونے کے سبب اپنا مقدمہ ہار بیٹھا۔ حماقت کی انتہا یہ کہ وہ اکبر جیسے بادشاہ کے ہاتھ میں کھلونا بن گیا۔ مخصوصاً جب اس نے تخت حکومت بھی موخرالذکر کو پیش کر دیا دوسری طرف کشمیر کے لیے قرار اور ثابت قدم آزادی پسند رہنماؤں کی تحریک کو کوئی صدمہ نہ پہنچا جب یوسف شاہ

۱۔ منتخب التواریخ ج ۲،

نے ان کو تقدیر کے حوالے کر کے تنہا چھوڑ دیا تو وہ خطرات کو مول لے کر مغلوں کے خلاف سخت جنگوں اور گوریلا لڑائیوں میں مصروف ہو گئے۔ وہ اپنی آزادی تو کھو بیٹھے لیکن مغلوں کو بڑا جانی نقصان پہنچایا۔ پھر جلد ہی منتقم مزاج مغلوں نے کشمیریوں کو بھاری سزائیں دیں وہ تلواریں لیئے ان کے گھروں پہ آن دھمکے اور ان کی دلیری و شجاعت کی روح کو پامال کر دیا۔ انہوں نے سری نگر شہر کو مغل چھاؤنی میں اور عمارات کو فاتح فوج کی بیرکوں میں تبدیل کر دیا۔ اس طرح انہوں نے آبادی کو کرب اور اضطراب میں مبتلا کر دیا۔ چند ایک کے گناہوں میں جن میں چک زیادہ تھے۔ تمام کشمیریوں کو رسوا کیا گیا ان کی تصویر بدترین شکل میں پیش کی گئی اور میل ملاپ پیدا کرنے کی بجائے مغلوں نے دشمنی اور نفرت کا ماحول پیدا کر دیا۔

جہاں تک اکبر کا تعلق ہے اس کے لیے کشمیر کا الحاق ضروری و ناگزیر تھا یہ منصوبہ اس نے تمام غارت گروں اور شورش پسندوں کی بیخ کنی کے ساتھ پورا کیا۔ اب دھیرے دھیرے کشمیریوں کی زندگی اور ان کے خیالات میں تبدیلی آنے لگی ان کی نگاہ میں وسعت اور خیالات میں بلندی آئی۔ انہیں اپنی ذات کا عرفان حاصل ہونے لگا اور وہ مغل انڈیا کے معاشرے ثقافت، معیشت اور سیاست کا حصہ بننے لگے۔

مگر افسوس کہ الحاق کشمیر کا فوری نتیجہ تمام امور زیست میں شاہانہ ترجیحات کی صورت میں نکلا۔ کشمیریوں کو حقیر ترین پوزیشن میں دھکیل دیا گیا۔ ان کے ساتھ مفتوح قوم کا سا سلوک کیا گیا اور عام شکست خوردہ قوموں کی مانند وہ بھی شاندار قومی تشخص، آزادی، عزت نفس اور شجاعت سے محروم

ہو گئے۔

کشمیریوں کی بغاوت

(۸۶ ——— ۱۵۸۵ء)

جوں ہی یوسف شاہ اپنی افواج سے علیحدہ ہو کر بولیاس کے مقام پر مغل کیمپ میں پہنچا۔ اس نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ تاج و تخت کے دعویٰ سے دست بردار ہو گیا ہے چونکہ اس کا فیصلہ کشمیر کے سرداروں کی خواہشات کے خلاف تھا۔ لہٰذا انہوں نے اس کے بیٹے یعقوب خان کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ اس کی قیادت میں ان سرداروں نے کوارمست کے مقام پر۔ مغلوں سے زبردست مقابلہ کیا چنانچہ مغلوں کو ناموافق موسم کی وجہ سے خطرناک نقصان برداشت کرنا پڑا۔ لیکن جب کوارمست اور کرناہ کے زمیندار۔ شیخ یعقوب صرفی کے اخلاقی دباؤ میں آکر مغلوں کی حمایت میں نکل آئے تو کشمیری رہنماؤں کو احساس ہو گیا کہ وہ ہرانے والا کھیل کھیل رہے ہیں (۱) صورت حال کو اور مایوس کن ہونے سے بچانے کی خاطر انہوں نے ۴ار فروری ۱۵۸۵ء کو مندرجہ ذیل شرائط پر صلح کر لی۔

۱۔ اکبر کو کشمیر کا بادشاہ ماننا اس کا خطبہ پڑھنا اور اسکے نام کا سکہ ڈھالنا۔

۲۔ دارالضرب شکار، زعفران اور شال کے محکموں پر بادشاہ کا اختیار کلی ہونا۔ اس کے بعد یعقوب خان نے ناصر الدین محمد یعقوب بادشاہ غازی کے لقب سے اپنی سلطنت کا اعلان کر دیا۔ اسے مختلف عادات اپنے والد سے ورثہ میں ملی تھیں وہ ایک بہادر جنگجو تھا لیکن متعصب شیعہ بھی تھا (۲) جلد ہی اس کا دماغ خراب ہو گیا اور پھر جب اس نے سنا کہ فاتح فوج کی حالت غیر یقینی ہے تو وہ سرکش ہو

۱۔ اکبر نامہ ج ۳۔

۲۔ منتخب التواریخ ج ۲۔

گیا اور معاہدہ ختم کر دیا خوشامدیوں نے اسے شاہ اسماعیل کا لقب اختیار کرنے کا مشورہ دیا پھر جلد ہی اس نے بے گناہ لوگوں کے خلاف مکروہ طور طریقے اپنا لیے اور ظلم وستم کی وجہ سے عوام کے دلوں میں اپنے خلاف نفرت پیدا کر لی دنیا کے کاروبار سے اسے کوئی سروکار نہ رہا وہ شیعہ سُنّی اختلاف کو ہوا دینے کے لیے مذہبی جھگڑوں میں الجھا رہتا۔ اس نے سُنّیوں کے رہنما اور عمر رسیدہ شخص قاضی موسیٰ کو قتل کروا کر اس کے گھر اور سامان کو غارت کروا دیا۔

قاسم خان کا حملہ

(۱۵۸۶ء)

لیکن اکبر نے راجہ ٹوڈر مل کے درمیان طے پانے والے معاہدہ کی توثیق کرنے اور سابقہ بادشاہ یوسف شاہ کو سیاسی قیدی قرار دینے سے انکار کر کے مزید انتقام لیا۔ دوسری طرف کشمیری لیڈروں نے بھی معاہدہ کو یہی حیثیت دے دی۔ انہوں نے ملک میں افراتفری اور بے چینی پھیلا دی تاہم اکبر نے جو کشمیر کی مکمل اور غیر مشروط فتح کا تہیہ کر چکا تھا قاسم خان میر بحر کو ۲۸ر جون ۱۵۸۶ء کو ایک بھاری فوج اور تجربہ کار افسروں کے ہمراہ یعقوب کی معزولی اور کشمیر کے الحاق کے لیے روانہ کیا ساتھ ہی سخت احکامات بھی دیئے کہ عوام کے ساتھ نرمی انصاف اور بردباری کا سلوک کیا جائے۔ معافی قبول کی جائے اور مجرموں کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

مغل افواج کا بھمبر سے یکم ستمبر ۱۵۸۶ء کو گزر ہوا، راجوری میں مقامی زمینداروں اور نائکوں نے، جو پیر پنجال کے پہاڑ سے کشمیر جانے والی شاہراہ کے پاسبان تھے ان کی رہنمائی کی مغل سرداروں نے ان کو عہدے اور قطعات اراضی عطا کرنے کی رشوت دی انہوں نے اپنے ہی سلطان کے ساتھ غداری کی اور مغلوں پر ملک کے درّے کھول دیئے تاہم راجوری سے ہستی ونج تک حملہ آور فوج کی پیش قدمی بے حد مشکل ہو گئی اور بعض مقامات مثلاً کپرٹل اور راکرم بل پر تو پیش قدمی اور بھی خطرناک ہو گئی تھی کیونکہ ایک تو موسم خراب تھا اور دوسرے کشمیری فوج نے اہم راستوں کو روک

رکھا تھا پھر دشمن افواج کو راستہ دکھانے والوں نے مکروفریب سے بھی کام لیا تھا۔ اس کے باوجود مغل فوجوں نے تمام مشکلات وخطرات پر قابو پالیا اور وہ ہستی ونج پہنچ گئیں۔

اس اثنا میں کشمیر کے اندرونی حالات اور بگڑ گئے یعقوب کو اس کے وزیروں نے عنان حکومت سے دست کش ہو جانے پر مجبور کردیا تو اس نے کشتواڑ میں پناہ لے لی اب اس کی عدم موجودگی میں حالات بد سے بدتر ہو گئے کیونکہ ہر لیڈر کرسی کے لیے برسرپیکار تھا۔ یہاں تک کہ پوری رعایا شمس چک اور محمد بھٹ کے دو دھڑوں میں بٹ کر رہ گئی۔ پھر بھی کشمیری ڈٹے رہے اور انہوں نے ۱۰ اکتوبر ۱۵۸۶ء کو ہستی ونج کے مقام پر مغلوں کا زبردست مقابلہ کیا۔ **مغلوں نے بھاری جانی** اور مالی نقصان اٹھانے کے بعد شکست کھائی البتہ قاسم خان نے اپنے آدمی خطرات میں ڈال دیئے اور وہ کشمیریوں میں بدنظمی اور اضطراب پھیلانے میں کامیاب ہو گیا۔ چنانچہ ان کو وہاں سے منتشر ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے ایک ہراول دستہ تو سرینگر بھیج دیا اور خود ۱۶ اکتوبر ۱۵۸۶ء کو شہر میں داخل ہوا اور اسی روز اس نے کشمیر پر اکبر کی حکومت کا اعلان کر دیا (۱)

۱۔ شنک ص ۴۰

کشمیر مغلوں کے عہد میں

قاسم خان میر بحر

جب قاسم خان نے ۱۶ راکتوبر ۱۵۸۶ء کو سرینگر میں داخل ہو کر اکبر کی حکومت کا اعلان کر کے خطبہ پڑھا اور اس کا سکہ جاری کیا تو خطۂ کشمیر آزادی و استقلال سے محروم ہو کر رہ گیا۔ تاہم کشمیر کے مجاہدین حریت نے اس قبضہ کو کبھی آخری اور اٹل نہ سمجھا۔ جب تک یعقوب شاہ آزاد رہا تحریک آزادی کے رہنما شمس چک یوسف خان اور ابراہیم خان اس کی رہنمائی میں کام کرتے رہے وہ اسے کشتواڑ سے لائے اور اسے سلطان بنا کر چندر کوٹ میں مغلوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔

قاسم خان نے مقابلہ کے لیے مبارک خان اور شیخ دولت کو ایک بھاری فوج کے ہمراہ بھیجا جب کشمیری رہنماؤں نے دیکھا کہ وہ کھلے میدان میں دشمن کی برابری نہیں کر سکتے تو انہوں نے شہر پر اچانک قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے ۱۹ رنومبر ۱۵۸۶ء کو کوہ سلیمان کے نشیب میں اپنی فوجیں جمع کر لیں اور پھر سرینگر میں مغل فوجوں پر شبخون مارا۔ مغل اس ہمت سے لڑے کہ کشمیریوں کے حوصلے پست ہو گئے انہوں نے افراتفری کے عالم میں شہر کو آگ لگا دی لیکن یہ بات مغلوں کے لیے فائدہ مند ثابت ہوئی۔ آگ نے مہم کے اہم مقامات کو روشن کر دیا اور مغلوں نے کشمیری فوجوں کو اس طرح نشانہ بنایا کہ ان میں سے متعدد فوجی ڈھیر ہو گئے۔

یعقوب شاہ کو شکست ہوئی تو ایک بار پھر وہ بھاگ کر کشتواڑ چلا گیا۔ اس عرصہ میں اس کے کچھ پیروؤں نے یہ دیکھ کر کہ طاقت کا توازن موجود نہیں۔ قاسم خان کی اطاعت قبول کر لی (۱)، اس نے انہیں شاہی دربار میں بھیج دیا اور اکبر نے ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔

اگرچہ قاسم خان مانا ہوا سپہ سالار تھا مگر وہ اچھا سیاست دان ثابت نہ ہوا۔ فتح نے جلد ہی اس کا دماغ آسمان پر چڑھا دیا۔ اور وہ ناجائز خواہشات میں الجھ کر اور کبھی مظالم ڈھانے لگا۔ اس نے کشمیریوں کو دبایا ان کے سرداروں کو قید میں ڈال دیا اور اپنی ان جائیدادوں سے دست بردار ہونے پر مجبور کیا جو انہوں نے یعقوب شاہ کے عہد حکومت میں حاصل کی تھیں۔ کشمیریوں نے چاروناچار اطاعت قبول کر لی لیکن جوں ہی موسم زمستان گزرا اور برف پگھلی وہ یعقوب شاہ کے پاس پہنچے اور ایک مرتبہ پھر اسے راغب کر لیا کہ مغلوں کے خلاف آخری اور فیصلہ کن لڑائی لڑنی چاہیئے چنانچہ انہوں نے جھیل ڈل کی اونچی پہاڑیوں پر قبضہ کر لیا اور پھر ایک زبردست مقابلہ شروع ہوا۔ پانچ دفعہ شکست کھانے کے باوجود وہ مقابلہ میں ڈٹے رہے یہاں تک کہ چھٹی بار مغل فوجوں میں کھلبلی مچا دی (۲) اس فتح سے حوصلہ پا کر یعقوب شاہ اور شمس چک۔ جن کو ابوالفضل غصے میں آ کر "دو بدمعاش" کہتا ہے پیروؤں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ یہاں پناہ گزین ہو گئے اور ایک دن بھی ایسا نہ گزرتا جب ملک کے کسی نہ کسی حصے میں گڑبڑ نہ ہوتی ہو۔ وہ وقت بے وقت لوٹ مار کرتے رہتے۔ ہر روز شاہ پسندوں کی ایک جماعت ان کے ساتھ لڑنے کے لیے نکلتی۔ متواتر گڑبڑ سے قاسم خان کا جی اس قدر بھر گیا کہ اس نے استعفیٰ پیش کر دیا۔ چنانچہ مرزا یوسف خان رضوی نے ناظم کشمیر کی حیثیت سے ذمہ داریاں سنبھال لیں۔

۱۔ ابوالفضل نے مندرجہ ذیل رہنماؤں کا نام لیا ہے۔ سید مبارک، حیدر علی، محمد حسین، احمد حسین، حسین شاہ چک، حسین خان، ابراہیم خان، محمد بھٹ، علی حسن، بابا خلیل، بابا مہدی، بہادر علی، بھگر و لوہر چک۔ ملا حسن اور فرزندان حید رچک (مصنف)

۲۔ اکبرنامہ۔

مرزا یوسف رضوی (۱۵۸۷-۹۳ء)

مرزا یوسف خان آزادی کشمیر کے لیے لڑنے والوں کے منصوبوں کو ناکام بنانے کے بعد وادی میں داخل ہوا اور عوام کے دلوں میں خوف پیدا کر دیا یعقوب شاہ اور شمس چک کو بھاگ جانے پر مجبور کر دیا گیا اول الذکر کشتواڑ میں اور موخر الذکر کامراز میں پناہ گزین ہوا۔

مرزا یوسف خان نے مصالحت کی پالیسی اپنا کر ملک میں امن بحال کر دیا پھر اس نے شمس چک کو ایسی عبرت ناک شکست دی کہ وہ دوبارہ کبھی سر اٹھانے کی جرأت نہ کر سکا چنانچہ وہ اس کی اطاعت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اسے دربار میں بھیج دیا وہ چونکہ کشمیر کے بڑے لوگوں میں سے تھا۔ لہٰذا اس کی جان بخشی کر دی گئی اور آبرو مندانہ سلوک کیا گیا۔ ۲۳ر نومبر ۱۵۹۲ء کو اس کی دختر شاہی حرم میں داخل ہوئی۔

اکبر کا اوّلین سفر کشمیر (۱۵۸۹ء)

ابوالفضل ہمیں بتاتا ہے کہ کشمیر کا سودا ہمیشہ اکبر کے سر میں سمایا رہتا اور اس کی آنکھوں کے سامنے حُسنِ کشمیر کی تصویر گھومتی رہتی اب جبکہ ریاست کا الحاق مستقل طور پر ہو گیا تو ۲۵ر اپریل ۱۵۸۹ء کو سفر کشمیر پر نکل کھڑا ہوا اس نے بھمبر کا راستہ اختیار کیا تھا ابھی تک یہ راہ غیر محفوظ اور دشوار گزار تھی اکبر نے تین ہزار سنگ تراش و کوہ کن اور دو ہزار کھودنے والے بھیجے تاکہ راستے کو ہموار کیا جائے وہ ۱۹ر مئی ۱۵۸۹ء کو بھمبر پہنچا یہاں سے اس نے پیر پنجال کے نشیب و فراز کو کبھی پیدل اور کبھی گھوڑے پر طے کیا اور ۲۶ر مئی کو ہیر پور پہنچا۔ وہ سرینگر شہر میں ۵ جون ۱۵۸۹ء کو وارد ہوا۔ یہاں وہ شام کے آٹھ بجکر پچیس منٹ پر اترا۔ اور مرزا یوسف خان کے خوبصورت محل میں داخل ہوا اس مرتبہ اکبر نے کشمیر میں جولائی کے آواخر تک قیام کیا۔ تقریباً دو ماہ کے دوران اس نے وادی کا دورہ دریائے جہلم پر تخت رواں کے ذریعے کیا جو خاص طور سے اس مقصد کے لیے بنوایا گیا تھا۔ اس نے

ایک طرف پام پور، بیج بیہاڑہ، اننت ناگ، نندمرگ اور اچھ بل اور دوسری طرف شہاب الدین پور، سوپور، اور بارہ مولہ کی سیر کی۔

یعقوب شاہ چک کی اطاعت

سب سے اہم واقعہ جو اکبر کی کشمیر میں موجودگی کے دوران ظہور پذیر ہوا۔ یعقوب چک کی اطاعت ہے جب یوسف خان رضوی نے کشمیر پر قبضہ کیا تو یعقوب کشتواڑ میں پناہ گزین ہو گیا تھا یہاں وہ ہمیشہ یہ خطرہ محسوس کرتا رہا کہ ایسا نہ ہو کہ زمیندار اسے گرفتار کر لیں اور پھر مغل گورنر کے سپرد کر دیں۔ اس ابلیے سے بچنے کی خاطر اس نے اپنے بھائی ایبا خان چک کو روانہ کیا۔ تاکہ وہ بادشاہ کے حضور اطاعت شعاری کا پیغام پہنچائے۔ ایبا خان مذکور کو ۱۱ر جولائی ۱۵۸۹ء کو نندمرگ میں شرف باریابی نصیب ہوا۔ یہاں اس نے اپنے بھائی یعقوب کی طرف سے بادشاہ کے سامنے مندرجہ ذیل درخواست پیش کی اور اس کی حمایت میں اسے کامیابی حاصل ہوگئی۔ "نشہ شباب اور اشرار کے ساتھ مجالست کے باعث جو ہوا سو ہوا اب اسے اپنے کیے پر شدید ندامت ہے اب اس کی دعا یہی ہے کہ بادشاہ سلامت اپنے خاص نعلین بھیجوائیں تاکہ وہ ان کو اپنے سر کا تاج بنا سکے اور نیز اسے آستان مبارک میں جگہ دیں"۔

بادشاہ نے یعقوب کی درخواست قبول کر لی اور اسے ۲۸ر جولائی ۱۵۸۹ء کو شرف یاب ہونے کی اجازت دی۔ اس کے بعد اسے بہار بھیج دیا گیا تاکہ وہ گورنر راجہ مان سنگھ کی نگرانی میں اپنے والد کے ساتھ زندگی بسر کر سکے راجہ نے اسے بھیرہ (پٹنہ) میں معمولی سی جاگیر بھی عطا کر دی تھی باپ بیٹا دونوں چند برسوں تک ذلت آمیز زندگی گزارتے رہے لیکن جب والد نے ۱۱ر ستمبر ۱۵۹۲ء کو طبعی موت پائی تو یعقوب کو ۵ر اکتوبر ۱۵۹۳ء کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا (۱)

۱۔ بہارستان ف ۲۰۶۔

یعقوب خان کی آخری عمر کے حالات مختلف طریقوں سے بیان کیے گئے ہیں۔ مقامی اور معاصر مورخ مشک کے مطابق اکبر نے یعقوب کو اپنی تجویز پر پناہ دی اور پھر اکبر نے ہی اسے مان سنگھ کا خدمت گزار بنا دیا تھا وہ ملک سے خود باہر چلا گیا اور بادشاہ کی طرف سے دی گئی مراعات سے پورا پورا استفادہ کرتا رہا (۱)، ڈچ سیاح اور مصنف وان ڈین بروشے لکھتا ہے۔

بادشاہ (یعقوب) کو زندہ پکڑا گیا مگر اکبر نے اسے معاف کر دیا اسے بھی اپنے والد یوسف شاہ کی طرح پنشن ملی، البتہ وہ باعزت زندگی گزارنے کے لیے کافی نہ تھی (۲)

بدایونی رقم طراز ہے کہ یعقوب شاہ رسوا ہوا اور قاسم خان (۳) کے ساتھ اس نے ملاقات کی اور پھر بادشاہ کے سامنے اظہار اطاعت کے لیے حاضر ہوا۔ آخر کار، بادشاہ نے اسے والد کے پاس بھیجنے سے قبل راجہ مان سنگھ کے پاس بہار بھیج دیا۔ یوسف اور یعقوب دونوں قید خانے میں ڈال دیئے گئے وہ اس غم واندوہ کی تاب نہ لا کر بدن کی قید سے رہا ہو گئے (۴) بدایونی جو دیگر مواقع پر قابل اعتماد مورخ ہے یعقوب کے انجام کے بارے میں خاموش ہے اور نہ ہی ان حالات کی تفصیل بتاتا ہے جو اس کی موت کا باعث بنے۔ شاید یہ مورخ ہمیں حقیقت نہیں بتانا چاہتا یا پھر اس کی ...... وجہ یہ ہو کہ اسے غلط معلومات پہنچی ہوں اور ارادۃً اس نے اخفائے راز نہ کیا ہو خوش قسمتی سے بہارستان شاہی کے مصنف نے اس خلاء کو پورا کر دیا ہے ۔ اس مورخ نے یعقوب شاہ کی موت سے متعلق تفصیلی رپورٹ مہیا کی ہے وہ کہتا ہے بادشاہ سلامت نے اس (یعقوب) کو حسن بیگ ترکمان کی نگہبانی میں والد کے پاس بھیج دیا راستے میں اس کے بھائی مرزا ابراہیم نے مناسب موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حسن بیگ ترکمان پر تلوار سے وار کر دیا مگر مقصد میں کامیابی

۱۔ مشک ص ۲۱۸ (۲) کلکتہ ریویو ۱۸۷۸ء ص ۱۹۳

۳۔ یوسف خان رضوی ہونا چاہیئے (مصنف)

۴۔ منتخب التواریخ ج ۲۔ ص ۳۶۵۔

نہ ہوئی ذرا حسن بیگ کے محافظ اس پر ٹوٹ پڑے اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا لیکن یعقوب کو بحفاظت بہار پہنچایا گیا اور راجہ مان سنگھ کے حوالے کر دیا گیا۔

یوسف شاہ کی موت کے کوئی ایک سال بعد راجہ مان سنگھ کو مشورے کے لیے دربار میں طلب کیا گیا بہار سے روانگی سے قبل یعقوب شاہ کے خلاف اس کے والد کے دو ملازموں نے جو یوسف شاہ کے فرزند نسبتی قاسم خان کے دوست تھے یعقوب کو قتل کرنے کے لیے راجہ مان سنگھ کے کان بھرے وہ راجہ کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئے کہ اس کی غیر حاضری میں یعقوب خطرناک ثابت ہو سکتا ہے اس لیے یعقوب کو قلعہ رہتاس میں قید کر دیا گیا۔ تاہم واپسی پر راجہ نے اسے رہا کر دیا اور وہ اپنی جاگیر (بھیرہ) چلا گیا۔ یہاں اس نے یوسف شاہ کے فرزند نسبتی قاسم خان سے ملاقات کی۔ رخصت کے وقت موخر الذکر نے اسے پان پیش کیا جس میں زہر ملا ہوا تھا اس نے اعتماد کر کے کھا لیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ۵ اکتوبر ۱۵۹۳ء کو زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا اسے بہار میں اپنے والد کی قبر کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

چک خاندان کا فرد ہونے کی حیثیت سے یعقوب کشمیر کا شہزادہ اور پھر سلطان بنا وہ چکوں کی مخصوص بے باکی و جرأت سے کام لیتا رہا جب یوسف شاہ کی کوتاہیوں کے سبب کشمیریوں کے حوصلے پست ہو گئے تو یہ یعقوب ہی تھا جس نے انہیں نئی روح سے زندہ رکھا اور کم از کم کچھ عرصہ کے لیے وہ مغلوں کو ملک پر قبضہ کرنے سے روکے رہا مگر اسے کچھ کمزوریاں اور پرانے نقائص ورثہ میں ملے تھے جس کی وجہ سے وہ اسی انجام کا مستحق تھا جس کو وہ آخر کار پہنچا وہ ایک کٹر اور من چلا سلطان تھا اس سے بھی بدتر یہ کہ وہ زندگی بچانے کی خاطر بڑی ذلت اور رسوائی سے مغل اعظم کے سامنے جھک گیا اگر وہ اپنے ملک کی آزادی کی خاطر لڑتے ہوئے مارا جاتا تو اس کا نام ایک ہیرو اور مجاہد حریت کی حیثیت سے ہمیشہ زندہ رہتا۔

اکبر اور کشمیر

کشمیر کے سفر اول کے دوران ہی اکبر نے ایک کامل منتظم عظیم محسن اور مہربان حکمران ہونے کا ثبوت

بہم پہنچا دیا تھا۔ اس نے ریاست کی تعمیر و ترقی کے لیے زبردست سرگرمی اور دلچسپی دکھائی۔ وہ کشمیر میں امن و خوشحالی لایا اور کشمیری عوام کو اندرونی خلفشار سے نجات دلائی۔ اس نے مذہبی رواداری کا اعلان کیا اور جزیہ اٹھا دیا جس سے برہمنوں کو ——— غربت و افلاس سے چھٹکارا نصیب ہوا۔ اس نے رعایا کے جذبات و احساسات کا احترام کیا اور فوج کو نجی مکانوں میں ٹھہرنے سے روک دیا نیز اس نے بیگار کا مکروہ سسٹم بھی ختم کر دیا۔

——— زمین کا بندوبست ———

کشمیر پر اکبر کا بڑا اور حقیقی احسان یہ ہے کہ اس نے مالی انتظامات کیے۔ کشمیر ایک زرعی ملک ہے۔ عوام کی خوشی اور خوشحالی کا تمام تر دارومدار ریونیو سسٹم اور ٹیکسیشن کے طریقوں پر ہے۔ کسانوں کی سلامتی اور حکومت کے لیے زرعی مال کے ممکنہ تحفظ کی خاطر اکبر نے شیخ فیضی، میر شریف آملی اور خواجہ محمد حسین کو مامور کیا کہ وہ مراز یعنی وادی کے جنوبی اضلاع کی زمینوں کا مالیہ مقرر کریں۔ خواجہ شمس الدین خانی اور کنور مان سنگھ کو کامراز ——— یعنی شمالی اضلاع کے مالیہ کے تعین کے لیے بھیجا گیا۔ انہوں نے فصل خریف کی پیداوار۔ شالی کا تیسرا حصہ حکومت کا حق قرار دیا۔ ہر گاؤں میں کاٹی جانے والی شالی کے خرواروں کی تعداد پر مالیہ مقرر کیا جاتا اور اس کی وصولی سالانہ ہوتی اور پھر دوبارہ تحقیقات نہ کی جاتی۔ اسی طرح ربیع کی فصلوں، مثلاً گندم، جو اور دالوں وغیرہ کے متعلق یہ قانون تھا کہ زمین کے ہر پٹہ میں مجموعی پیداوار کے دو تہائی حکومت وصول کرتی۔ ریاست کے مجموعی سالانہ ریونیو کا تخمینہ بائیس لاکھ خروار تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تخمینہ حقیقت پر مبنی نہیں تھا کیونکہ باتیں بنانے والوں اور سچ کو چھپانے والوں کی کوئی کمی نہیں تھی اور گورنر کشمیر چاہتا تھا کہ سچی بات ظاہر نہ کی جائے۔ رہا بادشاہ تو وہ مناظر فطرت سے حظ اٹھانے میں محو ہوتا اور کاشتکار زیادہ تر فوجی لوگ ہوتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گورنر کشمیر مرزا یوسف خان بائیس ۲۲ لاکھ خروار کی بجائے ۳۳ لاکھ خروار وصول کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ہر خروار کی قیمت ۲۸ دام تھی جب کہ

قبلاً اس کی قیمت ۱۰۱ دام مقرر کی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ اس طرح سرکاری ریونیو میں خرد برد کر رہا تھا اور بادشاہ کو پچاس فی صد کی نسبت دھوکے میں رکھ رہا تھا یہ دھوکہ گورنر کے اپنے ہی پیشکار رطوطارام کے ذریعے پکڑا گیا۔ مگر یہ پنڈت جان بچا کر نکل جانے میں کامیاب ہو گیا اور انصاف حاصل کرنے کے لیے بادشاہ کے سامنے پیش ہو گیا۔

اس پر اکبر نے معاملہ کی تحقیقات کے لیے قاضی نوراللہ اور قاضی علی کو ۲۷ جولائی ۱۵۹۱ء کو کشمیر روانہ کیا وہ جب کشمیر پہنچے تو ان کے کام میں مرزا یوسف خان کے ملازمین نے روڑے اٹکانے لگے انہوں نے چھپی ہوئی آمدنی کو کھو بیٹھنے کے خوف سے دھمکی آمیز رویہ اختیار کر لیا۔ ان حالات میں قاضی نوراللہ کو دربار میں حاضری دینا پڑی اور جس صورت حال کا مشاہدہ اس نے کیا تھا، بیان کی۔ اب اکبر نے حسین بیگ شیخ عماری کو قاضی علی کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ قاضی علی نے ملک کو چودہ پرگنوں میں تقسیم کر دیا اور پھر ہر ایک پرگنہ کا مالیہ نقد اور جنس میں مقرر کیا۔ اس نے مقامی رضاکاروں کی رسالہ اور پیدل فوج کی تعداد بھی مقرر کی جسے ہر پرگنہ میں تعینات کیا گیا۔ اہمیت والی بات یہ ہے کہ اس نے یہ تجویز پیش کی کہ زمین سپاہ سے واپس لے لی جائے اور اسے اس کا نقد معاوضہ دیا جائے اس نے کشمیر کا مالیہ ۳۰۶، ۳۰، ۵۰ خروار اور گیارہ ترک جنس مقرر کیا۔

یادگار کی داستان

ان قواعد و ضوابط نے گورنر کے دفتریوں، کشمیر کے زمینداروں اور سپاہیوں کو برافروختہ کر دیا۔ اور انہوں نے بغاوت کا فیصلہ کر لیا۔ وہ ایک با اثر سید میر کمال الدین حسین اسکولی کے پاس تعاون و رہنمائی کے لیے پہنچے لیکن اس نے صاف انکار کر دیا تب وہ طالع آزما کوتاہ نظر اور بے وفا مرزا یادگار کے پاس پہنچے اس کی رہنمائی میں انہوں نے بغاوت کی تیاری شروع کر دی۔ حالات بے حد ساز گار تھے۔ گورنر مرزا یوسف کی غیر حاضری میں جب وہ دربار میں گیا ہوا تھا اور اس کا بھتیجا یادگار ریاست کا نظم و نسق سنبھالے ہوئے تھا حسین بیگ، شیخ عماری کے لیے صورت حال اور بھی تباہ کن ہو گئی۔ اس کے ایک ملازم نے گورنر

کے ایک سپاہی کی بیوی کو اغوا کر لیا۔ باغیوں نے فوراً موقع سے فائدہ اٹھایا اور حسین بیگ پر اس کے گھر جاکر حملہ کر دیا تاہم قاضی علی اور بابا ولی نے آئی بلا کو ٹالا۔ پھر بھی اصل مشکل حل نہ ہوئی چنانچہ باغیوں نے جلد ہی ایک زبردست حملہ قاضی علی اور حسین بیگ شیخ عماری پر کر دیا۔ باغیوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہ پاکر دونوں بھاگ کھڑے ہوئے۔ قاضی علی تو ۱۵۹۲ء میں مارا گیا مگر حسین بیگ شیخ عماری راجوری پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اس کے بعد فوراً ہی مرزا یادگار نے بادشاہ کشمیر ہونے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ دریں اثنا کشمیر جانے والے تمام راستے مسدود کر دیئے گئے۔ یہ واقعہ ۲۲ رجولائی ۱۵۹۲ء کو پیش آیا اور اسی روز اکبر کشمیر کے سفر دوم کے لیے لاہور سے روانہ ہوا۔ کشمیر میں بغاوت ہو جانے کی اطلاع اسے راستے میں ملی۔ مرزا یوسف خان گورنر کشمیر کو جو شاہی کیمپ میں تھا سازش میں شریک سمجھ کر گرفتار کر لیا گیا اور ابوالفضل کی تحویل میں دے دیا گیا تب بادشاہ نے زین خان کوکہ کو حکم دیا۔ کہ وہ پکھلی کے راستے آگے بڑھے ایک اور فوجی سردار صادق خان کو پونچھ کے راستے مارچ کرنے کو کہا گیا۔ عین اسی وقت کشمیر کے جنوب میں واقع پہاڑی ریاستوں کے زمینداروں اور پنجاب کے تعلقہ داروں کو حکم ملا کہ وہ اپنے رضاکاروں کے ہمراہ جموں کے راستے آگے بڑھیں۔ ۱۵ راگست ۱۵۹۲ء کو بادشاہ نے ایک بھاری لشکر کے ہمراہ شیخ فرید بخشی کو ہراول دستہ کے طور پر روانہ کیا۔ ان دنوں یادگار بیش از پیش دلیر ہو گیا تھا اس نے اپنے بڑے بڑے حامیوں کو منصب اور جاگیریں دیں اور...... وہ مغلوں کے عطا کردہ حرص آمیز و ہوس آموز خطابات بڑھ چڑھ کر استعمال کرنے لگے۔ پھر اس نے خزانے ہتھیا، بلکہ مرزا یوسف کی تمام جائیداد پر قبضہ کر لیا اور اس کے خاندان کو بڑی بے حرمتی د رسوائی سے جلاوطن کر دیا۔ جب یہ لوگ بے کسی کی حالت میں اکبر کے سامنے پیش ہوئے تو مرزا یوسف خان کے خلاف تمام مشکوک و شبہات خود بخود دور ہو گئے، اور اسے قید سے رہا کر دیا گیا۔

جب بادشاہ کے رہنما دستے درہ پیر پنجال میں داخل ہوئے تو یادگار کے سپاہیوں نے ان کا مقابلہ کیا اور تین روز تک ہر فریق فیصلہ کن لڑائی کرتا رہا۔ متعدد کشمیری کام آئے اور بے شمار بھاگ گئے یہاں تک کہ درہ نے شاہی فوجوں کے استقبال کے لیے اپنے بازو پھیلا دیئے شکست کی

خبر یادگار تک پہنچی تو وہ سری نگر سے ہیر پور کی جانب چل پڑا جہاں مغل افواج ۲۰ ستمبر ۱۵۹۲ء کو پڑاؤ ڈال چکی تھیں۔ لیکن لڑتے ہوئے جان دینا اس کی قسمت میں نہ تھا۔ اسی رات کو شاہباز خان نیازی، ابراہیم خان گکر اور سرن بیگ شلو اور مرزا یوسف خان کے دیگر وفادار نوکر، جو موزوں موقع کی تلاش میں تھے یادگار کو پکڑنے اور اس کی گردن مارنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح اس کی کہانی کا المناک خاتمہ ہو گیا۔

اکبر کا سفر دوم (۱۵۹۲ء)

دوسری مرتبہ اکبر وادی میں ۷، راکتوبر ۱۵۹۲ء کو داخل ہوا۔ اب کی بار بھی اس نے پیر پنجال کے راستے سفر کیا تھا مختصر قیام کے دوران اکبر نے پام پور میں زعفران کھلنے کی بہار دیکھی اور یہاں دیوالی کا تہوار منایا۔ دیوالی کے تہوار پر اس نے حکم دیا کہ دریائے جہلم کے اندر کشتیوں پہ، دریا کے کناروں پر اور سرینگر میں مکانات کی چھتوں پر چراغاں کیا جائے عوام کو خوش کرنے اور نظم وضبط کی بحالی کے لیے اکبر نے ہر محکمہ میں قابلِ احترام اور تجربہ کار آفیسروں کی تعیناتی کی اور حکم دیا کہ باغیوں کیساتھ فراغ دلانہ سلوک کیا جائے۔ معاف کرو اور بھول جاؤ کی پالیسی کی ابتدا کرتے ہوئے اس نے شمس چک کی لڑکی کا رشتہ قبول کیا جو یعقوب شاہ کے عہد میں مغلوں کا زبردست دشمن تھا۔ پھر چک سرداروں یعنی مبارک شاہ چک اور حسین چک کی بیٹیاں شہزادہ سلیم سے جو بعد میں جہانگیر بنا بیاہی گئیں۔

کشمیریوں اور مغل سرداروں کے درمیان، دوستی نیک نیتی اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی غرض سے اس نے رشتہ لینے دینے کی حوصلہ افزائی کی تب اس نے بادل نخواستہ آواخر اکتوبر ۱۵۹۲ء میں کشمیر سے رختِ سفر باندھا اور پکھلی کے راستے مراجعت کی۔

آصف خان اور محمد قلی خان (۹۹-۱۵۹۳ء)

۱۵۹۲ء میں جب مرزا یوسف خان کو داروغہ توپ خانہ مقرر کیا گیا تو آصف خان کشمیر کا گورنر بنا اس کا مختصر سا عہد اس لحاظ سے بہت اہمیت رکھتا ہے کہ نظام مالیات کی تشکیل جدید کی گئی۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ قاضی علی نے کشمیر کو اکتالیس پرگنوں میں تقسیم کیا اور مالیات کا تعین ۲۰۶۳۰۵۰ خروار اور گیارہ ترک جنس کیا گیا۔ ہر خروار کی قیمت ۲۹ دام تھی۔ نتیجۃً کشمیر کی معیشت جاگیرداروں کے دباؤ کی وجہ سے تباہ ہو گئی اس وجہ سے مخالفت نے سر اٹھایا اور یادگار کا واقعہ رونما ہوا مگر جب آصف خان کی تقرری کا اعلان ہوا تو امن و امان پوری طرح بحال ہو گیا اور وہ قاضی علی کی تجاویز کو معمولی سی ترمیم کے بعد جامۂ عمل پہنانے کے قابل ہو گیا۔ اس نے پرگنوں کی تعداد اکتالیس سے گھٹا کر اڑتیس کر دی اور مالیات کا تعین ۳۰۶۳۰۷۹ خروار کیا اس میں محصول چونگی، باج اور تمغہ[۱] شامل تھا جو ۶۷۸۲ خروار اور آٹھ ترک بنتا۔ زعفران اور شکار پر صرف بادشاہ کا قبضہ تھا لیکن بادشاہ کشمیر کے کاشت کاروں کی فلاح و بہبود میں اتنی گہری دلچسپی لیتا تھا کہ آصف خان کی عام سفارشات کی منظوری کے وقت اس نے باج اور تمغہ ٹیکس اٹھا دیئے جس کی وجہ سے مالیہ گھٹ کر ۳۰۱۱۶۱۸ خروار اور آٹھ ترک رہ گیا۔ جو ۲/۱ ۷۴۳۰۲۱۱۶ دام یا ۲۸۲۶، ۵۵,۱ روپے کے برابر تھا۔

اکبر کا سفر سوم (۱۵۹۷ء)

مالیہ کی نئی تشخیص کے فوراً بعد آصف خان لاہور واپس چلا آیا۔ محمد قلی خان اس کا جانشین بنا۔ ۱۵۹۷ء میں لاہور کا شاہی محل جل کر راکھ ہو گیا تھا اپریل کے مہینے میں بادشاہ لاہور سے کشمیر کے سفر پر نکلا تاکہ وہ بہار کشمیر سے لطف اندوز ہو اور محل کی تعمیر نو کے لیے وقت بھی مل جائے۔ ۵ جون ۱۵۹۷ء کو سرینگر پہنچا۔ یہ اس کا تیسرا اور آخری سفر کشمیر تھا۔ فادر جیروم ایکسویئر اور بنیا گوز جو کشمیر کے اولین یورپی سیاح ہیں۔ اس کے کارواں میں شامل تھے۔ خوش قسمتی سے فادر ایکسویئر نے ایک

۱۔ تمغہ مالیہ سے علاوہ لیا جاتا تھا۔ (مصنف)

مفصل خط یادگار چھوڑا ہے جس میں اس کے مشاہدات کی تفصیل ملتی ہے (۱)

قحط عام (۱۵۹۷ء)

جن دنوں بادشاہ وادی میں مقیم تھا ایک عام اور ہلاکت خیز قحط برپا ہو گیا۔ فادر ایکسویئر نے اس قحط کے مہلک اثرات کو ریکارڈ کیا ہے وہ بیان کرتا ہے کہ شدید احتیاج نے ماؤں کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ شہر کی پبلک جگہوں میں اپنے بیٹوں کو فروخت کرکے پیسے لے جائیں۔ یہ حالت دیکھ کر پرتگیزی سیاح ایکسویئر اور گوزنے بہت سی ماؤں کو اس عقیدے سے بپتسمہ دیا کہ وہ ایسا کرنے سے ان کو ہلاکت سے بچالیں گے اور ننھے منے بچوں کی ارواح کے لیے ابدی سعادت کا سبب بنیں گے۔

قلعہ نگر نگر

کہا جاتا ہے کہ کشمیر کی قحط زدہ آبادی کے مصائب کو کم کرنے کے لیے بادشاہ نے حکم دیا کہ ہری پربت پہاڑی کے نشیب کے اردگرد ایک سنگین دیوار تعمیر کی جائے اور کشمیری مرد و زن کو اس کام میں لگایا جائے اس قلعہ کے اندر کا شہر نگر نگر کہلایا۔ سرینگر میں اکبر کی یادگار فقط یہی حصار ہے جو آج تک قائم ہے۔

تاہم دیوار مذکور کی غرض تعمیر اور تاریخ تعمیر کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے پنڈت ششک کا کہنا ہے کہ یہ عظیم دیوار قلعہ محمد قلی خان کے عہد میں تعمیر کروائی گئی تھی تاکہ شاہی فوجوں کو شہر سے علیٰحدہ رکھا جائے۔ کیونکہ سپاہی ان شہریوں کے لیے، جن کے گھروں میں وہ مقیم تھے (۲) پریشانی کا سبب بنے ہوئے تھے، اس کے برعکس سر والٹر لارنس لکھتا ہے کہ کشمیر کے تیسرے سفر کے دوران اکبر نے بھاری خرچ سے ہری پربت پہاڑی پر عظیم قلعہ تعمیر کروایا اور قلعہ کے قرب وجوار

۱۔ اکبر نامہ ۲۔ ششک ص ۶-۴۲

میں اس نے نگر نگر کا قصبہ آباد کیا جہاں اس کے سرداروں نے باغات و مکانات تعمیر کروائے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہری پربت پر قلعہ اس غرض سے بنوایا گیا تاکہ کشمیریوں میں کشمیر کی کشش پیدا کی جائے کیونکہ وہ چکوں کے پُرآشوب دور میں بھاگے جا رہے تھے۔ مردوں اور عورتوں کو معقول مزدوری دی گئی۔ شمار کی شد، عورت کو چھ آنہ اور مجرد عورت کو چار آنہ یومیہ مزدوری ملتی تھی۔

لارنس کی معلومات کا بڑا ذریعہ حسن شاہ ہے جس نے اپنی تاریخ خود اسی کے حکم سے تالیف کی تھی لارنس یہ لکھتے ہوئے اس کا ثبوت نہ دے سکا کہ چکوں کے پُرآشوب عہد حکومت میں کتنے کشمیریوں نے وطن چھوڑا اور اس دیوار قلعہ کی تعمیر ان کو دوبارہ وطن لانے میں کہاں تک پُرکشش ثابت ہوئی! حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ کشمیریوں کو صرف مزدوروں کی حیثیت سے رکھا گیا۔ اور دو سو ماہر وہ تھے جو غیر کشمیری تھے اگر بادشاہ کا مقصد مہاجرین کو دوبارہ وطن لانا ہوتا تو وہ اس پالیسی کو اپنانے میں دس برس کی تاخیر کیسے گوارا کرتا۔ ان تمام امور پر نظر رکھتے ہوئے بادشاہ کا دیوار قلعہ کی تعمیر سے غالباً بڑا مقصد یہ تھا کہ قحط زدہ کشمیریوں کو روزگار دلا کر مالی امداد دی جائے۔ نیز انہیں مغل سپاہیوں کی متواتر دہشت سے نجات دلائی جائے۔

جہاں تک تعمیر قلعہ کی تاریخ کا تعلق ہے ابوالفضل رقمطراز ہے ۲۸ خرداد (۱) کو بادشاہ نے شہر نگر نگر پر اپنا سایہ ڈالا۔ سرینگر کے نزدیک ایک اونچا پہاڑ ہے اور اس کے پاس ہی ایک بڑی جھیل ــــ ڈل ہے۔ دوراندیش شہزادے نے اس جگہ کو شہر تعمیر کے لیے منتخب کیا اور اس کے حکم سے یوسف خان نے اس میں آبادی بسائی۔ کچھ رہائشی مکانات تعمیر کروائے اور ایک زیر زمین دیوار کی بنیاد رکھی۔ سپاہیوں کو موزوں کوارٹر بھی مہیا کیے گئے۔ جھیل کے کنارے محمد قلی بیگ کے کوارٹروں میں بادشاہ نے سکونت اختیار کی۔ ایک حکم کے ذریعے کہا گیا کہ قلعہ پتھر کا بنایا جائے تعمیر کے لیے دیوار کا ایک ایک حصہ ایک ایک افسر کو سونپا گیا (۲)

۱۔ ۶ جون ۱۵۹۰ء

۲۔ اکبرنامہ ص ۱۵ - ۱۰۸۶

جہانگیر ابوالفضل کی رائے سے متفق ہے وہ لکھتا ہے میرے والد نے حکم جاری فرمایا کہ اس مقام پر .... پتھر اور چونے کا ایک محکم و پائدار قلعہ تعمیر کیا جائے۔ یہ قلعہ اس خاکسار کے عہد حکومت میں تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔ پہاڑ قلعہ بندیوں اور قلعہ کے اردگرد کی فصیلوں کے درمیان آگیا ہے۔

تاہم کشمیر کے فارسی مورخین لکھتے ہیں کہ نگر نگر کا شہر اور اس کے اردگرد کی فصیل قلعہ ۱۵۹۷ء میں مکمل ہوئی (۱)۔ والٹر لورنس نے بھی تاریخ تعمیر اور فصیل قلعہ کے عمل و توسع سے متعلق یہی غلطی کھائی ہے (۲)۔ وہ بیان کرتا ہے کہ اکبر نے کوہ ماراں کے عظیم قلعہ کی شکل میں یادگار چھوڑی ہے جو آج تک نشیب میں ایک خوبصورت چیز معلوم ہوتی ہے۔ یہ قلعہ ہری پربت کی چوٹی پر جو سرینگر کے شمال مشرق میں ہے ایک تاج معلوم ہوتا ہے۔ یہ قلعہ ۱۵۹۷ء میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔

ڈاکٹر شاہ نے صحیح کہا ہے کہ وہ تاریخ تعمیر جو امپیریل گزیٹیر میں دی گئی ہے غلط ہے۔ فصیل ظاہراً ۱۵۹۷ء میں تعمیر ہوئی اور قلعہ اس سے بھی بہت بعد میں بنا۔

یہ بات کہ نگر نگر کی فصیل قلعہ کی تعمیر ۱۵۹۷ء میں شروع ہوئی اس کی تائید اس کتبہ سے بھی ہوتی ہے جو فصیل کے بڑے دروازہ کے اوپر کندہ کیا گیا ہے۔ (۳)

اس کتبہ کی سہ گونہ اہمیت ہے اوّل یہ کہ اس میں تعمیر فصیل کی تاریخ دی گئی ہے دوم یہ کہ اس پر خرچ ہونے والی کل رقم کا ذکر ملتا ہے۔ سوم یہ کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر نے بیگار۔ جو کشمیر انتظامیہ کا تاریک ترین پہلو ہے ختم کر دی تھی۔

۱۔ بنائی قلعہ پادشاہی و دولت خانہ شاہی در دامنہ کوہ ماراں در سالی یک ہزار و ششم با تمام رسید۔ (تاریخ اعظمی)

۲۔ اس نے اس قلعہ کو غلطی سے اکبر کی طرف منسوب کر دیا۔ حالانکہ اسے اکبر کے بہت بعد عطا محمد خان نے تعمیر کروایا تھا (لارنس)

۳۔ چل و چار از جلوس پادشاہی — ہزار و ششی ز تاریخ پیمبر۔

جہانگیر اور کشمیر (۱۶۰۵ - ۲۸)

جہانگیر تو بس کشمیر پر فریفتہ و شیدا ہی تھا۔ کشمیر سے اس کی محبت کا حال یہ تھا کہ کہا جاتا ہے جب وہ بستر مرگ پر تھا اسے کسی عزیز ترین چیز کا نام لینے کو کہا گیا تو اس نے کہا، کشمیر (۱) اسے وادی کے خوبصورت مقامات کو فن کارانہ مہارت سے آراستہ کرنے سے گہری دلچسپی...... تھی مگر اس کے عہد سے تعلق رکھنے والے دوسرے تاریخی واقعات کی بھی اپنی اہمیت ہے۔

آزادی کے لئے آخری جدّو جہد

یعقوب شاہ چک اور شمس چک نے اگرچہ اکبر کی اطاعت قبول کر لی تھی لیکن چکوں کی روح بیقرار رہی اور وہ ہمیشہ دوبارہ آزادی حاصل کرنے کا خواب دیکھتے رہے۔ اکبر کی موت، خسرو کی بغاوت اور کشمیر کے مغل گورنر محمد قلی خان کی شیعہ۔ نور بخشیہ دشمن پالیسی نے ان کو یہ موقع دے دیا تھا کہ وہ ایک بار پھر مغل اقتدار کے خاتمہ کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔ انہوں نے امبا خان چک کی سرکردگی میں اپنی فوجیں جمع کیں اور ایک بار پھر وادی میں افراتفری مچادی۔ وہ لداخ اور بلتستان کے عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جب صورت حال کافی نازک ہو گئی تو گورنر کشمیر مرزا علی اکبر خاں نے اپنی حکمت عملی سے حالات پر قابو پا لیا اور اس نے باغیوں کے ساتھ مصالحانہ رویہ اختیار کیا یکر و فریب اور ہیر پھیر سے کام لیا۔ اور ان کے ساتھ اپنی جھوٹی ہمدردی جتلانے لگا ۔۔۔۔ اور آہستہ آہستہ کامیاب ہوتا چلا گیا۔ جوں ہی امبا خان کو اپنے پیروؤں سے علیحدہ کیا گیا۔ حکومت اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی۔ جب باغی ناکام ہو گئے تو گورنر نے اپنی فوجوں کو حکم دے دیا کہ چکوں کا کوئی آدمی۔

۱۔ طغری مشہدی کہتا ہے:

از شاہ جہانگیر دم نزع چو جستند   با خواہش دل گفت کہ کشمیر دگر ہیچ

سپاہی، زمیندار، صنعت کار جو بھی سامنے آئے اسے جان سے مار دیا جائے۔ اس طرح ان کے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔

تاہم چکوں کا سیاسی اور ثقافتی خاتمہ اعتقاد خان کے ہاتھوں ہوا۔ وہ ۱۶۲۲ء میں کشمیر کا گورنر مقرر ہوا اس کے عہد میں چکوں کی قیادت حبیب خان چک اور احمد خان چک کر رہے تھے۔ عوام کے لیے ایک بار پھر امن و امان کا مسئلہ پیدا کر دیا۔ یہ تحریک اس وقت اور بھی زیادہ زور پکڑ گئی جب باغیوں کو بلتستان کے نور بخشیہ سردار ابدال سے مدد مل گئی۔ اعتقاد خان یہ سوچنے میں حق بجانب تھا کہ وادی میں چکوں کے قلع قمع کے بعد ابدال اور اس کے جانثاروں کو آسانی سے ٹھکانے لگایا جا سکے گا۔ بنا بریں عبرتناک سزا دینے کے لیے وہ پاگلوں کی طرح اُن پر ٹوٹ پڑا۔ یہاں تک کہ ان کا صرف نام باقی رہ گیا۔ بے رحم و سفاک گورنر کا مسلسل خوف ان کے سروں پر تلوار بن کر لٹکتا رہا۔ یہ تھا انجام ایک ایسی قوم کا جو کسی زمانے میں بڑی دلیر تھی جو بغاوتوں کے لیے بدنام تھی اور جس نے آزادی وطن کی خاطر کئی معرکے مارے تھے اس کے خاتمہ سے جدوجہد آزادی ٹھنڈی پڑ گئی۔

عام طاعون اور حریق (۱۹-۱۶۱۷ء)

احمد بیگ خان کے عہد میں کشمیر میں طاعون پھیلا جس کی وجہ سے بے شمار جانیں تلف ہو گئیں یہ ملک میں غالباً پہلا طاعون تھا۔ یقین ہے کہ یہ وبا گلٹی دار چھوت کے پھیلنے سے یہاں پہنچی۔ جس نے ۱۶۱۶ء میں پورے شمالی ہند کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ اس کے اصل اور پھیلاؤ کے بارے میں جہانگیر لکھتا ہے ایک بڑی وبائی بیماری ہندوستان کے کچھ مقامات میں پھوٹ پڑی اس کی ابتدا پنجاب کے پرگنوں میں ہوئی اور پھر رفتہ رفتہ یہ شہر لاہور تک پہنچ گئی۔ بہت لوگ مسلمان اور ہندو اس سے مر گئے۔ اس کے بعد یہ وبا سرہند اور دوآب میں پھیلی، یہاں تک کہ دہلی اور اس کے قرب و جوار کے پرگنوں اور دیہات میں تباہی مچا دی۔ کشمیر میں وبا کے پھیلاؤ سے متعلق وہ انکشاف کرتا ہے۔ طاعون نے ملک کو اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا اور بہت سارے آدمی جان سے

ہاتھ دھو بیٹھے۔ بیماری کی علامات یہ تھیں کہ پہلے دن درد سر اور بخار ہوتا اور ناک سے کافی خون بہتا دوسرے دن مریض چل بستا۔ جس گھر میں کوئی ایک فرد مر جاتا وہاں کے سب جانداروں کا صفایا ہو جاتا۔ جو کوئی بھی مریض کے یا میت کے نزدیک جاتا وہ بھی اسی طرح بیماری کا شکار ہو جاتا۔ ایک موقعہ پہ لاش کو گھاس میں پھینک دیا گیا۔ اتفاق سے ایک گائے یہاں سے گزری اور کچھ گھاس اس نے چر لی اور وہ مر گئی، کچھ کتے بھی مر گئے جنہوں نے یہ لاش کھائی تھی۔ حالت یہ ہو گئی تھی کہ موت کے خوف سے باپ اپنے بچوں کے پاس اور بچے اپنے باپ کے پاس نہ پھٹکتے (۱)

ابھی طاعون پوری طرح ختم نہیں ہوا تھا کہ ۱۶۱۹ء میں شہر کا شمال مشرقی حصہ جل کر خاکستر بن گیا اس آتش سوزی کے آغاز کے متعلق جہانگیر بہترین معلومات بہم پہنچاتا ہے وہ کہتا ہے۔ جس حصے سے طاعون شروع ہوا وہاں آگ لگ گئی اور تقریباً تین ہزار مکانات جل گئے۔ جامع مسجد بھی جو سرینگر کی عظیم الشان مسجد ہے جل گئی۔ حیدر ملک چاڈورہ بیان کرتا ہے کہ سُنیوں نے مسجد پہ آتش زنی کا شبہ اس پہ اور اس کے والد ملک محمد ناجی پہ کیا تھا مرزا حیدر دغلت کے عہد میں سُنیوں نے جو شمس الدین عراقی کی خانقاہ کو جلایا تھا ان کے نزدیک یہ گویا اسی کا انتقام تھا سُنیوں نے جہانگیر کو انصاف کی درخواست دی تو جہانگیر نے حکم دیا کہ حیدر ملک اور اس کا والد اپنے خرچ پہ مسجد کی از سر نو تعمیر کریں (۲) دراصل حیدر ملک چاڈورہ کے خلاف دشمنی پیدا کرنے کی وجہ مغل گورنر احمد بیگ خان کی خفیہ مخالفت معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ گورنر مذکور کے نزدیک چاڈورہ کی مورخانہ خیر خواہی مشکوک تھی وجہ بات ظاہر ہیں احمد بیگ پکا سنی تھا جبکہ حیدر ملک چاڈورہ پکا شیعہ تھا۔ احمد بیگ نے حال ہی میں شیعوں کے خلاف کھلم کھلا دشمنی دکھائی تھی حیدر ملک کا جہانگیر اور نورجہاں پہ بڑا اثر تھا اور اسے رئیس الملک کا خطاب ملا تھا جہانگیر اپنے توزک میں اس واقعہ کی طرف اشارہ نہیں کرتا گو وہ مسجد

۱۔ توزک ص ۲۹۲

۲۔ تاریخ حیدر ملک ص ۱۱۹۔

کا ضمناً ذکر ضرور کرتا ہے (۱) مگر مسجد کے جنوبی دروازہ پر کتبہ یقیناً حیدر ملک کے بیان کی تائید کرتا ہے کہ یہ مسجد اس نے بعہد جہانگیر دوبارہ تعمیر کروائی۔ کتبہ کی عبارت میں کہا گیا ہے کہ اولین بار یہ مسجد سلطان سکندر نے بنوائی تھی لیکن بعد میں یہ جل گئی پھر اسے سلطان حسن شاہ نے جو سکندر کی اولاد سے تھا تعمیر کروایا مگر اس وقت اس کے دو حصوں کے ستون اور چھت نہیں تھی۔ تب اس کی تکمیل حسن شاہ کے وزیر اعظم ابراہیم ماگری کے ہاتھوں ۹۰۹ھ (۲) میں بعہد محمد شاہ ہوئی۔ پھر دوبارہ یہ مسجد ۱۰۲۹ھ (۳) میں عید کے دن شہید ہوگئی اس کی تعمیر رئیس الملک ملک حیدر کے ہاتھوں عید قربان کے موقع پر بعہد جہانگیر اختتام کو پہنچی۔ مذکورہ کتبہ سے ہم دو اہم نتائج اخذ کرتے ہیں پہلا یہ کہ جہانگیر رائے عامہ کے سامنے جھک گیا حالانکہ وہ اور ملکہ ذاتی طور پر حیدر ملک کے بہی خواہ تھے دوسرا یہ کہ کچھ کشمیری سردار مغلوں کے پنتیس سالہ دور اقتدار میں اقتصادی طور پر اس قدر خوشحال ہونے لگے تھے کہ ان میں سے کچھ کے لیے جن میں حیدر ملک شامل تھا۔ جامع مسجد کی عظیم عمارت کی تعمیر کے بھاری اخراجات کا برداشت کرنا ناممکن نہیں تھا۔

فتح کشتواڑ

کشتواڑ ایک پہاڑی ریاست ہے جس کے شمال میں کشمیر اور مارو ورد وان وادی، جنوب میں بھدرواہ، مشرق میں دریائے چناب اور مغرب میں رام بن اور بانہال واقع ہے۔ دریائے چناب جو اس کے درمیان سے گزرتا ہے ان دنوں رسہ کے پل کے ذریعے عبور کیا جاتا تھا اس پل کو مقامی بولی میں زمپا کہتے تھے۔

جہانگیر کے عہد میں کشتواڑ گندم، جو، باجرہ اور دالیں کثرت سے پیدا کرتا تھا۔ تھوڑی بہت پیداوار

۱۔ توزک ج ۲۔ ص ۱۴۲

۲۔ ۱۵۰۸ء ۳۔ ۱۶۱۹ء

چاول کی بھی تھی آب و ہوا کے اعتبار سے کشتواڑ چھوٹی کشمیر ہے اسے ایک ہرے بھرے باغ سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ جس میں سیب، ناشپاتی، شفتالو، خربوزہ، اور انگور وغیرہ کی فراوانی ہے۔ یہاں زعفران بھی پیدا ہوتا ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ زعفران کشمیر سے بہتر ہوتا ہے یہاں خرید و فروخت کا پیمانہ سنساہی تھا۔ اور من ہندوستان کے دو سیر کے برابر ہوتا۔ راجہ زمین کا لگان وصول نہ کرتا۔ البتہ مکان پر ٹیکس عاید تھا۔ ہر گھر کو سالانہ چھ سنساہی یا چار مغل روپے ادا کرنا ہوتے۔ راجہ کی آمدنی کا بڑا ذریعہ وہ بھاری جرمانہ تھا جو معمولی جرائم پر امیروں سے وصول کیا جاتا راجہ کے پاس کوئی پیادہ فوج نہ تھی ویسے اس کے پاس سات سو بندوق برداروں کی مستقل ملیشیا تھی جس کی تنخواہ کے عوض زعفران دیا جاتا تھا۔ امیر جنبسی یا جنگ کے زمانے میں وہ سات ہزار جوان جمع کر سکتا تھا۔ بہر حال کشتواڑ ایک چھوٹی سی ریاست تھی اس کی غربت کا اندازہ اس مقبول کہاوت سے ہوتا ہے کہ کشتواڑ مصیبت کا راستہ ہے۔ یہاں کے لوگ دن کو بھوکے اور رات کو ٹھنڈے ہوتے ہیں جو بھی یہاں آتا ہے۔ جب یہاں سے جاتا ہے تو فقیر کے عصا کی طرح پتلا دبلا ہوتا ہے (۱)

چکوں کے عہد میں کشتواڑ سیاسی قاتلوں اور باغیوں کو پناہ دیتی رہی۔ علی شاہ چک (۷۹-۵۶۹ء) نے اس صورت حال کا خاتمہ اس وقت کیا جب اس نے کشتواڑ پر دو بار حملہ کیا اور راجہ کو عبرت ناک شکست دی مستقبل کے لیے خیر سگالی اور وفاداری کے ثبوت میں راجہ نے اپنا پوتا بطور ضمانت بھیجا۔ اور اپنی بہن اور بیٹی سلطان کشمیر کے حضور پیش کی۔ اپنی جنگ آزادی کے دنوں میں یعقوب شاہ چک کشتواڑ کو قاسم خان میر بحر اور یوسف خان رضوی کی افواج کے مقابل جنہیں اکبر نے فتح کے لیے بھیجا تھا۔ سلامتی و تحفظ کی ناقابل عبور فصیل سمجھتا تھا۔ اگرچہ یعقوب شاہ نے آخر کار ہار مان لی لیکن دوسرے مجاہدین آزادی متواتر مشکلات پیدا کرتے رہے تاکہ مغل کشمیر پر اپنی گرفت مضبوط نہ کر سکیں۔ جہانگیر کے ابتدائی عہد میں خسرو کی بغاوت سے حوصلہ پاکر اماخان چک وغیرہ کشمیر پر غارت گرانہ یلغار کرتے رہے۔ ۱۶۱۶ء میں

۱۔ وینی ج ۱، ص ۱۲-۲۰۳۔

بادشاہ نے احمد بیگ خان کو گورنر کشمیر مقرر کیا۔ کشمیر کا مغل جاگیر دار ہونے کی وجہ سے اسے مقامی حالات سے خوب باخبر سمجھا گیا تھا اسے اسی شرط پر گورنر بنایا گیا تھا تاکہ وہ کشتواڑ کو فتح کرے۔ مگر جب احمد بیگ مقامی طور پر چکوں کو مٹانے میں مصروف ہوا تو اندازہ ہوا کہ وہ کشتواڑ کو مغلوب نہیں کر سکتا۔ اس پر ۱۶۱۸ء میں جہانگیر نے دلاور خان ککر کو منصوبہ کی تکمیل پر مامور کیا۔ اپنی گورنری کے پہلے سال ہی دلاور خان نے مکمل تیاری کے بعد دس ہزار سوار اور پیادہ فوج کی مدد سے کشتواڑ پر حملہ کر دیا (۱) اس نے کشمیر کا نظم و نسق اپنے بیٹے حسن اور امیر البحر گردعلی کو سونپ دیا تھا۔

کشمیر سے کشتواڑ جانے کے دو راستے ہیں ایک سنگ پور سے جاتا ہے اور دوسرا دوسو سے - احتیاط کے طور پر دلاور خان نے فوج کو دو ڈویژنوں میں تقسیم کر دیا تھا ایک ڈویژن کو دوسو کے راستے اپنے بیٹے جلال کی نگرانی میں جس کی مدد نذر اللہ عرب اور علی ملک کشمیری کر رہے تھے روانہ کیا جب کہ خود اس نے سنگپور کے راستے پیش قدمی کی اس نے نوجوانوں کا ایک ہراول دستہ اپنے تیسرے بیٹے جمال کے ساتھ روانہ کیا تاکہ وہ دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھ سکیں۔ کشتواڑیوں سے ان کا پہلا مقابلہ دریائے مارو کے بائیں کنارے ہوا۔ کشتواڑیوں کی قیادت کشمیر کا دعویدار حکومت امبا خان چک کر رہا تھا مغلوں نے ان کو شکست دی اور ندی کے ساتھ ساتھ پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا جہاں بھندر کوٹ میں ندی کی پشت پر انہوں نے اپنی قوت جمع کی اس اہم مقام پر وہ بیس شبانہ روز مغلوں کو پیش قدمی سے روکتے رہے۔ لیکن جوں ہی جلال اور جمال کی فوجیں، جن کی قیادت دلاور خان کر رہا تھا پچھلی طرف سے تمام ضروری انتظامات کر کے آگے بڑھیں راجہ کشتواڑ حوصلہ ہار بیٹھا اور صلح کی درخواستیں کرنے لگا۔ دہشت انگیز دلاور خان نے فتح کے اس موقعہ پر اسے ممنون کرنا چاہا کشتواڑیوں نے موقع کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے پل توڑ دیا اور اس طرح جان بچالی۔ اس حکمت عملی نے مغل افواج کے لیے صورت حال کو سنگین بنا دیا کوئی چار ماہ اور دس روز تک ندی کو عبور کرنے کے لیے ان کی کوششیں ناکام ہوتی رہیں بالآخر

۱۔ توزک ج ۲، ص ۱۳۵

ایک مقامی زمیندار نے ان کو ایک موزوں جگہ بتلائی جہاں زمپادپل، لگ سکتا تھا۔ رات کو جلال نے دوسو افغانوں کے ہمراہ ندی کو عبور کر لیا۔ علی الصباح وہ اچانک راجہ پر ٹوٹ پڑے اور کشتواڑی فوج کی بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ راجہ کو گرفتار کر کے دلاور خان کے سامنے لایا گیا۔ اس نے راجہ کو پابہ زنجیر ۲۱ مارچ ۱۶۲۰ء کو جہانگیر کے حضور پیش کیا۔ خدمات کے صلہ میں جہانگیر نے دلاور خان کو کشتواڑ کا ایک سال کا مالیہ دے دیا جو ایک لاکھ روپیہ بنتا تھا (۱) فتح کے بعد کشتواڑ نذراللہ عرب کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ یہ ناکام منتظم ثابت ہوا۔ اس سے دو فاش غلطیاں کیں۔ ایک یہ کہ زمینداروں اور دیگر باشندوں سے سختی سے پیش آیا۔ اور دوسرا یہ کہ اس نے اپنے معاونین کو جو ترقیاں چاہتے تھے جواب دے دیا۔ اب وہ خود معمولی سی فوج کے ساتھ دفاع کرنے کے لیے رہ گیا تھا۔ کشتواڑیوں کے لیے یہ صورت حال مناسب موقعہ تھی۔ چنانچہ وہ مغلوں پر ٹوٹ پڑے اور ان پر غالب آگئے آخر کار نذراللہ عرب کو ہلاک کر دیا گیا۔

بغاوت کی خبر جہانگیر کو ستمبر ۱۶۲۰ء میں پہنچی تو اس نے فوراً جلال کو دوبارہ ایک بھاری فوج دے کر روانہ کیا۔ نیز جموں کے راجہ سنگرام کو حکم دیا کہ وہ اس کی مدد کرے۔ جلال مہم میں ناکام رہا پھر اس کی جگہ ارادت خان کو گورنر کشمیر کی حیثیت سے مقرر کیا گیا۔ ارادت خان نے کشتواڑ میں امن و امان بحال کیا اور تمام اہم ناکوں پر مغل مورچے قائم کر دیئے۔ یہ تھا کشتواڑ میں بغاوت کے خاتمہ کا حال۔

شاہجہان اور کشمیر

ظفر خان اور نیا انتظام (۱۶۳۲-۳۳ء)

اگرچہ جہانگیر نے اپنے صوبائی گورنروں خاص کر کے کشمیر میں خدمات انجام دینے والوں کے بڑے

۱۔ توزک ص ۲۶۶

برتاؤ اور دباؤ کو برداشت کرنے میں بڑی نرمی کا مظاہرہ کیا تھا مگر شاہجہان ایسا آدمی نہ تھا جو لاقانونیت اور خود مختاری کو برداشت کرتا۔ اس نے مسلّمہ وفاداری اور قابلیت کے مالک اشخاص کو گورنر منتخب کیا۔ وہ صوبائی نظم ونسق میں بُرے برتاؤ یا نااہلی کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اور اگر ان کا برتاؤ غیر تسلی بخش پایا جاتا۔ یا دربار میں ان کے خلاف شکایت پہنچتی تو وہ اپنے ہر دل عزیز افسروں کو بھی فوراً ملازمت سے علیٰحدہ کر دیتا۔ اس نے اعظم خان اور شائستہ خان کو گجرات کی گورنری سے محض اس لیے علیٰحدہ کر دیا تھا کہ وہ نااہل تھے۔ اس نے اعتقاد خان کو اس کے ظالمانہ برتاؤ کے پیش نظر کشمیر کی گورنری سے برطرف کر دیا اور اس کی جگہ ظفر خان کو دوسری بار گورنر مقرر کیا کیونکہ اس نے کشمیریوں میں مقبولیت حاصل کر لی تھی۔ اعتقاد خان کو ۱۶۲۲ء میں کشمیر کا گورنر مقرر کیا گیا تھا اور وہ ۱۶۳۲ء تک اسی منصب پہ رہا اس کا دس سالہ دور کشمیر کی تاریخ میں سب سے بڑھ کر ظالمانہ دور تھا۔ ٹیکسوں اور خود مختارانہ اقتدار کے باعث اس نے یہاں کے باشندوں کو بہت تکلیف پہنچائی۔ مثال کے طور پر اس نے بیگار کی مکروہ رسم دوبارہ شروع کی حالانکہ اکبر اس کا خاتمہ کر چکا تھا۔ پھر یہ کہ اس نے نجی باغات ہتھیا لیے اور وہ مالکان کو پھل استعمال کرنے کی اجازت بھی نہ دیتا (۱) جب اس کی دراز دستیوں کی شکایت شاہجہاں کو پہنچی تو اس نے فوراً اسے معطل کر دیا اور ظفر خان کی تقرری عمل میں لائی گئی۔

کشمیر میں امن خوشحالی اور انصاف کا نیا عہد شروع کرنے کے لیے شاہجہان نے حکم دیا کہ سابق گورنروں کے تمام ظالمانہ مطالبات یک لخت ختم کر دیئے جائیں۔ نیز یہ کہ وہ فرمان جس میں نئے اصول درج ہیں پتھر کی تختی پر کندہ کر کے کسی اہم مقام پہ رکھا جائے تاکہ عوام اور ان کے آئندہ حکمران ان اصولوں کو جان سکیں۔

حکم کے مطابق پتھر کی اس تختی کو اہم جگہ یعنی جامع مسجد کی جنوبی دیوار کے دروازے پر نصب کر دیا گیا۔ اس شاہی فرمان میں کہا گیا ہے کہ اعتقاد خان کا خود مختارانہ اور ظالمانہ اقتدار ختم ہو گیا۔

۱۔ تاریخ اعظمی ص ۱۰۵۔

بادشاہ سلامت چاہتے ہیں کہ تمام سرکاری کارندے نئے اصولوں کی مکمل اور خوشی سے اطاعت کریں۔

کشمیر کے موجودہ اور آئندہ حکمرانوں کی توجہ مبذول کراتے ہوئے فرمان ان الفاظ پر ختم ہوتا ہے۔

"صوبہ کشمیر کے موجودہ اور مستقبل کے گورنروں کو لیکٹروں اور تحصیلداران ٹیکس کو سمجھنا چاہیئے کہ یہ احکام آخری اور ابدی ہیں ان میں کسی قسم کی تبدیلی یا ترمیم ان کو نہیں کرنی چاہیئے۔ جو بھی اس میں ترمیم یا ردّو بدل کرے گا اس پر خدا کا عذاب اور بادشاہ کا عتاب نازل ہوگا۔"

فارسی فرمان کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔

اللہ اکبر

حضرت سلیمان مکانی شاہجہان بادشاہ، غازی صاحب قرآن ثانی کے فرمان مبارک کی نقل جو ۷ راسفند روز ماہ آلہی کو عوام سے محبت کے سبب کمترین خانہ زادان احسن اللہ المخاطب بہ ظفر خان نے ان بدعتوں کو برطرف کرنے کے بارے میں جو سابقہ صوبیداران کے دور میں کشمیر میں مروج تھیں اور رعایا کی خرابی کا باعث بنی ہوئی تھیں جاری کیا۔

فرمان

ہرگاہ کہ بادشاہ سلامت کی ہمت ہمیشہ رعایا کی فلاح و بہبود میں ہوتی ہے بنا بریں بعض امور کے بارے میں جو کشمیر کے باشندوں کے آزار کا سبب بنے ہیں ہم نے حکم دیا ہے کہ وہ برطرف کیے جائیں

۱۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ زعفران چننے کے موسم میں لوگوں کو جبراً لے جاتے ہیں کہ وہ زعفران چنیں اور اس کے عوض تھوڑا سا نمک ان کو دیتے ہیں۔ اس سبب سے ان کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ ہم نے حکم دیا ہے کہ زعفران چننے کی زحمت کسی کو نہ دی جائے اور جس کا تعلق خالصہ سرکار سے ہو۔ مزدوروں کو راضی کر کے لے جائیں اور پوری مزدوری ادا کریں جس کا تعلق جاگیردار سے ہو وہ اس کے سپرد کردیں تاکہ وہ جیسے چاہے زعفران چنے۔

۲۔ دوسری بات یہ کہ بعض صوبہ داران کشمیر کے عہد میں ایک خروار شالی پر دو دام لکڑی کے لیے لیتے تھے۔ اعتقاد خان کی حکومت میں لکڑی کے لیے ہر خروار پر چار دام لیے جاتے تھے۔ چونکہ اس وجہ سے رعایا کو تکلیف اور رنج پہنچا۔ حکم فرمایا کہ رعایا کو اس رقم کے دینے سے بالکل ہی معاف کر دیا جائے اور ایندھن کے لیے کوئی چیز نہ لی جائے۔

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ جس گاؤں کی شالی چار سو خروار سے زیادہ ہوتی اس گاؤں سے حکام دو گوسفند ہر سال حاصل کرتے اور اعتقاد خان اپنی صوبہ داری کے زمانے میں گوسفند کی بجائے ہر گوسفند پر چھیاسٹھ دام لیتا تھا چونکہ اس سے بھی رعایا کو نقصان اور آزار پہنچتا اس لیے حکم فرمایا کہ یہ بالکل ہی برطرف ہو۔ نہ گوسفند لیں نہ نقد رعایا کو معاف کر رکھیں۔

۴۔ اعتقاد خان صوبہ داری کے دنوں میں سرکشی کر کے ہر ملّاح سے خواہ وہ بوڑھا ہو یا جوان۔ پچھتر دام لیا کرتا، قدیم معمول یہ تھا کہ فی جوان ساٹھ دام فی پیر مرد بارہ دام اور فی بچہ چھتیس دام، لیتے تھے حکم دیا گیا کہ معمول قدیم کو برقرار رکھتے ہوئے اعتقاد خان کی بدعتوں کو برطرف کیا جائے اور اب اس کے مطابق عمل نہ کریں۔

۵۔ ایک صورت یہ ہے کہ صوبہ دار پھل پکنے کے وقت وہ باغ یا باغیچہ کہ عمدہ پھل کا گمان کرتے اپنے آدمیوں کو بھیج دیتے کہ اس پھل پر متصرف ہو جائیں اس وجہ سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی۔ چنانچہ اکثر لوگوں نے پھلدار درخت اکھاڑ پھینکے۔ حکم فرمایا کہ کوئی صوبہ دار باغ و باغیچہ کے پھل کو قرق نہ کرے۔ حا

چاہیئے کہ کشمیر کے حال و مستقبل کے حکام کرام، دیوانیاں اور عمّال ان احکام کو مستمر و ابدی سمجھیں ان کے قواعد میں تغیّر و تبدّل نہ کریں جو کوئی تغیّر و تبدل کرے گا وہ خدا کی لعنت اور بادشاہ کے غضب میں گرفتار ہو گا۔

تحریر فی تاریخ ۲۶ آذر ماہ آلہی (مارچ)

یہ فرمان بہت بڑی سیاسی اہمیت کا حامل ہے اس میں بہت سارے ظالمانہ ٹیکس اور رسوم گنوائے گئے ہیں جو سنگدل حریص بیباک اور کوتاہ اندیش، گورنران کشمیر مثلاً اعتقاد خان رعایا سے وصول کرتے اور اس طرح عوام کی پریشانی وغربت کا موجب بنتے۔

اس کے ساتھ یہ فرمان شاہجہان کی گہری ذاتی دلچسپی اور قوت فیصلہ کا ثبوت بھی ہے جو وہ اپنی تمام قلمرو میں عمدہ اور پرامن انتظام قائم کرنے اور ہر قسم کی انتظامی برائیوں کو مٹانے کے لیے جن سے عوام کو پریشانی ہوتی، کام لیتا تھا۔

فتح لداخ و بلتستان (۱۶۳۴ء)

مغربی تبت کا دور افتادہ علاقہ جسے اس زمانے میں لداخ و بلتستان کہا جاتا تھا۔ قدیم ایام سے ہی کشمیری باغیوں کی پناہ گاہ رہا ہے۔ حکومت کشمیر کے چک دعویدار ان اضلاع میں اور کشتواڑ میں اس وقت تک پناہ لیتے جب تک کہ مناسب موقعہ ان کو وادی میں گڑبڑ پھیلانے اور حکمرانوں کو ہراساں کرنے کے قابل نہ بنا دیتا۔

اکبر نے ان اضلاع کے سرداروں کے بارے میں مصالحانہ پالیسی اپنا رکھی تھی۔ اس نے بابا طالب اصفہانی اور مہتر یاری کو ان کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ دوسری طرف تبت خورد (بلتستان) کے سردار علی رائے نے اطاعت وانقیاد کے ثبوت میں سلیم کو اپنی لڑکی دے دی تھی۔ جہانگیر کے ابتدائی عہد میں ابدال ولد علی رائے نے تخت کشمیر کے چک دعویداروں کو پناہ دی تھی اور وہ وادی میں پریشانی کا سبب بنا تھا جہانگیر نے کشمیر کے گورنر ہاشم خاں کو فتح بلتستان کے لیے روانہ کیا مگر اسے زبردست ناکامی ہوئی۔ دلیر مگر ہٹ دھرم ابدال دو چک پناہ گزین شہزادوں حبیب چک اور احمد چک کو کشمیر میں مغلوں کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا رہا۔ اعتقاد خان کے عہد گورنری میں یہ دونوں بڑی بدنظمی پیدا کرتے رہے۔ اعتقاد خان نے چکوں کو تو خاک میں ملا دیا لیکن وہ ان کے رہنماؤں کو گرفتار نہ کر سکا اعتقاد خان کے بعد جب ظفر خان ۱۶۳۲ء میں گورنر کشمیر بنا تو شاہجہان نے اسے حکم دیا کہ تبت کو فتح کیا جائے

اور ابدال کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ ظفر خان اس مہم پر بارہ ہزار سوار اور پیادہ فوج لے کر چل پڑا،
اس کو سکردو پہنچنے میں ایک ماہ لگ گیا۔

ملک کی فتح کا کام مکمل کرنے کے لیے اس نے دو قلعوں کی تسخیر ضروری تھی (۱) اس
مہم سے پہلے اس نے دیکھا کہ کسان ابدال کی حکومت سے پریشان ہیں۔ ظفر خان ان کا بڑا خیال رکھتا
اور مہربانی سے پیش آتا۔ اس طرح وہ ابدال کی طاقت تقسیم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ تب اس نے شیغر
کے قلعہ کی فتح کے لیے فوجیں بھیجیں جس کی حفاظت ابدال کا پندرہ سالہ بیٹا کر رہا تھا وہ ابدال کا خاندان چھوڑ کر
بھاگ نکلا جو مغلوں کے ہاتھ آ گیا، اب حالات نے ابدال کو مجبور کر دیا کہ وہ امن کی درخواست کرے اس نے
شاہجہاں کے نام کا خطبہ پڑھا اور ایک ملین روپیہ بطور تاوان ادا کیا۔

ظفرِ خان نے حبیب چک اور احمد چک کے بچوں کو بھی گرفتار کر لیا تب وہ ابدال، اس کے بچوں اور
چک پناہ گزینوں کے ہمراہ کشمیر لوٹا۔ اس نے ملک کے انتظام کے لیے ابدال کے وکیل محمد مراد کو پیچھے چھوڑ دیا

شیعہ۔سُنّی فساد (۱۶۳۵)

ظفر خان کے عہد میں سرینگر شیعہ۔سنّی فسادات کا مرکز بنا رہا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ۱۶۳۵ء کے
موسم بہار میں ایک دن سرینگر کے کچھ مسلمان مائی سومہ کے باغ میں جہاں شہتوت پکے ہوئے تھے۔
جمع ہوئے جب وہ تفریح میں مصروف تھے تو کچھ شیعوں اور سنّیوں کے درمیان تُو تُو میں میں ہو گئی۔ شیعوں
نے خلفائے رسول کے خلاف توہین آمیز الفاظ استعمال کیے۔ سُنّیوں نے برافروختہ ہو کر سخت سست
کہنے والے شیعوں کے خلاف مناسب سزا کا مطالبہ کر دیا۔ ظفر خان جس کی کمزوری شیعہ تھے کوئی خاص
اقدام نہ کر سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سُنّی خواجہ خاوند محمود کی رہنمائی میں جو اس وقت کشمیر میں نقشبندی مسلمانوں
کے پیشوا تھے۔ تشدّد پر اُتر آئے اور شیعہ آبادیوں کو آگ لگا دی، بہر حال ظفر خان نے امن وامان بحال

۱۔ کہمار پچھ اور کاہ چھینہ (مصنف)

کرنے کی خاطر خاوند محمود کو کشمیر سے جلاوطن کر دیا۔

ہولناک قحط ـــــ (۱۶۴۱ء)

تربیت خان کی گورنری کے زمانے یعنی ۱۶۴۱ء میں قحط کے نتیجہ میں کشمیر کو سختی کا سامنا کرنا پڑا۔ قحط شدید اور مسلسل بارشوں کی وجہ سے ہوا جس سے شالی کی فصل تباہ ہو گئی۔ اشیائے خوردنی میں اس قدر قلت ہو گئی کہ تیس ہزار افراد ہجرت کر کے لاہور آ گئے۔ انہوں نے بد ترین حالت میں اپنے آپ کو شاہجہاں کے سامنے پیش کیا اور امداد کی درخواست کی۔ ان کی ابتر کن حالت نے اسے اتنا متاثر کیا کہ ایک لاکھ روپیہ نقد ان کو دیا نیز یہ حکم دیا کہ دس لنگر جاری کیے جائیں تاکہ جب تک وہ لاہور میں رہیں ان کو پکا پکایا کھانا مفت میں دیا جا سکے۔ اس نے تیس ہزار روپے تربیت خان کو بھجوائے۔ تاکہ وہ سری نگر کے مصیبت زدگان میں تقسیم کرے اور ساتھ ہی یہ حکم دیا کہ ضرورت مندوں کو مفت خوراک مہیا کرنے کے لیے وادی میں پانچ مراکز کھولے جائیں لیکن تربیت خان صورت حال پر قابو پانے میں ناکام رہا۔ اس کے بعد ظفر خان کو گورنر بنا کر بھیجا گیا اور اسے بیس ہزار روپیہ کی مزید رقم فوری امداد کے لیے دی گئی۔ ظفر خان نے کامیابی سے بحران کا مقابلہ کیا۔

اورنگ زیب اور کشمیر

(۱۶۵۸ ـــــ ۱۷۰۷)

جانشینی کے لیے اپنے بھائیوں کے خلاف خون ریز لڑائیاں لڑنے کے بعد اورنگ زیب ۱۶۵۸ء میں تخت پر براجمان ہوا اور مدافعت کے ہتھیار پہنے شکستہ دل آدمی کی حیثیت سے ۱۷۰۷ء میں فوت ہو گیا

خطہ کشمیر دور واقع ہونے کے باوجود اڑتالیس سالہ پرآشوب دور میں اورنگ زیب کے عہد کی سماجی، سیاسی اور ثقافتی تبدیلیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ کشمیر کی تاریخ گورنروں کے کردار

اور انتظامی صلاحیتوں کے مطابق بدلتی رہی ہے یہ گورنر یا تو بادشاہ کی اپنی پسند کے یا اس کے وزیروں کی مرضی کے لوگ ہوتے تھے ان میں سُنّی بھی تھے اور شیعہ بھی۔ حسب سابق ان میں سے بعض تو دوسری یا تیسری مرتبہ گورنر بنائے جاتے جو یقیناً بدترین مثال ہے جبکہ بعض کشمیر سے باہر رہ کر ہی یہاں کا انتظام چلاتے اور زمام حکومت اپنے نائبین کے سپرد کر دیتے جو مرکزی حکومت کی بجائے ان کے سامنے جوابدہ ہوتے۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں سے چند ایک نیک نیّت خدا ترس اور قابل منتظم بھی تھے۔ انہوں نے امن وامان قائم رکھا، سُنّیوں، شیعوں اور ہندوؤں سے ایک جیسا سلوک کیا، ظالمانہ ٹیکس اٹھا دیے۔ باغات لگوائے، عمارات بنوائیں۔ خیراتی ادارے قائم کیے جس سے ملک کے طبعی حسن اور عوام کی اقتصادی خوشحالی میں اضافہ ہوا۔ اورنگ زیب کے سارے عہد حکومت میں گورنر، بارہ دفعہ سے زیادہ تبدیل ہوئے ان میں سے کسی نے بھی لگاتار سات سال سے زیادہ کے لیے حکومت نہ کی۔ بلکہ بعض کا عہد تو فقط دو ایک سال ہی تھا۔

ذیل میں کشمیر کے گورنروں کی مع مختصر احوال فہرست دی جاتی ہے جنہوں نے اورنگ زیب کے عہد میں کشمیر پر حکومت کی۔

۱- اعتماد خان (۶۲-۱۶۵۹ء)

وہ عہد شاہجہان میں کشمیر کے آخری گورنر لشکر خان کا جانشین تھا۔ پڑھا لکھا مذہبی اور عمارت ساز آدمی تھا۔ اس نے ایک خوبصورت باغ تعمیر کروایا۔ منتظم کی حیثیت سے اس نے ایک منصفانہ اور رفاہی حکومت قائم کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔ یکساں انصاف مہیا کیا۔ وہ تمام انتظامی اور آئینی امور کا تصفیہ اپنے سامنے کرواتا۔ اس کا دربار ہر آدمی کے لیے کھلا تھا۔

۲- ابراہیم خان (۶۴-۱۶۶۲ء)

یہ شاہجہان کے دور کے ممتاز انجینئر اور سیاست دان علی مردان کا بیٹا اور عقیدے کا شیعہ تھا۔

شیعانِ کشمیر اگرچہ مختصر سی اقلیت تھے۔ تاہم وہ اس کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ انہوں نے سُنیوں کی مقدس جگہوں خاص طور سے سید جمال الدّین کے مزار پر قبضہ کر کے ان کو خواہ مخواہ دکھ پہنچایا۔ جب ابراہیم خان نے شیعوں کی حمایت کی تو سُنّی بھڑک اُٹھے۔ ان واقعات کی اطلاع اورنگ زیب کو پہنچی تو اس نے قاضی عبدالقاسم کو مقدمہ کے فیصلہ کے لیے مقرر کیا۔ قاضی مذکور نے سُنّیوں کے حق میں فیصلہ صادر کیا اور ابراہیم خان کو برطرف کر دیا گیا۔

۳۔ اسلام خان (۶۵—۱۶۶۴ء)

وہ ایک محنتی، نیک نیت، منتظم اور شاعر تھا۔ علمائے دین کی ضروریات مہیا کرتا اور ان کو تشویق کرتا کہ وہ اپنا وقت اور طاقت اشاعت اسلام کے لیے وقف کر دیں۔ اس نے عید گاہ میں علی مسجد تعمیر کروائی۔ جو سولھویں صدی میں بوسیدہ ہو کر گر گئی تھی، پھر اس مسجد کے ارد گرد چنار کے پودے لگوائے۔ اس گورنر کے عہد میں اہم واقعہ ۱۶۶۳ء میں اورنگ زیب کا پہلا اور آخری سفر کشمیر ہے (۱)

فرانسیسی ڈاکٹر برنیئر نے بھی جو مشہور طبیب و سیّاح تھا اسی زمانہ میں اورنگ زیب کے سردار اور اپنے مخدوم دانشمند خاں کے کارواں کے ساتھ کشمیر کی سیاحت کی تھی۔ اس نے اس سفر کے چشم دید واقعات کی تفصیل دی ہے جس میں کشمیر کے تاریخی واقعات، حسن فطرت اور ثقافت پر مواد ملتا ہے وہ کشمیر کو فردوسِ ہند کا نام دیتا ہے (۲)

اورنگ زیب نے طویل علالت کے بعد ٹھنڈی اور صحت افزا آب و ہوا سے استفادہ کرنے کی غرض سے کشمیر کا سفر کیا مگر اس کے طویل، دشوار اور بعض مقامات پر خطرناک سفر کے تجربات خوشگوار نہ تھے۔

۱۔ سفر کشمیر کی تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے اعظم نے ۱۶۶۳ء/۱۰۷۳ھ، اور حسن نے ۱۰۷۵ھ لکھی ہے، مصنف

۲۔ برنیئر، سفرنامہ۔ ص ۲۹۳۔

اورنگ زیب وادی میں کوئی تین ماہ کے لیے ٹھہرا اور متعدد حسین مقامات کی سیر کی۔ سرینگر میں وہ ہری پربت کے نشیب میں تعمیر شدہ محل میں ٹھہرا۔ جہاں سے جھیل ڈل کی بہار قابل دید تھی۔ وادی میں سے گزرنے کے دوران اورنگ زیب کے مشاہدہ میں کئی ایسی چیزیں آئیں جو اسلامی تہذیب کے مطابق نہ تھیں۔ مثال کے طور پر اس نے دیکھا کہ افیون کی کاک پور میں کاشت ہوتی ہے۔ تیسری اور غالباً سب سے بدتر یہ کہ اس نے کشمیر کے مقامی ناٹک ایکٹروں سے جن کو بھانڈ کہا جاتا ہے۔ تھیٹریکل تماشے دیکھے۔ پہلی بات کے سلسلے میں اس نے ناظم کشمیر کو حکم دیا کہ وہ طبقہ نسواں کو مجبور کرے کہ وہ پاجامہ پہنیں تاکہ ان کی ٹانگیں ننگی نہ رہیں (۱)

دوسرے معاملہ میں اس نے اتفاق نہ کیا کہ افیون کشمیر میں زیر استعمال ادویہ میں ڈالی جانی چاہیئے۔ حکم دیا گیا کہ اس کی کاشت ختم کر دی جائے۔ جہاں تک پیشہ ورانہ ایکٹروں کا تعلق ہے اورنگ زیب نے محسوس کیا کہ یہ لوگ غیر اسلامی کاروبار کرتے ہیں۔ اس نے حکم دیا کہ ان کو موقوف کیا جائے اور ان کا آرائشی ساز و سامان اور آلات موسیقی ضبط کر لیے جائیں۔ گورنر کشمیر کے نام اپنے خط کے آخر میں وہ تاکید کرتا ہے کہ------ یہ ہم سب کا فرض ہے کہ ہم جائز کاموں کا حکم دیں اور ناجائز سے روک دیں۔

۴۔ سیف خان (۱۶۶۵ — ۶۸ء)

تربیت خان کا بیٹا سیف خان عزم آہنی کا مالک قابل اور سخت گیر منتظم تھا۔ اس نے بے لگام لوگوں کے دلوں پر دہشت بٹھائی اور خرابی کو طاقت کے ذریعے ختم کر دیا۔ مثال کے طور پر خواجہ محمد صادق کو جو ایک ریونیو کلیکٹر تھا، کوڑے مار مار کر ہلاک کر دیا گیا کہ اس نے غلط حساب پیش کیا تھا۔ لداخ کا باغی سردار پابہ زنجیر سرینگر لایا گیا اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا پھر دہلی روانہ کر دیا گیا مغربی تبت میں اسلام پہنچایا گیا ایک جامع مسجد وہاں تعمیر کروائی گئی۔ خلبہ پڑھا گیا اور اورنگ زیب کے نام کا سکہ ڈھالا گیا

۱۔ رقعات عالم گیری، قلمی رام پور ص ۱۳۲۔

۵۔ مبارز خان (۱۶۶۸ - ۶۹ء)

وہ نیک فطرت، سادہ مزاج اور قدامت پسند آدمی تھا۔ جامع مسجد تک نماز ادا کرنے کے لیے پاپیادہ جاتا لیکن یہ بات اوزبک سپاہیوں کے بارے میں جو اس کے باڈی گارڈ تھے نہیں کہی جاسکتی وہ ہر قسم کی لاقانونیت کا ارتکاب کرتے اور عوام کو اذیت پہنچاتے۔ کمزور گورنر جو اُن کی مدد کا محتاج تھا یہ سب کچھ دیکھتا مگر کچھ نہ کرسکتا۔

۶۔ سیف خان (۱۶۶۹ - ۷۲ء)

یہ دوسری بار گورنر مقرر کیا گیا اور اس نے قاضی عبدالرحیم کو اپنا ڈپٹی گورنر چنا۔ اس کے عہد میں یہاں ہلاکت خیز زلزلہ آیا۔ اور صبح سے شام تک بار بار آتا رہا۔ سیف خان نے وسیع پیمانے پر اپنی "زیادہ غلہ اُگاؤ مہم" کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ذاتی دلچسپی لی۔ محمود آباد کا نیا قصبہ آباد کیا اور کاشتکاروں میں زمین تقسیم کی۔ ۱۶۷۰ء میں اس نے سری نگر میں جہلم پر صفاکدل تعمیر کروایا۔

۷۔ افتخار خان (۱۶۷۲ - ۷۵ء)

وہ اپنی رعایا کا محسن اور اچھا منتظم تھا مگر لوگ امن و امان کے خواہش مند نہ تھے۔ اسی لیے ۱۶۷۳ء کی حریق سے بارہ ہزار گھر سرینگر میں جل گئے اور جامع مسجد راکھ کا ڈھیر ہوگئی۔ اورنگ زیب نے مسجد کو پہلے سے کہیں زیادہ محکم اور خوبصورت بنوایا لیکن بے خانماں لوگوں کو قسمت کے سہارے چھوڑ دیا گیا۔

۸۔ قوام الدین خان (۱۶۷۵ - ۷۸ء)

یہ ایک نیک سرشت ایرانی تھا۔ اس نے عادل اور سخی گورنر کی حیثیت سے نام پیدا کیا۔ اور قانون شکنوں پر ان کی سماجی حیثیت کا لحاظ کیے بغیر کڑی نظر رکھی۔

۹ - ابراہیم خان (۸۵ - ۱۶۷۸ء)

اسے دوسری بار گورنر مقرر کیا گیا اگرچہ وہ عیاش اور فضول خرچ آدمی تھا۔ اسے قانون بحال کرنے کا موقع تو ملا لیکن کچھ قدرتی مصائب نے لوگوں کو پریشان کیے رکھا۔ مثلاً ۱۶۸۳ء میں مسلسل بارشوں کی وجہ سے دریائے جہلم میں طغیانی آگئی اور کھڑی فصلوں کو تباہ کر دیا۔ بہت سارے مکانات اور مویشی بھی اس میں بہہ گئے۔ دوسرے سال زلزلہ نے بیشمار مکانوں کو گرا کر زمین کے ساتھ برابر کر دیا اور متعدد آدمی ہلاک ہو گئے۔ جلد ہی مرکزی ایشیا کے غازنگر قزق قبائل نے لداخ اور بلتستان میں لوٹ مار شروع کر دی۔ گورنر نے اپنے بیٹے فدائی خان کو بھاری فوج دے کر لٹیروں کے مقابلہ میں بھیجا۔ لٹیرے شکست کھا گئے بہت ساروں کو سزائیں دی گئیں۔ اور متعدد پا بہ زنجیر سرینگر لائے گئے۔

لیکن ابراہیم خان کے عہد ثانی کا سب سے بڑا تکلیف دہ واقعہ ۱۸۸۵ء کا شیعہ سُنی فساد ہے۔ وجہ یہ ہوئی کہ حسن آباد میں جو خالص شیعہ محلّہ تھا عبدالشکور نامی ایک آدمی اپنے بیٹے اور سالے کے ہمراہ ایک سُنّی محمد صادق کے ساتھ جھگڑ پڑا۔ انہوں نے اسے پکڑ کر تکلیفیں دینا شروع کیں۔ اس طرح کا ایک انفرادی واقعہ بھی سُنیوں کو بھڑکانے کے لیے کافی تھا۔ گورنر کا بیٹا فدائی خان شیعوں کا حامی بن گیا اور ان کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کرنے لگا۔ اس پر شہر کے مغل سُنّی اہل کار بھی سُنیوں کے طرفدار بن گئے۔ خانہ جنگی شروع ہو گئی جس میں متعدد جانیں اور بہت بڑی جائیداد تباہ ہو گئی۔ گورنر کو مجبور کیا گیا کہ وہ اصل مجرموں عبدالشکور، اس کے بیٹے اور سالے کو سُنیوں کے حوالے کرے تاکہ وہ ان کو قتل کر سکیں۔ صورت حال اتنی بگڑ گئی کہ حکومت کے چوٹی کے ارباب بست وکشاد مثلاً چیف مفتی، چیف قاضی، بخشی اور دیوان بھی سُنیوں کے ہاتھوں قید ہو گئے تاہم طویل مدّت کے بعد جب بادشاہ کو ان حالات کا علم ہوا تو اس نے گورنر ابراہیم خان کو معطل کر دیا اور اسے قید خانے میں ڈال دیا۔ اس کی جگہ کشمیر کا گورنر حفیظ خان تعینات کیا گیا۔

۱۰۔ حفیظ اللہ خان (۸۹-۱۶۸۵ء)

زمام اقتدار ہاتھ میں لینے کے فوراً بعد حفیظ اللہ خان امن وامان کی بحالی اور بے مثال سختی کے ساتھ آوارہ لوگوں کی تادیب میں مصروف ہوگیا۔ پھر اس نے جموں کے باغی سردار کو شکست دی۔

۱۱۔ مظفر خان (۹۲-۱۶۸۹ء)

یہ شائستہ خان کا بیٹا تھا جو مرہٹہ تنظیم کے بانی سیواجی کے ہاتھوں قتل ہوگیا تھا وہ کشمیر کے گورنروں میں سب سے زیادہ سخت گیر اور تنگ دل ہوگزرا ہے۔ مرہٹوں کا غصہ نکالنے کے لیے اس نے بیچارے کشمیریوں پر ٹیکس عائد کردیے جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔ چوتھ (سرکاری خزانہ کا چوتھائی حصہ) دام داری (پرندے پکڑنے والوں پر ٹیکس) اور نمک ساری (نمک پر ٹیکس) جس سے اسے کوئی ساٹھ ہزار ٹانک کی آمدنی ہوتی۔

۱۲۔ ابونصر خان (۹۸-۱۶۹۲ء)

یہ سابق گورنر مظفر خان کا بھائی تھا۔ یہ حرص اور جور وجفا میں مظفر خان سے بڑھا ہوا تھا۔ اس نے کوشش کی کہ رعایا سے آخری کوڑی بھی ہتھیالی جائے۔

۱۳۔ فاضل خان (۱۷۰۱-۱۶۹۸ء)

یہ ملک میں امن قائم کرنے اور یکساں انصاف مہیا کرنے کے لیے ذاتی دلچسپی لیتا رہا اس نے وہ ظالمانہ ٹیکس اٹھا دیئے۔ جو اس کے پیشرو مظفر خان اور اس کے بھائی ابونصر خان نے عائد کیے تھے۔ بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے کشمیر میں منصب داری سسٹم رائج کیا اور کچھ ذہین اور مستحق کشمیریوں کو پہلی مرتبہ آرمی کیڈر پر تعیناتی کیا۔

وہ خدا ترس، عمارت ساز اور انجینئر تھا اس نے حضوری باغ سرینگر کے قریب ہفت چنار میں بند بنوایا تاکہ ڈوڈا گنگا ندی کے مسلسل سیلابوں سے شہر کو بچایا جائے۔ اس نے بند کے ساتھ ساتھ چنار کے پودوں کی قطاریں لگوائیں تاکہ اسے کوئی گزند نہ پہنچے۔ حسن آباد اور جوگی لنگر کے مقامات پر جو دینہ وادی سرینگر میں واقع ہیں۔ مذہبی ادارے قائم کیے۔

تاریخی اور ثقافتی لحاظ سے اس کے عہد کا عظیم ترین واقعہ نبی اکرمؐ کے موئے مبارک کا ۱۶۹۹ء میں سرینگر میں لانا ہے (۱) ایک شخص خواجہ نورالدین ایشہ بری جو ایک ممتاز کشمیری تاجر تھا یہ موئے مبارک بیجاپور دکن سے لایا تھا۔

جب موئے مقدس سری نگر لایا گیا اور حضرت بل مسجد کے موجودہ مقام پہ اسے رکھا گیا تو اہلِ کشمیر نے بے حد مسرت کا اظہار کیا تمام اعیان و معززین اور علما بلکہ تمام آبادی نے موئے مقدس کو سر آنکھوں پہ رکھا جس کا وہ واقعی حقدار بھی ہے۔

۱۴۔ ابراہیم خان (۶ - ۱۷۰۱ء)

اسے تیسری بار گورنر مقرر کیا گیا۔ اب کے وہ پہلے سے زیادہ واقف کار، متمدن اور مہذب معلوم ہوتا ہے۔ اس نے آبادی کو امن و انصاف مہیا کرنے کے لیے کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا اور اس کارنامہ کے لیے عوام اس کی تعریف میں رطب اللسان ہو گئے اور اسے صلح کل کا خطاب دیا۔

۱۶۔ نوازش خان رومی (۷ - ۱۷۰۶ء)

جب اس کی تقرری عمل میں لائی گئی تو اس نے سیاسی ضرورت کے پیشِ نظر کشمیر کے دیوان،

اور ابراہیم خان کے دست راست، ملّا اشرف کو اپنا ڈپٹی نامزد کیا، تاہم جلد ہی اس نے یہ فیصلہ بدل دیا اور پھر اس کی جگہ عبداللہ دہ بیدی کی تقرری عمل میں لائی گئی، وہ ابھی سری نگر پہنچا بھی نہیں تھا کہ اورنگ زیب کی موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔

بعد کے مغل اور کشمیر

جب اورنگ زیب احمد نگر میں اپنے کیمپ میں ۳ مارچ ۱۷۰۷ء کو فوت ہوا۔ تو کسی نے اس وصیت نامہ کو پڑھنے کی زحمت گوارا نہ کی جو اس نے زیر بالیں رکھ چھوڑا تھا۔ غالباً وہ جانتا تھا کہ اس کی موت کے بعد جھگڑا کھڑا ہو جائے گا اور ان تمام باتوں کا الزام خود اسی کے سر تھوپا جائے گا۔ پیچھے رہنے والے تینوں بیٹوں معظّم اعظم اور کام بخش کے مقاصد وہی تھے۔ جو ان کے والد اور چچاؤں کے درمیان جنگ اقتدار کا موجب بن چکے تھے۔ اب تاریخ نے اپنے آپ کو دھرا دیا تھا۔

ایک ہولناک اور خونریز جنگ کے بعد سب سے بڑے بیٹے معظّم خان نے جسے شاہ عالم بھی کہا جاتا ہے ۱۷۱۲ء میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ گیارہ ماہ کے مختصر اور خفت آمیز عہد کے بعد اسے اپنے بھائی فرّخ سیر کی ترغیب و تحریک پر جو بعد میں خود بادشاہ بنا اورنگ زیب کے وزیر ذوالفقار خان نے قتل کر دیا۔ اچھے وقتوں میں اس نے ہوشیار اور سیاست دان ہونے کا ثبوت بہم پہنچایا۔ ذوالفقار خان کے بار احسان سے نکلنے اور اس کے شورش انگیز اثر سے نجات پانے کے لیے اس نے اسے اور دوسرے سرداروں کو مروا دیا کیونکہ ان کا برتاؤ مشکوک تھا۔ اس کے بعد اس نے خوف و ہراس کی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی لیکن وہ فتنہ پرور سید برادران یعنی سید عبداللہ اور سید حسین علی کی ریشہ دوانیوں کے خلاف کچھ کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں انہوں نے اتنی طاقت اور اثر و رسوخ حاصل کر لیا کہ خود فرّخ سیر کی زندگی خطرے میں پڑ گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ

فرخ سیر نے شیخی باز اور خود سر احمق کی طرح اپنے بزدل اور لالچی سرداروں کے ذریعے سید برادران سے طاقت چھیننے کا منصوبہ بنایا تو وہ خود ہی ان کا صید زبوں بن گیا اور سید برادران اسے موقوف کرنے اندھا کرنے اور پھر ۱۷۱۹ء میں شرمناک طریقے سے اسے قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اب تاج ان کے ہاتھ میں تھا اور وہ اسے ایک سال تک مختلف نمائشی لوگوں کے سروں پر رکھتے رہے۔ رافع الدرجات، رفیع الدولہ، نیکو سیر اور ابراہیم سب بیکار تھے اور یکے بعد دیگرے تیزی سے غائب و نابود ہو جاتے رہے۔ آخر کار محمد شاہ کو ۱۷۱۹ء میں تخت پہ بٹھایا گیا۔

محمد شاہ خوش قسمت تھا کہ وہ اپنی وفات یعنی ۱۷۴۸ء تک برسر اقتدار رہا اور اپنے پیشروؤں کی طرح نکما اور بزدل ہونے کے باوجود وہ سید برادران کا عہد ختم کرنے میں کامیاب رہا۔ سید حسین علی کو قتل اور سید عبداللہ کو قید کر دیا گیا۔ مگر اس کے عہد کا اہم ترین واقعہ نادر شاہ (۱۷۳۸ - ۳۹) کا حملہ ہے۔ جب اس نے دہلی کو تباہ و برباد کیا مغلوں کے قیمتی خزانے لوٹے اور مملکت کو بے جان کر کے رکھ دیا۔

دہلی کی لوٹ کا ذمہ دار محمد شاہ ہی نہ تھا یہ تباہی وقت کے جماعتی نظام کا براہِ راست نتیجہ بھی تھی حکومت کے مرکزی ڈھانچے پہ اثر انداز ہونے کے علاوہ اس نظام نے علیحدگی پسند رجحانات کی حوصلہ افزائی کی تھی جو سلطنت مغلیہ کے زوال اور متعدد خود مختار صوبوں کے قیام پر منتج ہوئے۔ کشمیر ان صوبوں میں سے ایک ہے۔

جماعتی نظام کی کہانی بڑی دلچسپ ہے ۱۷۱۳ء میں جہاندار شاہ کی وفات کے بعد وقت کی سیاست نے نئی کروٹ لی۔ اب یہ قسمت آزما سپاہیوں کا کام تھا کہ وہ یہ فیصلہ کریں کہ ناکارہ شہزادوں کے گروپ سے کون تاج پہنے۔ جبکہ برائے نام اقتدارِ اعلیٰ کٹھ پتلی حکمرانوں کے ہاتھ میں اور اصل طاقت برسر اقتدار جماعت کے پاس رہے۔ جنگ اقتدار صرف تین جماعتوں۔ تورانیوں، ایرانیوں اور ہندوستانیوں میں رہی۔ ہر جماعت نے اپنے وقت میں بادشاہ گری اور بادشاہ دوستی کا دوہرا کردار ادا کیا۔

تورانی جماعت مغل امراء اور ان کے مصاحبوں پر مشتمل تھی، بنیادی طور پر یہ لوگ اس وسیع سرزمین سے جو دریائے جیحون کے ساتھ ساتھ پھیلتی چلی گئی ہے اور پورے مرکزی ایشیا پر محیط ہے جسے آج

کل روسی ازبکستان اور چینی ترکستان کہتے ہیں۔ترک وطن کر کے یہاں آئے تھے۔

جب بابر نے سلطنت مغلیہ کی بنیاد رکھی تو یہ ہندوستان میں آباد ہو گئے۔ مغل امراء اور فاتح فوج میں یہ لوگ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ حکمران مغل طبقہ کی طرح سُنّی اور تعداد میں ایرانیوں سے کہیں زیادہ تھے۔

ایرانی ہمایوں کے قافلہ کے ہمراہ ایران سے آئے تھے۔مغل عہد کے بہت سارے صوفیاء، علماء اور طالع آزما سپاہی اسی جمعیّت سے تعلّق رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے آقاؤں کے خلاف نافرمانی یا دھوکہ دہی کا ارتکاب ایک مرتبہ بھی نہیں کیا وہ اصرار کرتے کہ سُنّیوں کی مانند ان کا بھی بہت احترام کیا جائے اور اس لیے بقول اورنگ زیب ان کے ساتھ نباہ کرنا بید مشکل تھا (۱) وہ سب کے سب شیعہ تھے۔اس کے برعکس ہندوستانی گروہ کے لوگ ملکی تھے ان کے رہنما زیادہ تر وہ لوگ تھے جو اسلام قبول کرنے والے راجپوت سرداروں کی اولاد تھے وہ بڑے منصب داروں سے زیادہ ذہانت اور عسکری استعداد رکھنے کی وجہ سے مضبوط اور باا ثر مڈل کلاس بن گئے تھے۔وہ اپنے آقاؤں کے ہمراہ خدمات انجام دیتے لیکن محاذ جنگ پر نہیں (۲) ان میں اکثریت سُنّی تھی۔اور چند ایک شیعہ تھے۔سیاست میں وہ اپنے معاصرین کے برعکس عام طور پر ہندوستانیوں کا ساتھ دیا کرتے، سادات بلگرام اور سادات بارھ اس ہندوستانی جماعت کی دو نمایاں شاخیں تھیں اور دونوں ہی شیعہ تھیں۔ اگر بلگرامی شاخ فنون اور علوم میں ممتاز تھی تو بارھ شاخ سیاست میں خاص طور سے عہد فرخ سیر کے دوران مشہور ہوئی۔

ثقافتی اعتبار سے تینوں جماعتیں ایک تھیں لیکن سیاست نے ان کو علیحدہ کر دیا تھا ظاہرا مفادات کا ٹکراؤ سُنّی اختلافات کے سبب تھا، تورانی، ایرانی اور ہندوستانی ایک دوسرے کو آنکھ سے آنکھ ملا کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اقتدار کے لیے باہمی کشمکش ان کی اپنی طاقت کو تباہ کر دیتی تھی۔تورانی اور ایرانی

۱۔ تاریخ اورنگ زیب۔جادو ناتھ سرکار۔کلکتہ ج ۵۔ ص ۲۶۵۔

۲۔ تاریخ اورنگ زیب۔ص ۲۶۶۔

کبھی کبھی ہندوستانیوں کے خلاف متحد ہو جاتے جبکہ ہندوستانیوں نے محمد شاہ کے عہد میں متعدد بار نادر شاہ کو اور محمد شاہ کے جانشینوں کے عہد میں احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان، نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں کی نذر ہو گیا۔ اورنگ زیب کی وفات کے صرف اکتیس برس بعد مغل سلطنت تاش کے پتوں کی طرح بکھر گئی۔ کشمیر نے بھی ان رقابتوں اور سیاسی علیحدگی پسندگی کے اثرات محسوس کیے۔ قرب وجوار کی ابتری کے دوران کشمیری رہنماؤں نے مجبوراً اپنے تئیں بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ہم آہنگ کر لیا اور ریاست کشمیر سلطنت مغلیہ سے علیحدہ ہو گئی۔

چھیالیس سال کے دوران یعنی ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کی وفات سے لے کر احمد شاہ ابدالی کے ذریعے ۱۷۵۳ء میں کشمیر کے الحاق کابل تک، تخت دہلی پر سات مغل حکمران براجمان رہے جن کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ بہادر شاہ (۱۲-۱۷۰۷ء)

۲۔ جہاندار شاہ (۱۳-۱۷۱۲ء)

۳۔ فرّخ سیر (۱۹-۱۷۱۳ء)

۴۔ رفیع الدرجات (۱۹-۱۷۱۹ء)

۵۔ رفیع الدولہ (۱۹-۱۷۱۹ء)

۶۔ محمد شاہ (۴۸-۱۷۱۹ء)

۷۔ احمد شاہ (۵۴-۱۷۴۸ء)

اس چھیالیس سال کے عرصہ میں ستاون گورنر اور ڈپٹی گورنر کشمیر پر حکومت کرنے کے لیے آئے۔ اوسطاً ہر آدمی نے کوئی ایک سال حکومت کی۔ مزید براں یہ کہ کچھ ڈپٹی گورنر متعدد بار حکومت کرتے رہے۔ ایک نے نائب نائب کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۷۳۸ء میں پہلی بار ایک کشمیری سردار عنایت اللہ خان دوم کو گورنر مقرر کیا گیا پھر ۱۷۵۱ء میں ایک مقامی سردار میر مقیم کنٹھ کی ڈپٹی گورنر کی حیثیت سے تقرری عوامی طاقت کا بیّن ثبوت ہے۔

پچاس سال سے کم مدت کے دوران گورنروں اور ڈپٹی گورنروں کی تبدیلیاں دہلی میں بادشاہ گروں

کی سریع تبدیلیوں کا براہ راست نتیجہ تھیں۔ کشمیر کی ایڈمنسٹریشن پر اس کا برا اثر پڑا، اس میں شک نہیں کہ گورنروں اور ڈپٹی گورنروں میں اچھی بری دونوں قسم کی مثالیں ملتی ہیں۔ مگر ملک کی مجموعی حالت بیحد ناتسلی بخش بلکہ اکثر اوقات درہم برہم رہی۔ ہمارے پاس عارف خان، عنایت اللہ خان اور عبدالصمد خان، جیسے گورنروں اور ڈپٹی گورنروں کی مثالیں موجود ہیں جنہوں نے نظم ونسق درست کیا اور ملک میں آسودگی وخوشحالی کے لیے کوششیں کیں۔ دوسری طرف۔ جعفر خان (۹-۱۷۰۷ء) علی محمد خان (۱۵-۱۷۱۳ء) اعز خان (۱۷۲۷ء) جلیل الدین خان (۵۱-۱۷۴۶ء) ابو برکات خان (۴۴-۱۷۳۲ء) اور افراسیاب خان (۵۱-۱۷۴۶) جیسے لوگوں نے ظلم ولاقانونیت کی پالیسی اپنا کر اپنے دامن کو داغدار بنایا۔ یہ لوگ عوام کی ضروریات وخواہشات کا اندازہ بالکل نہ کر سکے۔ تاہم ان میں سیاہ ترین دور افراسیاب خان کا تھا۔ وہ ظلم سے حکومت کرتا رہا۔ اور عوام کے مصائب وآلام سے قطعاً بے خبر رہا۔ پونچھ کے گوجر اور مظفرآباد کے بمبہ حملہ آوروں کی وجہ سے عوام غربت و افلاس کا شکار رہے۔

گوجروں اور بمبوں کی خلل اندازی کشمیر کی سیاست میں نیا موڑ ثابت ہوئی۔ اور یہ آبادی کے لیے طویل عرصہ تک موجب اذیت بنے رہے خوراک کا بالکل فقدان رہا۔ ایک روپیہ کے عوض دو سیر چاول بھی نہ ملتے بعض لوگ اپنے بچوں کو بیچ دیتے۔ اکثر مرنے والوں پر کوئی رونے والا نہ تھا۔ دریائے جہلم ان کا قبرستان تھا جو کشمیر کو چھوڑ سکتے تھے وہ لاہور، سیالکوٹ اور دہلی چلے گئے۔ (۱)

مختصر یہ کہ بعد کے مغلوں نے کشمیر کو غربت، لاقانونیت اور قتل عام سے دوچار کر دیا۔ متعدد شدید زلزلے اور تباہ کن سیلاب اور قحط آئے۔ خاص طور سے ۱۷۲۴ء، ۱۷۳۵ء اور ۱۷۴۶ء کے قحط وسیلاب نے تباہی مچادی جس سے آبادی کم ہوگئی اور ملک کو اقتصادی اور زرعی لحاظ سے کنگال کر دیا۔ سکھوں اور پٹھانوں کے ہنگاموں سے پنجاب کی حالت اس قدر درہم برہم تھی کہ کشمیر کی تجارت درآمد و برآمد منجمد ہو کر رہ گئی، مواصلات، ٹرانسپورٹ اور تجارت کے وسائل منتشر ہوئے اور شیعہ۔ سنی فسادات۔ مظفرآباد کے بمبوں اور کھکور

۱۔ حسن، ص ۲۹-۴۲۸

اور پونچھ کے گوجروں کے حملوں کے بعد اور زیادہ منتشر ہوگئے۔ ان واقعات کی بڑی تاریخی اہمیت ہے اس لیے ہم منتقلاً اس پر بحث کریں گے۔

1۔ شیعہ۔ سُنّی۔ ہندو فسادات

کشمیر کی مسلم آبادی میں سُنّی اور شیعہ دونوں فرقے تھے۔ سُنّیوں کی بھاری اکثریت تھی لیکن شیعہ ہوشیار ترین گروہ رہے۔ اکبر، جہانگیر اور شاہجہان کے درباروں میں ان کی بڑی آؤبھگت ہوتی۔ اورنگ زیب نا گزیر گناہ کی حیثیت سے ان کو برداشت کرتا رہا۔ وہ ان کو یہ جتلانے کے لیے نظرانداز کرتا رہا کہ وہ ناپسندیدہ لوگ ہیں۔

اچھے مسلمان گورنروں کے عہد میں جو فرقہ وارانہ تعصب سے پاک تھے۔ سُنّیوں اور شیعوں کے مابین تعلقات دوستانہ رہے۔ متعصّب اور کٹر سُنّی یا شیعہ حکمرانوں کے عہد میں یہ تعلّقات کشیدہ ہو جاتے اور پھر معاشرتی افراتفری کا سبب بنتے۔ عنایت اللہ خان کی گورنری کے دور میں یہی کچھ ہوا۔

عنایت اللہ خان جو فرخ سیر کے دور میں دوسری بار کشمیر کا گورنر بنا تھا۔ محمد شاہ کی تخت نشینی تک برسرِ اقتدار رہا۔ ظاہر ہے کہ وہ دربار سے دور نہیں رہ سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے میر احمد خان کو ڈپٹی مقرر کیا تاکہ وہ ملک پر حکومت کرتا رہے۔ میر احمد خان ایک طویل عرصے تک امن و سکون قائم رکھنے میں کامیاب رہا۔ لیکن بدقسمتی سے ایک بار پھر فسادات کے شیطان نے سر اٹھایا جس نے امن عامہ کو متاثر کیا اور جانی اتلاف کا سبب بنا۔

اب کے فسادات کا نشانہ پنڈت تھے۔ واقعہ یوں ہوا کہ محتوی خان جو ملّا عبدالنبی کے نام سے بھی مشہور ہے، بہادر شاہ کے عہد میں کشمیر کا شیخ الاسلام مقرر کیا گیا۔ وہ ایک عالم اور ممتاز جاگیر دار تھا اس نے کابل اور پشاور کی مہم میں قسمت آزما سپاہی کی حیثیت سے نمایاں کام کیا تھا جس کے سبب بادشاہ کو اس سے تعارف ہوا۔ اس کا بڑا نقص یہ تھا کہ وہ ایک ہٹ دھرم اور متعصّب آدمی تھا۔ وہ اپنی سرکاری پوزیشن اور سماجی حیثیّت سے اپنی ذاتی ترقی و توقیر نیز اشاعت اسلام کے لیے ناجائز فائدہ اٹھاتا رہا۔ اس

نے پنڈتوں کو ان کی مذہبی رسومات کی ادائیگی مثلاً پگڑی باندھنے، گھوڑے پر سوار ہونے، قشقہ لگانے، صاف ستھرے کپڑے پہننے اور چمڑے کے جوتے استعمال کرنے سے منع کر دیا (۱) پھر اس نے گماشتے تعینات کر دیئے تاکہ ان احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں پر بھاری جرمانے عائد کیے جائیں۔ ان تمام پابندیوں کا واضح مطلب یہ تھا کہ پنڈت یا تو مسلمان ہو جائیں اور یا پھر تکلیفیں اٹھائیں، پنڈت تعداد میں بہت کم تھے لیکن ان کا وادی میں اثر و نفوذ بہت زیادہ تھا (۲) وہ بغاوت پر کمربستہ ہو گئے۔ اور شیعوں نے ان کا ساتھ دیا۔ چنانچہ جلد ہی ملا عبدالنبی اور اس کے دو بیٹے گرفتار کر لیے گئے اور ۱۲ ستمبر ۱۷۲۰ء کو انہیں تہہ تیغ کر دیا گیا۔

اس پر اس کے تیسرے بیٹے ملا شرف الدین نے ڈنڈا اٹھا لیا تاکہ وہ اپنے والد کے قتل کا بدلہ لے سکے سنیوں نے اس کا ساتھ دیا اور حالات بے حد سنگین ہو گئے۔ شیعوں نے کئی طرح سے نقصان اٹھایا ان کو لوٹا گیا بہت سارے مارے گئے اور زڈی بل کو جو ان کی سرگرمیوں کا مرکز تھا ایک بار پھر جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ ڈپٹی گورنر میر احمد خان اور اس کے دو جانشین عبداللہ خان دہ بیدی اور مقیم خان خراب صورتحال کو بہتر بنانے میں ناکام رہے۔ نتیجتہً تینوں یکے بعد دیگرے معطل کر دیے جاتے رہے اور عنایت اللہ خان کو جو گورنر تھا، استعفیٰ دینے پر مجبور کیا گیا۔ اس کا جانشین عبدالصمد خان بنا۔

اپنے ڈپٹی عبداللہ خان دہ بیدی کے ہمراہ عبدالصمد خان (۳) ۱۷۲۱ء میں بھاری فوج لے کر سرینگر پہنچا فوراً ہی اس نے ملا شرف الدین کے خلاف مورچہ سنبھال لیا۔ اسے شکست دی اور پھر قتل کر دیا اور پچاس سرکردہ رہنماؤں کو پھانسی چڑھا دیا۔ یہ پھانسیاں خاص طور سے اسی مقصد کے لیے سرینگر میں ـــــــ ایک میل کے راستے میں لگائی گئی تھیں (۴) قانون کی بحالی کے بعد اس

۱۔ حسن ص ۴۰۲۔

۲۔ تاریخ اعظمی ص ۱۹۰۔

۳۔ وہ لاہور کے گورنر زکریا خان کا والد تھا اور اس نے باغی سکھ لیڈر بندہ بیراگی پر فتح پائی تھی۔ (مصنف)

۴۔ حسن ص ۴۰۲۔

نے پنڈتوں کے ساتھ بیحد فیاضی اور مہربانی کا برتاؤ کیا اور وہ تمام پابندیاں اٹھالیں جو ان محتوی خان نے عائد کر رکھی تھیں (۱)

۲- گوجر، بمبہ اور کھکھہ مداخلت

اورِ جہلم وادی کے غارت گر قبائل ۔ کھکھہ اور بمبہ اور پونچھ کے گوجروں اور کشتواڑ کے لٹیروں کی وادی میں مداخلت بڑی اہمیت رکھتی تھی ۔ جب بھی مرکزی حکومت کو کمزور اور ملک کو بے دفاع پاتے ۔ کھکھہ اور بمبہ وادی پر جھپٹ پڑتے ۔ وہ آتے قتل عام کرتے، لوٹتے اور لوٹ جاتے، ان کی مسلسل غارت گریوں اور گردن زدنیوں نے کشمیریوں کے دلوں پر ایسا خوف بٹھا دیا تھا کہ ان کا نام کسی بھیانک اور خوف ناک چیز کے لیے ضرب المثل بن گیا تھا ۔

ڈپٹی گورنر علی محمد خان ۱۵-۱۷۱۳ء کی حکومت کے دوران بمبہ سردار مظفر خان نے کرناہ پر زبردستی قبضہ کرنے کے بعد بارہ مولہ ضلع میں بھی مداخلت شروع کر دی ۔ علی محمد خان نے اسے کچلا ۔ اور اس کے پوتے ہیبت خان کو ضمانت کے طور پر گرفتار کر لیا ۔ تب اس نے پونچھ کے گوجر سردار عبدالرزاق کو قیدی بنایا اور اس کے ساتھ عبرت ناک سلوک کیا ۔

دوبارہ ابوبرکات کی نائب گورنری کے زمانے میں ۱۷۳۲ء میں بمبوں کے سردار راجہ ہیبت خان نے حملہ کر دیا اور بارہ مولہ میں لوٹ مار مچادی ابوبرکات خان اس کے مقابلہ پر بنفس نفیس نکلا ۔ حملہ آور جو جنگل میں گھات لگا کر بیٹھے تھے فوراً کشمیریوں پر ٹوٹ پڑے اور بہت ساروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ تاہم ابوبرکات نے خاصی رقم ادا کر کے ہیبت خان سے امن خرید لیا ۔ لیکن یہ ایک غیر منطقی معاہدہ

۱۔ پنڈت اس کے اس قدر ممنون تھے کہ اس کے انسان دوست رویّہ کی بدولت یہ مثل مشہور ہوئی ۔

حق آو صمد بیتھرون زین - نہ رو کنی شرف نہ رو کنی دین ۔

ترجمہ (حق یہ ہے کہ جب صمد خان تیز گھوڑے پر سوار ہو کر آیا تو نہ ملا شرف رہا اور نہ اس کا تعصب (مصنف)

ثابت ہوا۔ کیونکہ اس سے حملہ آوروں کی حرص میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ دوسری بار ہیبت خان نے ۱۷۴۶ء میں بغاوت کی اس کے ساتھیوں نے بارہ مولہ کے طول و عرض میں قتل و خون ریزی اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ اب کے میر جعفر کنٹھ نے جو ایک مشہور کشمیری جرنیل تھا، معقول فوج کے ہمراہ باغیوں کے خلاف مارچ کیا۔ اس نے سختی سے ان کو دبایا اور ان کو اپنی شرائط منوا کر لینے پر مجبور کر دیا۔

بد قسمتی سے ابو برکات خان نے میر جعفر کنٹھ کی وہ قدر نہ کی جس کا وہ بہادری و جرأت سے یہ مہم سر کرنے کی وجہ سے حقدار تھا۔ وہ اتنا ناراض ہو گیا کہ اسے غیر محب وطن کا رول ادا کرنا پڑا اس نے بمبہ لیڈر کو بغاوت پر اکسایا تاکہ وہ وادی میں لوٹ مار اور قتل و غارت کا سلسلہ پھر شروع کر دے ابو برکات خان مشکلات پر قابو نہ پا سکا چنانچہ کشمیریوں نے ۱۷۴۷ء میں اس کے خلاف بغاوت کر دی اور دریائے جہلم کے پلوں کو تباہ کر دیا۔ ابو برکات خان نے انتقام لیتے ہوئے سری نگر کے کچھ محلوں کو آگ لگا دی جس سے بیس ہزار مکان راکھ ہو گئے۔ تب اس نے پونچھ کے گوجر سردار عبد الرزاق کی مدد حاصل کی اور اس طرح کشمیریوں اور گوجروں کے درمیان زبردست گوریلا جنگ کا آغاز ہوا، بیشمار جانیں ضائع ہوئیں۔ ابو برکات خان کو منہ کی کھانا پڑی اور وہ بھاگ کر لاہور چلا گیا۔ کشمیر میں پھر وحشت و اضطراب کا دور دورہ ہو گیا، نادر شاہ کے حملۂ دھلی کے نتیجے میں پنجاب میں ہونے والے واقعات نے کشمیر کے ساتھ مواصلات کو درہم برہم کر دیا تھا، چنانچہ اسے ایک مناسب وقت سمجھتے ہوئے کشمیریوں نے آزادی کا اعلان کر دیا (۱)

اسی اثنا میں فخر الدولہ جس نے حال ہی میں کشمیر کی گورنری کا چارج دیا تھا۔ نادر شاہ سے یہ فرمان حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ مؤخر الذکر کی طرف سے کشمیر پر حکومت کرے گا۔ پونچھ کے گوجروں کی فوج کے ہمراہ وہ حکومت قائم کرنے کے لیے لاہور سے کشمیر پہنچا مگر کشمیری لیڈروں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ بہر حال وہ ان سے مضبوط نکلا ان

۱۔ حسن ص ۶۰۹

کو ڈرایا دھمکایا، قتل کیا اور بھاری تاوان جنگ وصول کیا، جب نادر شاہ نے ۱۷۳۹ء میں محمد شاہ کے ساتھ صلح کر لی تو عنایت اللہ خان کو دوبارہ کشمیر کا گورنر مقرر کیا گیا اور فخر الدولہ کو ہتھیار ڈالنے اور ملک سے نکل جانے پر مجبور کیا گیا۔ ابوبرکات خان ایک بار پھر عنایت اللہ خان کا نائب گورنر بن کر آگیا اب کی بار وہ مختلف ...... نکلا کیونکہ وہ باغی ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے حبیب کی آئینی حیثیت کو چیلنج کر دیا۔ یہ اختلاف دونوں کے درمیان خونی جنگ پر منتج ہوا۔ جامع مسجد کے پاس والا میدان لاشوں سے پٹ گیا عنایت اللہ خان کو شکست ہوئی اور وہ مجبور کیا گیا کہ کشمیر چھوڑ دے۔ اب ابوبرکات خان کشمیر پر اپنی من مانی کرنے لگا۔ عنایت اللہ خان خود بھی دیرو شجاع تھا اور اس نے مظفر آباد اور کرناہ کے کھکھوں اور بمبوں کی بھاری تعداد بھی اپنے ساتھ ملالی ادھر ابوبرکات خان نے پونچھ کے گوجروں کی بھاری فوج جمع کر لی اور عنایت اللہ خان پر اچانک حملہ کر دیا، گوجروں بمبوں اور کھکھوں کے درمیان ایک زبردست خونریز جنگ ہوئی۔ درمیان میں کئی کشمیری مارے گئے اور جائیداد بھی بہت ضائع ہوئی تاہم امن اس وقت قائم ہوا جب عنایت اللہ خان کو قتل کر دیا گیا۔

اب ایک نئی گڑبڑ بارہ مولہ کے ببر اللہ خان نے شروع کر دی تھی، اس نے گوجروں، بمبوں، کشتواڑیوں اور کھکھوں کی بڑی فوج جمع کر کے ابوبرکات خان کے خلاف اعلان بغاوت کر دیا۔ وادی کے عوام ایک بار پھر بدنظمی کا شکار ہو گئے۔ ۱۷۴۵ء میں منصور خان کی تقرری تک صورت حال یہی رہی۔ اس کے بعد ڈپٹی گورنر جاں نثار خان شیر جنگ نے جلد ہی ابوبرکات خان پر قابو پا لیا اور اسے دہلی بھیج دیا۔ پھر اس نے تمام باغی لیڈروں کو پکڑ لیا۔ بہت ساروں کو قتل کر دیا۔ جیل میں ڈالا اور ان کے بڑے لیڈر ببر اللہ خان کو پھانسی دے دی۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ ملک میں امن وامان قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اس کے باوجود وہ ابھی ملک میں اقتصادی استحکام لانے کے قابل نہ تھا، کھکھوں، بمبوں اور گوجروں کی طرف سے مسلسل لوٹ مار اور قتل و غارت کے نتیجہ میں وادی میں ضروریات زندگی ناپید ہو گئی تھیں۔ پھر ڈپٹی گورنر افراسیاب خان (۱۷۴۸-۵۱ء) نے ان کی مصیبت سے متاثر ہوئے بغیر عوام

پر اور مظالم ڈھا کر ان کے جذبات کو مجروح کر دیا تھا۔ قحط و گرسنگی سے بشیمار لوگ لقمۂ اجل بن گئے اور جو جا سکے وہ کشمیر چھوڑ کر چلے گئے اور پنجاب و دہلی میں مستقلاً آباد ہو گئے۔

مغل سلطنت کا خاتمہ

مغلوں کی کشمیر پر ۱۶۷ سال حکومت رہی (۱) اس عرصہ کا مکمل ریکارڈ نہیں ملتا۔ اس میں شک نہیں کہ مغلوں کے عہد حکومت میں ریاست نے قابل ذکر ترقی کی۔ اقتصادی اور ثقافتی لحاظ سے داد و ستد کا سلسلہ جاری رہا مگر بعد کے مغلوں کا عہد بد امنی، اضطراب، سرکاری خورد برد اور اقتصادی زوال و پستی کا عہد تھا، اکبر، جہانگیر اور شاہجہان نے کوشش کی کہ کشمیریوں کی امیدوں کو زندہ رکھا جائے۔ انہوں نے کشمیر کو ایک صاف ستھری، انتظامیہ دینے کی کوشش کی۔ اس زمانے میں جتنا ممکن تھا امن و خوشحالی کے لیے بھی کوشش کی گئی۔ مذہبی عقیدہ کا امتیاز کیے بغیر انہوں نے کشمیر کے اولیاء، علما، اور اعیان کی سرپرستی کی۔ جتنی بار ممکن تھا وادی کا دورہ کیا۔ وہ عوام کے حالات اور حکومت کے رویّہ سے اپنے آپ کو باخبر رکھتے رہے اور ان کی فلاح و بہبود میں ذاتی دلچسپی لیتے رہے۔ اکبر نے نگر نگر کے نئے قلعہ کی بنیاد رکھی اور حصار کے اندر مغل چھاؤنی قائم کی گئی تاکہ مقامی آبادی ان سے علیحدہ رہے۔ جہانگیر اور شاہجہان نے مشہور مغل باغات لگوائے اور پختہ مغل شاہراہ تعمیر کروائی جس کے ذریعے ریاست کشمیر موجودہ پاکستان سے مل گئی۔ ان منصوبوں پر انہوں نے کروڑوں روپے خرچ کیے ان کی تکمیل میں صرف کشمیری مزدوروں سے کام لیا گیا اور اس طرح ان کی اقتصادی حالت بہتر ہو گئی۔

تاہم اورنگ زیب کے بعد بدنظمی اور بدانتظامی کی علامات نمایاں ہوئیں کیونکہ بعد کے مغل کم و بیش احمقوں کا گروہ تھا۔ دہلی میں جماعتی کشمکش کا دور دورہ ہو گیا۔ اس کمزوری اور محاربہ کے عہد میں ریاست کشمیر نظر انداز ہونا شروع ہوئی اور پس منظر میں چلی گئی اس کی اقتصادیات کو اس وقت بری طرح نقصان پہنچا

---

(۱) ۱۷۵۲ - ۱۵۸۶ء۔

جب رہزنوں کے گروہ نے تجارت اور پرامن ٹریفک پر راستے بند کر دیے اور پوری بدنظمی پنجاب پر چھا گئی جو تجارت کشمیر کا علاقہ تھا(۱) اس سے بھی بدتر یہ کہ کشمیر پہ گورنر اور ڈپٹی گورنر حکومت کرتے رہے جو مقامی حالات اور روایات سے بے خبر تھے اور انتظامی تجربہ بھی نہ رکھتے تھے۔ اپنے عملہ اور سپاہیوں کے ذریعے وہ کشمیریوں سے اس طرح سلوک کرتے جیسے وہ فاتح ہوں۔ انہوں نے کشمیر کا خون چوس لیا تھا وہ شوقیہ حکمران تھے اور موقعہ سے فائدہ اٹھانے اور سیر و تفریح کے لیے یہاں آتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طویل عرصہ تک ملک میں فتنہ و آشوب رہا۔ کیونکہ مسلح گروہ رکھنے والوں نے حالات کو اور بگاڑ دیا تھا۔ وادی جہلم کے پائیں حصہ اور پونچھ کے گوجر قبائل کے مسلسل غارت گرانہ حملوں کے علاوہ کشمیر کے اندر خانہ جنگی اور گروہی فسادات بھی رہے۔ یہ مصائب بجائے خود کشمیریوں کے حوصلے پست کرنے کے لیے کافی تھے پھر متعدد مرتبہ تباہ کن زلزلے اور سیلاب آئے جن سے اور افراتفری پھیل گئی، غربت، قحط اور لاقانونیت نے اکثر لوگوں کو وطن چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا۔ ان تمام حالات نے احمد شاہ ابدالی کا حوصلہ بڑھایا کہ وہ کشمیر کو فتح کر کے اس کا الحاق افغان حکومت سے کر لے۔

۱۔ ریٹر منظور (انگریزی)، ج ۲، ص ۳۷۲

باب دہم

کشمیر پٹھانوں کے عہد میں

(۱۷۵۲ - ۱۸۱۹)

پٹھان اقتدار کا استحکام

۱۷۵۷ء میں احمد شاہ ابدالی نے تیسری بار پنجاب پر حملہ کیا۔ پنجاب کے گورنر معین الملک کو شکست دی اور شمالی ہند کے طول و عرض میں خوف و ہراس پھیلا دیا۔

اس زمانے میں کشمیر کا گورنر ابوبرکات خان کا بیٹا ابوالقاسم خان تھا اس نے میر مقیم کنٹھ کو شکست دے کر حکومت پر قبضہ کر لیا تھا اُس پہ آزردہ و نا اُمید اور خود غرض و غیر محب وطن کشمیری لیڈر میر مقیم کنٹھ اور خواجہ ظہیر الدین دیدہ مری نے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے اپنے نمائندے احمد شاہ ابدالی کے پاس بھیجے اور درخواست کی کہ وہ کشمیر کو فتح کر کے اسے اپنی قلمرو میں شامل کر لے۔ احمد شاہ ابدالی، جو ...... کشمیر کو پہلے ہی اپنے منصوبہ فتوحات میں شامل کر چکا تھا اس پیشکش کو قبول کرنے پر فوراً تیار ہو گیا۔ اس نے عبداللہ خان ایشک آقاسی کو جو با اعتماد جرنیل تھا۔ پندرہ ہزار افغان فوج کا سپہ سالار بنا کر کشمیر کی فتح پر روانہ کر دیا۔ افغان فوج کا مقابلہ شوپیاں میں ۱۷۵۲ء میں عبدالقاسم خان کنٹھ کی فوجوں نے کیا۔ جنگ پندرہ دنوں تک جاری رہی۔ آخر کار عبدالقاسم خان کو شکست ہوئی۔ اسے گرفتار کر کے کابل بھیج دیا گیا۔ ویسے اس کی فوج کے کمانڈر گل خان خیبری نے دشمن کو بہت نقصان پہنچایا، عبداللہ خان ایشک آقاسی نگر نگر (ہری پربت) ...... میں فاتحانہ انداز سے داخل ہوا۔

اور اس طرح ۱۷۵۲ء میں کشمیر میں پٹھان حکومت قائم ہو گئی۔

کشمیر میں پٹھان حکومت کا حال بیان کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً پٹھانوں کے حالات بتا دیئے جائیں۔ وہ مشرق میں دریائے سندھ اور مغرب میں کابل کے درمیان واقع پہاڑی علاقہ کے باشندے تھے ان میں تمام جنگی اور تنومند قبائل مثلاً آفریدی، وزیری، مہمند، سواتی اور بختون وغیرہ شامل تھے وہ بنیادی طور پر خانہ بدوش لوگ تھے جو کئی زئیوں اور گوتوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور جن کے نام میں کوئی نہ کوئی پوشیدہ تعلق ضرور رہتا۔ ہند میں وہ ترکوں، اور مغلوں کے ماتحت سپاہی کی خدمات انجام دیتے رہے مگر انہوں نے شیر شاہ سوری (۴۰-۱۵۵۵ء) کے عہد حکومت میں اور اس کے بعد خوب شہرت حاصل کر لی تھی ان کی شورش پسند طبیعت اور ان کے وطن کی سخت اور پہاڑی خصوصیت نے اڑوس پڑوس کے ملکوں پر سیاسی اور ثقافتی اعتبار سے بہت اچھا اثر ڈالا تھا۔ ان کی پیدائشی خصوصیات نے ان کو ہیبت ناک بنا دیا تھا۔ احمد شاہ ابدالی کی فیصلہ کن فتوحات کے بعد انہوں نے افغانستان اور اردگرد کے علاقوں کے آزاد حکمران کی حیثیت سے طاقت حاصل کر لی۔ کشمیر ان میں سے ایک ہے۔

احمد شاہ ابدالی (درانی) نے تھوڑے سے ہی عرصہ میں عظیم الشان سلطنت قائم کر لی جس کی حدود مغرب میں بحیرہ خزر، مشرق میں پنجاب و کشمیر اور شمال میں دریائے سیحون تک پہنچی تھیں۔ بلوچستان و خراسان اسکے باج گزار تھے جب اس نے ۱۴ جنوری ۱۷۶۱ء کو پانی پت کے میدان میں مرہٹہ اتحاد کو تباہ کن شکست دی تو اس نے طاقت کی آخری حد چھو لی اور ایک طاقت ور فاتح کی حیثیت سے اپنے آپ کو تسلیم کروا لیا۔ وہ ۱۷۷۳ء میں فوت ہوا تو اس کا بیٹا تیمور شاہ تخت نشین ہوا۔ وہ ۲۷ سالہ نوجوان تھا۔ مگر طاقت میں اپنے چاروں بھائیوں سے بڑھا ہوا تھا۔ آغاز یہ اس طرح ہوا کہ اس نے دارالحکومت کو قندھار سے کابل منتقل کر لیا۔ ہند پر پانچ مرتبہ حملہ کیا۔ پنجاب کے سکھوں پر چوتھے حملے کے دوران اس کے اپنے ملک میں اور کشمیر میں گڑبڑ پھیل گئی اس کے کچھ ہی عرصہ بعد سندھ، پنجاب، بلخ، بخارا، اور تخارستان آزاد و خود مختار ہو گئے۔ کشمیر پر ان دنوں آزاد خان کی حکومت تھی۔ اس نے بھی آزادی کا اعلان کر دیا۔

تیمور شاہ ۱۷۹۳ء میں ۳۲ بیٹے چھوڑ کر مرا۔ اس کا پانچواں بیٹا زمان شاہ جس کی اس وقت عمر ۲۳ سال تھی۔ پائندہ خاں کی مدد سے تخت نشین ہوا مجموعی طور پر زمان شاہ کی حکومت کمزور تھی۔ اسے اپنے بھائیوں اور ایران کی طرف سے متواتر مزاحمتیں اٹھانا پڑیں. سلطنت اس قدر کمزور ہو گئی کہ ۱۷۹۹ء میں وہ کشمیر کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کی قلمرو کا ایک حصہ بنانے پر مجبور ہو گیا۔ لاہور کی تباہی اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بڑھتی ہوئی طاقت نے افغانستان کے ساتھ اس کی ماتحت ریاستوں خاص طور پر کشمیر کے تعلقات پر زبردست اثر ڈالا تھا۔ ۱۸۰۰ء میں زمان شاہ اپنے ناراض و برافروختہ سرداروں کی سازش کا شکار ہو گیا۔ اسے تخت سے اتار دیا گیا اور ۱۸۰۱ء میں اندھا کر دیا گیا۔ یہ تھا انجام زمان شاہ کا جو کسی زمانے میں بڑا ہیبت ناک افغان حکمران تھا۔ اس کا جانشین غیر مستقل مزاج پٹھان شاہ شجاع تھا جسے جلد ہی اس کے بھائی محمود شاہ نے برطرف کر دیا۔ محمود شاہ اپنے عہد کے پٹھان "بادشاہ گر" وزیر فتح خان بارکزئی کی مدد سے افغانستان کا بادشاہ بن بیٹھا اور وہ بارکزئی کے کٹھ پتلی کی حیثیت سے حکومت کرتا رہا۔ محمود شاہ نے کوئی تیس ماہ تک تو پر امن زمانہ گزارا لیکن اس کے بعد شیعہ۔ سنی فسادات نے ملک کے امن کو درہم برہم کر دیا چنانچہ افغانستان سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے کمزور ہو گیا۔ اور شاہ شجاع کو تاج و تخت کے لیے دوبارہ کوشش کرنے کا موقع دے دیا۔ محمود شاہ کو زنداں میں ڈال دیا گیا اور شاہ شجاع ۱۸۰۲ء میں بادشاہ بنا تاہم اس کے فوراً بعد بدنظمی کا ایک اور طویل دور شروع ہو گیا جس نے افغان حکومت کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا. شاہ شجاع کو خود بھی کہیں سکون نہ ملا اس دربدری کے دوران اسے گورنر عطا محمد خان کشمیر لے گیا تاکہ اس کے ساتھ سرکاری قیدی کا سا سلوک کیا جائے. تب جرنیل محکم چند کے ذریعے اسے مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے آپ کو عطا محمد خان سمیت مہاراجہ رنجیت سنگھ کے اختیار میں دے دے۔ بعد ازاں اس نے لدھیانہ میں انگریزوں کی پناہ لی اور افغانستان میں ان کی حکمت عملی کا آلہ کار بن گیا۔ اس اثنا میں افغانستان نے محمود شاہ اور اس کے بھائیوں وغیرہ کے درمیان لڑائیوں سے نقصان اٹھایا. کشمیر کا افغان گورنر ایک لحاظ سے اس وقت تک حکومت کرتا رہا جب ۱۸۱۹ء میں کشمیر کو فتح کر کے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی قلمرو

میں شامل نہیں کیا گیا۔

پٹھان حکومت کی خصوصیات

ریاست کشمیر چھیاسٹھ سال تک (۱) پانچ افغان بادشاہوں احمد شاہ ابدالی (۵۳-۱۷۷۲ء) تیمور شاہ (۹۳-۱۷۷۲ء) زمان شاہ (۱۸۰۰-۱۷۹۳ء) شاہ شجاع اور محمود شاہ (۱۹-۱۸۰۱ء) کے ماتحت رہی۔ مغل حکمرانوں کی طرح پٹھان بادشاہ بھی یہاں گورنر بھیجتے رہے کہ وہ ان کی طرف سے حکومت کریں۔

کشمیر پر کل ۲۸ گورنروں اور ڈپٹی گورنروں نے حکومت کی۔ چند صورتوں میں بیٹا باپ کا جانشین ہوا، بعض صورتوں میں گورنر آزادانہ حکومت کرتے رہے مگر سبھی گورنر پٹھان نہ تھے۔ ہمیں پہلی دفعہ ایک ہندو راجہ سکھ جیون مل بھی ملتا ہے جس نے آٹھ سال سے زیادہ عرصہ کے لیے حکومت کی اور جو اکثر پٹھان گورنروں سے زیادہ کشمیریوں میں مقبول تھا۔ صرف نو ایسے گورنر ہیں جنہوں نے ۲ سے لے کر ۱۱ سال تک حکومت کی۔ بقیہ صرف چند ہی ماہ برسر اقتدار رہے۔ پہلی دفعہ ہمیں کچھ کشمیری پنڈتوں کے نام بھی ملتے ہیں جنہوں نے منتظم ریونیو، کلیکٹر اور ریاست دان کی حیثیت سے شہرت پائی۔ کچھ افغان گورنر بے حد پابند آئین اور انسان دوست تھے۔ کچھ نے مسلمانوں اور ہندوؤں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا اور جو نک بن کر ان کا لہو چوسا۔ ان کے علاوہ بھی تھے جو شدید تعصب کا نمونہ تھے اور متعدد موقعوں پر وہ شیعہ۔سنّی جھگڑے کا سبب بنے۔ چند موقعوں پر کشمیری پنڈتوں کے ساتھ بے حد ظالمانہ سلوک کیا گیا۔ جب بھی اندرونی طور پر نظم ونسق کمزور ہوتا یا بغاوت کے آثار نمایاں ہوتے پہاڑی غارت گر قبائل یعنی گوجر، بمبہ اور کھکھ جو ہمیشہ وادی پر نظریں جمائے رہتے۔ عوام پر ٹوٹ پڑتے اور لوٹ مار، آتش زنی اور قتل عام کرنے کے بعد لوٹ جاتے۔ وہ اپنے پیچھے سیاسی

---

۰۱ ۱۸۱۹ء - ۱۷۳۷ء

ابتری، اقتصادی تباہ حالی اور قحط چھوڑ جاتے۔

بعض پٹھان حکمران بذاتِ خود دہشت پسندی کا بدترین نمونہ تھے ان کی حکومت سب سے زیادہ ظالمانہ اور مکروہ تھی۔ جب حالات ناقابل برداشت ہو گئے۔ تو ایک کشمیری پنڈت، بیربل دھر نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس پہنچنے کا انتظام کر لیا اور اسے فتح کشمیر کی درخواست کی۔ اس کی اپیل قبول کر لی گئی اور مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کشمیر کو ۱۵ رجون ۱۸۱۹ء کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ (۱)

اب ذیل میں ان گورنروں کے حالات دیئے جاتے ہیں جنہوں نے ۱۸۱۹ - ۱۷۵۳ء کے دوران کابل کے پٹھان حکمرانوں کی طرف سے کشمیر پر حکومت کی۔

پٹھان بادشاہوں کے گورنر

(۱۸۱۹ء ——— ۱۷۵۳ء)

عبداللہ خان ایشک آقاسی (۱۷۵۳ء)

وہ کشمیر میں بمشکل چھ ماہ رہا اور یہی کشمیر کی تاریخ میں تاریک ترین عرصہ سمجھا جاتا ہے۔ اس نے عوام کے دلوں پر ایک ظالم و جابر کا نقش بٹھایا۔ اس کی بدکرداری اس بات کی دلیل تھی کہ مستقبل ماضی سے بڑھ کر برا ہو گا۔ اس نے کشمیریوں کے خون اور آنسوؤں پر سلطنت کی بنیاد رکھی۔ ان پر مظالم ڈھائے اور بہتوں کو ان سے روپیہ ہتھیا لینے کی غرض سے جان سے مار دیا۔ ایک موقعہ پر اس نے ایک شخص سے اذیتیں دے دے کر ایک لاکھ روپیہ وصول کیا تھا(۲) اس نے آرٹ کے خزینے لوٹ کر

۱- ۱۵ رجون ۱۸۱۹ء تا ۲۴ راکتوبر ۱۹۴۷ء ایک سو اٹھائیس سال چار ماہ اور ۹ دن سکھ اور ڈوگرے افغانوں کی طرح باشندگان جموں و کشمیر کا خون چوستے رہے۔ (مصنف)

۲- حسن ج ۲، ص ۶۵۱ -

ملک کو کنگال بنا دیا۔ یہاں تک کہ اس نے مشہور مغل باغات پر بھی ہاتھ صاف کیے اور ان کی بارہ دریوں کو بیش قیمت احجار سے محروم کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس نے لوٹ کھسوٹ سے ایک کروڑ روپیہ جمع کیا تھا جسے وہ کابل لے گیا۔ اس نے ملک کی اقتصادیات کو تباہ کر دیا تھا۔ اس طرح ملک کی مالی حالت بے حد نازک ہو گئی تھی۔ روپیہ کم ہو گیا اور تجارت جامد ہو گئی تھی چنانچہ استی متحکم بیرونی تجارت خانوں کو اپنا کاروبار بند کرنا پڑا۔

ظاہر ہے کہ چھوٹے بڑے سبھی لوگوں کی بدبختی کا ذمہ دار عبداللہ خان ایشک آقاسی تھا وہ انقلاب لانے کے لیے پیچ و تاب کھاتے رہے آخر کار وہ حکومت کی باگ ڈور اپنے ڈپٹی خواجہ عبداللہ خان اور چیف سیکرٹری سکھ جیون مل کے سپرد کر کے ملک سے نکل گیا۔

راجہ سکھ جیون مل (۶۲-۱۷۵۳ء)

خواجہ عبداللہ خان کو عبداللہ خان ایشک آقاسی کے کیے کی سزا بھگتنا پڑی۔ اس کے زمام حکومت سنبھالنے کے چار ماہ بعد، سکھ جیون مل نے ایک ہر دل عزیز اور ممتاز کشمیری سردار عبدالحسن خان بانڈے کی مدد سے خواجہ مذکور اور اس کے دو بیٹوں کو قتل کروا دیا اور پھر ۱۷۵۳ء میں کشمیر کی گورنری کا خود دعویدار بن بیٹھا۔ اس نے عبدالحسن خان بانڈے کو وزیر اعظم اور وزیر مالیات و قانون تعینات کیا۔ رفتہ رفتہ ملک میں ایک پر امن حکومت قائم ہو گئی۔

ادھر احمد شاہ ابدالی نے سکھ جیون مل کی روش کو باغیانہ قرار دیا تھا مگر چونکہ وہ ایک طرف ایران اور دوسری طرف پنجاب کے ساتھ مرگ و زلیست کی جنگ میں مصروف تھا۔ اس لیے اس نے سکھ جیون مل کو حکومت چلاتے رہنے کی اجازت دے دی۔ اس کو گورنر تو تسلیم کر لیا لیکن ساتھ ہی اپنے معتمد خاص ... ... خواجہ کیچک کو ڈپٹی گورنر بنا کر بھیجدیا مقصد یہ تھا کہ وہ سکھ جیون مل کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھے تب ابدالی نے اسے خوف زدہ کرنے اور انتظامی امور میں خلل ڈالنے کے لیے بھاری خراج ادا کرنے کا مطالبہ کر دیا جو ملک کے ریونیو سے دس گنا زیادہ تھا۔ ظاہراً مقصد یہ تھا کہ ابدالی

اپنے اس خزانے کو بھر سکے جو سکھوں اور مرہٹوں کے خلاف نبرد آزمائی کے دوران خالی ہو گیا تھا۔ یہ مطالبہ اتنا نامعقول تھا کہ سکھ جیون مل نے اسے ناممکن پایا۔ خاص طور سے ایسے حالات میں جب ابھی ابھی ابدالی کا گورنر عبداللہ خان ایشک آقاسی کشمیر کے خزانے کو خالی کر گیا تھا۔ ان حالات میں سکھ جیون مل نے اپنے وزرار کو اعتماد میں لیا تاکہ اس کا کوئی حل تلاش کیا جائے۔ اس کے وزیر اعظم عبدالحسن خان بانڈے نے اسے ڈٹے رہنے اور بغاوت کر دینے کا مشورہ دیا۔ دوسرے وزیروں مثلاً خواجہ کیچک، ملک حسن ایرانی اور اعظم خان نے جو ابدالی کے ایجنٹ تھے۔ قدرتی طور پر اس فیصلہ کی مخالفت کی۔ چنانچہ کہ وہ بارہ مولہ چلے گئے اور وہاں علم بغاوت بلند کر دیا۔ وفادار کشمیریوں اور فوج نے سکھ جیون مل کی تائید کی اور وہ ان کے ہمراہ بارہ مولہ کیطرف چل پڑے اور باغیوں سے زبردست مقابلہ کیا اور انکو شکست دی۔ بہت سارے مارے گئے جن میں تین ...... رہنما خواجہ کیچک، ملک حسن ایرانی اور اعظم خان شامل تھے .... کئی ایک جبراً ملک سے نکال دیئے گئے اس عظیم مہم کے بعد سکھ جیون مل فاتحانہ سری نگر لوٹا اور مغل بادشاہ عالم گیر دوم (۵۹ - ۱۷۵۴ء) کے اقتدار اعلیٰ کا اعلان کر دیا۔ عالم گیر نے اسے راجہ کا خطاب دیا۔

قدرتی طور پر ان واقعات نے احمد شاہ ابدالی کو بھڑکا دیا تھا۔ ایرانیوں، سکھوں اور مرہٹوں کے خلاف اپنی مہمات سے غافل ہو کر اس نے عبداللہ خان ایشک آقاسی کو جو پہلے ہی اہالیان کشمیر کے دلوں کو مجروح کر چکا تھا۔ تیس ہزار کی طاقت ور فوج دے کر راجہ سکھ جیون مل کے مقابلہ پر روانہ کیا، اُدھر راجہ نے بھی جنگ کے لیے ضروری تیاری کر لی تھی اُسے ککھ سردار بہرہ خان کی طرف سے بھی معقول کمک مل گئی تھی۔ کشمیری فوجوں کا افغانوں سے آمنا سامنا حیدر آباد (پونچھ) میں ہوا۔ جہاں ان کو عبرت ناک شکست ہوئی، بہت سارے مارے گئے اور بیشمار جنگی قیدی بنا لیئے گئے۔ ذلت و رسوائی کے اظہار کے طور پر ان کو کاغذ کی ٹوپیاں پہنا کر سرینگر لایا گیا۔

اب راجہ نے عبداللہ خان بانڈے کے مشورہ پر مستقبل میں ملک کی بہتر سلامتی و تحفظ کے لیے خاص اقدام کیے، پہلا کام تو یہ کیا کہ ان ملکوں یا گماشتوں کو برطرف کر دیا جنہوں نے غیر وفادارانہ کام کیے تھے ان کی جگہ وہ لوگ مقرر کیے گئے جو اپنی وفاداری کا ثبوت دے چکے تھے۔ دوسرا یہ کہ اس نے تمام کھکھہ، بمبہ اور گوجر سپاہیوں کو سبکدوش کر دیا جن کی وفاداری مشکوک تھی اور ان کی جگہ سکھ اور سانسی بھرتی کیے جو اس کے وفادار تھے۔

لیکن وادی کشمیر عذاب میں مبتلا رہی۔ ۱۷۵۵ء کے سال بے موقعہ برف گری جس نے کھڑی فصلوں کو تباہ کر دیا اسی وقت ایک بھاری ٹڈی دل نے وادی پر حملہ کر دیا اور بچی کھچی فصلوں کو بھی نابود کر دیا۔ اشیائے خوردنی کم اور گراں ہوگئیں مگر وزیر اعظم خواجہ عبدالحسن بانڈے موقع پہ کام آیا۔ دراصل وہ ایک اچھا چارہ ساز اور خوش تدبیر آدمی تھا۔ اس نے لوگوں کو مصیبت سے چھڑانے کے لیے ضروری اقدام کیا۔ اس کے اپنے سٹور میں کوئی دو لاکھ خروار شالی موجود تھی اس نے شہری آبادی کا خانہ بخانہ احصائیہ کروایا، اور ہر خاندان کو اتنا راشن دے دیا جو چھ ماہ کے لیے کافی تھا، دوسری طرف اس نے ایک لاکھ خروار شالی کسانوں میں تقاوی قرضہ کے طور پر تقسیم کی۔

۱۷۵۷ء میں جب انگریز فوجوں نے پلاسی کے میدان میں سراج الدولہ کو شکست دی تو سکھوں نے پنجاب کو افغان کنٹرول سے چھڑا لیا۔ ان حالات میں راجہ سکھ جیون مل کو اپنی حدود قلمرو کی توسیع کی حوصلہ افزائی ہوئی اس نے بھمبر، اکھنور، اور سیالکوٹ پہ حملہ کر دیا لیکن وہ سیالکوٹ پہ قبضہ نہ کر سکا کیونکہ اس کے افغان حکمران یار خان کی کھلم کھلا مدد جموں کا راجہ رنجیت دیو کر رہا تھا—

اسی اثنا میں راجہ سکھ جیون مل کے خلاف سازشیں شروع ہوگئیں، سابقہ ڈپٹی گورنر میر مقیم کنٹھ کی شاطرانہ چالوں کی وجہ سے سکھ جیون مل کے اپنے معتمد ترین وزیر عبدالحسن خان بانڈے کے ساتھ تعلقات بگڑ گئے۔ کنٹھ مذکور کو چند روز پہلے کابل سے اس لیے رہا کیا گیا تھا کہ وہ احمد شاہ ابدالی

کے خفیہ جاسوس کی حیثیت سے کام کرے گا۔ بانڈے کو برطرف کر دیا گیا۔ بانڈے اور کنٹھ کے درمیان رسہ کشی نے دھر خاندان کو جس کا ستارا اوج پر ...... تھا، نمایاں کر دیا، چنانچہ سر برآوردہ پنڈت مہا آنند دھر کو وزیر اعظم بنا دیا گیا، اس کے زیر اثر راجہ نے دوسری غلطی یہ کی کہ وہ ایک متعصب ہندو کی طرح کام کرنے لگا۔ اذان پہ پابندی لگا دی اور گاؤ کشی ممنوع قرار پائی۔ اس طرح مسلمانوں کے جذبات کی براہِ راست توہین کی گئی۔ اس پہ مسلمان فوج نے اعتراض کیا، اور پھر بغاوت کر دی لیکن راجہ کی سکھ اور سانسی فوجوں نے ان کو کچل دیا۔

ادھر احمد شاہ ابدالی پانی پت کے میدان میں مرہٹہ اتحاد پر ۱۷۶۱ء میں فتح یاب ہو کر واپس آ چکا تھا۔ اس نے کشمیر میں رونما ہونے والے واقعات کا سنجیدگی سے جائزہ لیا۔ چنانچہ جون ۱۷۶۲ء میں اس نے اپنے جنرل نورالدین خان بامزئی کو راجہ کے خلاف کارروائی کرنے پر مامور کیا۔ پٹھان اور کشمیری فوجوں کا توسہ میدان کے نشیب میں مقابلہ ہوا۔ کشمیر کی افواج، اپنی آزادی کے تحفظ کے لیے بہادری سے لڑیں۔ بدقسمتی سے جب ان کے کمانڈر انچیف بخت مل نے پیٹھ دکھائی اور وہ دشمن کے کیمپ میں چلا گیا تو کھلبلی مچ گئی۔ راجہ سکھ جیون مل کو ذلت آمیز شکست سے دوچار ہونا پڑا، اسے پکڑا گیا، اندھا کیا گیا۔ اور بدترین حالت میں احمد شاہ ابدالی کے پاس لاہور لے جایا گیا۔ پھر ابدالی نے حکم دیا کہ اسے ہاتھی سے کچلوا دیا جائے۔

راجہ سکھ جیون مل ایک خوبصورت پنجابی کھتری تھا جو بھیرہ (پاکستان) میں پیدا ہوا اور یہیں جوان ہوا تھا وہ جامع الصفات آدمی تھا، ماہر لسانیات، عالم، سپاہی، سیاست دان اور شاعر سبھی کچھ تھا۔ افغانوں کے تسلّطِ پنجاب کے دنوں میں اس نے احمد شاہ ابدالی کے وزیر اعظم شاہ ولی خان کی ملازمت شروع کی جس نے اسے عبداللہ خان ایشک آقاسی کی خدمت و معاونت کے لیے کشمیر بھیجا تھا۔ حکمران کی حیثیت سے وہ ملک کے امن اور رعایا کی خوشحالی میں گہری دلچسپی لیتا رہا۔ وہ کھلے ذہن کا آدمی تھا۔ وہ اپنی مسلم رعایا کے ہمراہ جمعہ کے روز جامع مسجد میں حاضری دیتا اور ان کے بڑے بڑے تہوار، عید اور نوروز منانے میں بڑی دلچسپی دکھاتا۔ وہ ہفتہ وار کانفرنسوں اور مذاکروں کا انتظام کرواتا، علماء، دانشوران اور شعراء کے ساتھ ملاقاتیں کرتا۔ اس نے شاہنامۂ کشمیر کے نام سے منظوم تاریخ کشمیر لکھوانے

کا عظیم منصوبہ بنایا تھا اور اس مقصد کے لیے اس نے کشمیر کے سات مشہور فارسی گو شاعروں کا بورڈ مقرر کر دیا تھا(۱) اس کی حکومت آٹھ سال چار ماہ اور کچھ دن رہی۔

وہ بڑی دردناک موت مرا اور شاید وہ اس کا حقدار بھی تھا۔ اس نے متعدد فاش غلطیاں کی تھیں جو اس کی تباہی کا سبب بنیں۔ پہلی یہ کہ وہ میر مقیم کنٹھ کے اثر میں آگیا جس کی وفاداری کابل سے اس کی اچانک اور بامقصد رہائی کے بعد مشکوک ہو گئی تھی۔ اسی طرح اس نے عبدالحسن خان بانڈے کی استوار وفاداری اور مخلصانہ راہنمائی سے اپنے آپ کو محروم کر لیا۔ دوسری یہ کہ اس نے تنگ نظر پنڈت مہا آنند دھر کے کہنے پر اذان اور گاؤ کشی ممنوع قرار دی جس وجہ سے اس کی ...... مسلم رعایا دشمن بن گئی۔

تیسری یہ کہ اس نے عالم گیر دوم کے دعویٰ کو سچا مان کر جو ایک کمزور اور بیکار مغل حکمران تھا اپنی خالص خود فریبی اور غیر محتاط سیاسی حکمت عملی سے احمد شاہ ابدالی کو بے وجہ مشتعل کر دیا۔ ایک زبردست حادثہ نے آخر کار اسے آلیا اور وہ اس انجام سے دوچار ہو گیا جس کا وہ مستحق تھا۔

بلند خان بامزئی (۶۵-۱۷۶۳ء)

راجہ سکھ جیون مل کے بعد اس کا فاتح نورالدین خان بامزئی تخت نشین ہوا۔ اسے امن و امان کی بحالی اور اپنی فتح کے استحکام میں تین مہینے لگ گئے۔ پھر وہ کابل چلا گیا۔ اس کی جانشینی بلند خان بامزئی کو ملی۔ بلند خان بامزئی بڑا خوش پوشس آدمی تھا۔ وہ رعایا کی فلاح و بہبود سے زیادہ اپنی اغراض و خواہشات میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو مکمل عیاشی کے لیے وقف کر دیا تھا۔ دوسری طرف بے چین عناصر ملک میں گڑبڑ پھیلاتے رہے۔ انھوں نے خواہ مخواہ کے بہانوں سے شیعہ، سنی فتنہ جگا دیا۔ ایک بار پھر زڈی بل کو آگ لگا دی گئی۔ شیعوں کو لوٹا گیا اور بہت ساروں کی شکلیں بگاڑ دی گئیں۔

۱۔ افسوس کہ سکھ جیون مل کی بے وقت موت نے یہ منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچنے نہ دیا۔ (مصنف)

نورالدین خان بامزئی ۔ (بار دوم) (۶۶-۱۷۶۵ء)

نورالدین خان بامزئی کے ذریعے بلند خان بامزئی کو برطرف کیا گیا۔ تب اس نے میر مقیم کنٹھ اور پنڈت کیلاش دھر کو بالترتیب چیف سیکرٹری اور وزیر اعظم مقرر کر دیا۔ بدقسمتی سے یہ دونوں کشمیری لیڈر ایک اچھی ٹیم کی طرح کام نہ کر سکے۔ دونوں نے ایک دوسرے کے خلاف معاندانہ رویہ اپنا لیا۔ کیونکہ پنڈت مذکور ماضی میں کنٹھ کے معاونین میں سے ایک تھا۔ اب یہ پنڈت سینئر ہونے کی وجہ سے مغرور ہو گیا اور وہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کرتا۔ دونوں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے تاک میں بیٹھ گئے۔ آخر کار کنٹھ گورنر کو اس بات پر قائل کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ کیلاش دھر سے جو مالیات کا انچارج تھا۔ ماضی کے معمول کے برعکس دو برس کے بجائے مالیات کی ادائگی روزانہ کرائی جائے، جو عملی طور پر ناممکن تھی۔ اس نے سر پر منڈلاتی ہوئی تباہی سے بچنے کے لیے ایک خطرناک چال چلی۔ حکم میر قانون گو کو ...... جو کنٹھ کے ساتھ ذاتی عداوت رکھتا تھا ملوث کیا اور اس کے ہاتھوں اسے قتل کروا دیا اب پنڈت آزاد تھا۔ ہوشیار گورنر نے اس کے اس بڑے کام کو پسند کیا اور اس کے ذریعے بھاری رقم سمیٹ لی۔ پھر وہ جان محمد خان کو گورنر، اور ایک ہندو گور مکھ داس کو ڈپٹی گورنر بنا کر ملک سے چلا گیا۔

لال خان خٹک (۱۷۶۶ء)

دریں اثناء لال خان خٹک نے جو نورالدین بامزئی کا بااعتماد مشیر تھا، تھوڑے ہی عرصہ میں بڑی طاقت حاصل کر لی اور ضلع بیرو میں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کروا لیا، جوں ہی اسے معلوم ہوا کہ نورالدین بامزئی احمد شاہ کی نظروں سے گر گیا ہے وہ جان محمد خان کو برطرف کر کے خود سر اقتدار آ گیا۔

اس کے بعد اس نے ظلم و ناانصافی کا آغاز کیا لوگوں کو اور بالخصوص ہندوؤں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ احمد شاہ نے اس کی بغاوت و سرکشی کے بارے میں سنا تو خرم خان کو سرکوبی کے لیے روانہ کیا، لال خان چھ ماہ تک حکومت چلانے کے بعد خوف کے مارے وادی سے بھاگ گیا۔

خرّم خان (۶۷-۱۷۶۶ء)

خرم خان کا ذاتی طور پر زندگی کے بارے میں نظریہ روادارانہ تھا۔ پنڈت کمیونٹی پر خصوصی طور سے وہ مہربان تھا۔ لہذا کیلاش دھر کو حسب سابق اس نے ریونیو کلیکٹر مقرر کر دیا۔ لیکن وہ خود راحت طلب اور سست تھا اور غیر جانبداری اور ثابت قدمی سے حکومت نہ چلا سکا۔ دشمنوں نے اس کی کمزوری سے پورا پورا فائدہ اٹھایا مثال کے طور پر مقیم کنٹھ کے بیٹے فقیر اللہ کنٹھ اور لال خان خٹک نے بمبہ سردار محمود خان کو اعتماد میں لے لیا اور اس کی مدد سے سوپور میں بغاوت کر دی۔ خرّم خان اور پنڈت کیلاش دھر بھاری لشکر لے کر اس کے مقابلہ کو گئے چنانچہ ان کو فقیر اللہ کنٹھ کے ہاتھوں شکست ہوئی اور وہ کابل بھاگ گئے۔

فقیر اللہ کنٹھ (۶۸-۱۷۶۷ء)

حکمران کی حیثیت سے فقیر اللہ کنٹھ اس وقت تک آرام کی نیند نہ سو سکتا تھا۔ جب تک وہ اپنے حریف لال خان خٹک کو نابود نہ کر دیتا۔ لہذا اس نے اپنے آدمی اس کے پیچھے لگا دیئے اور اسے پونچھ بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ دوسری طرف وہ اپنے فائدے کے لیے کھکھوں اور بمبوں کا وفادار رہا۔ اس نے دشمنوں خاص طور سے پنڈت کمیونٹی سے محض اس واسطے بدلہ لینے کی سکیموں میں ان کی حمایت حاصل کی کہ ایک پنڈت نے اس کے باپ کو قتل کروایا تھا، چنانچہ ان کے ساتھ برا برتاؤ کیا گیا اور ان پر بھاری ٹیکس لگائے گئے۔ متعدد کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور دو ہزار کو زبردستی مسلمان بنا لیا گیا[۱] تب اس نے بے احتیاطی اور لاابالی پن کی زندگی شروع کر دی۔ وہ ہمیشہ عورت اور شراب کی مستیوں میں مدہوش رہتا۔

اسی اثناء میں احمد شاہ ابدالی نے، جب اسے اس نئے حکمران کی بداعمالیوں اور مظالم کی رپورٹ

۱۔ حسن ج ۲، ص ۶۳۹

پہنچی تو ایک بار پھر نورالدین بامزئی کو سرکوبی کے لیے فوج دے کر روانہ کیا۔ دونوں فوجوں کے درمیان کئی معرکے ہوئے۔ آخرکار فقیر اللہ کنتھ فرار پر مجبور ہو گیا۔ اس نے کرناہ میں کھکھ سردار کے ہاں پناہ لی اور اس کے کچھ ہی دن بعد وہ مر گیا اس کی حکومت سات ماہ تک رہی۔

نورالدین بامزئی (بار سوم) (۶۹-۱۷۶۸ء)

جن دنوں نورالدین خان بامزئی ملک میں امن و امان بحال کرنے میں مصروف تھا۔ محمد خزانچی کابل سے احمد شاہ ابدالی کا فرمان لے کر یہاں پہنچا تاکہ وہ بامزئی سے قلمدان لے سکے۔ نورالدین خان بامزئی جان کا خطرہ مول لے کر ملک میں ابدالی حکومت کی بحالی کے بعد آسانی سے شکست قبول کرنے والا نہ تھا اس نے فیصلہ جنگ پر چھوڑ دیا اور آخر اپنے مخالف محمد خزانچی کو شکست دے دی۔ احمد شاہ ابدالی اس کے باغیانہ رویہ سے سیخ پا ہو گیا۔ اور اب وہ ایسا مناسب آدمی تلاش کرنے لگا جو اسے برطرف کر دے۔ چنانچہ پنڈت کیلاش دھر نے جو اس وقت کابل میں تھا اپنے آپ کو فتح کشمیر کے لیے پیش کیا۔ اسے کشمیر کے سابق گورنر خرم خان کے ہمراہ فوج دے کر روانہ کیا گیا۔ نورالدین خان بامزئی کو خبردار کیا گیا تو وہ ملک کا انتظام لال خان خٹک کے سپرد کر کے جموں بھاگ گیا۔ خٹک مذکور کو کوارست کے مقام پر شکست ہوئی اور خرم خان کسی مزاحمت کے بغیر سری نگر میں داخل ہو گیا۔

خرم خان (بار دوم) (۱۷۷۰ء)

جب تک لال خان کو کھلی چھٹی تھی۔ خرم خان آرام سے حکومت نہیں کر سکتا تھا، پھر طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے بھی وہ اسے دبانے کے قابل نہ تھا۔ لہٰذا اس نے چھ ماہ کے بعد اپنا استعفیٰ پیش کر دیا اور امیر خان جوان شیر اس کا جانشین بنا۔

امیر خان جوان شیر (۷۶-۱۷۷۰ء)

حکومت کی زمام ہاتھ میں لیتے ہی امیر خان

جوان شیر لال خان خٹک کے خلاف فیصلہ کن لڑائی لڑا، اور اسے شکست دے کر بھاگ جانے پر مجبور کر دیا جہاں وہ طبعی موت مرا۔ اب امیر خان جوان شیر نے اپنا وزیر اعظم امیر فاضل کنٹھ کو چنا، میر فاضل کنٹھ کا دوبارہ طاقت حاصل کرنا انتظامی افراتفری اور ملک میں فتنہ انگیز عناصر کی رہائی کا پیش خیمہ تھا اس نے ان لوگوں کو نہ فراموش کیا اور نہ ہی معاف کیا۔ جنہوں نے اس کے والد کو قتل کیا تھا۔ میر مقیم کنٹھ اور خصوصاً پنڈت کیلاش دھر اس کی نظر میں تھا۔ اتفاق سے ایک روز اس نے کیلاش دھر کو کھلی جگہ میں پا لیا اور موقعہ پر ہی ہلاک کر دیا۔ پھر اس نے پوری پنڈت کمیونٹی کو اپنے انتقام کا نشانہ بنایا۔ ان کو ذلیل و رسوا کیا گیا اذیتیں دی گئیں اور ناقابل برداشت ٹیکس لگائے گئے گورنر میر خان جوان شیر نے کنٹھ کے خلاف انگلی بھی نہ اٹھائی اس کے برعکس وہ عیش و عشرت اور شراب نوشی و شہوت رانی میں محو رہا۔

البتہ جوان شیر کا نام عمارت ساز کی حیثیت سے ہمیشہ زندہ رہے گا اس کی عمارات کے سلسلے میں چھیل ڈل میں سونہ لنک کا ذکر کیا جا سکتا ہے جو اس نے تعمیر کروائی تھی۔ اور اس کے اوپر سات منزلہ عمارات کھڑی کی گئی تھیں، دوسرا اس نے باغ امیر آباد بنوایا تھا، جس کی بارہ دری میں تماشا ہوا سیاہ پتھر استعمال کیا گیا۔ جو مغل باغات کی بارہ دریوں سے لایا گیا تھا تیسری یادگار امیر کدل کی تعمیر جدید ہے یہ پل ۱۷۷۲ء کے سیلاب میں تباہ ہو گیا تھا .... اس نے شیر گڑھی قلعہ اس وسیع احاطہ میں تعمیر کروایا جسے دارا باغ کہا جاتا تھا اور جو سری نگر میں بڈشاہ پل کے علاقہ میں پرانے سیکرٹریٹ سے باہر واقع تھا۔

اسی اثناء میں احمد شاہ ابدالی ۱۷۷۲ء میں فوت ہو گیا، اس کا جانشین اس کا بیٹا تیمور شاہ بنا اس نے امیر خان جوان شیر کے منصب گورنری کی توثیق کر دی اور اسے دلیر جنگ کا خطاب بھی دیا۔ اگرچہ اس سے بہت پہلے ہی جوان شیر کی وفاداری کا پردہ چاک ہو چکا تھا۔ مگر جوں ہی تیمور شاہ نے سکھوں کے ہاتھوں شکستیں کھائیں۔ جوان شیر نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ ادھر وہ سینئول کے لیے ایک خطرہ بن گیا اور ان کی بعض اہم شخصیات کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ لیکن تیمور شاہ ایسا

آمادہ نہ تھی کہ وہ امیر خان جوان شیر کو غیر محدود آزادی دے دیتا۔ اس نے حاجی کریم داد خان کو مقابلہ کے لیے بھیجا۔ امیر خان نے شکست کھائی اور اسے ۱۷۷۰ء میں برطرف کر دیا گیا۔ اس کی خود سرانہ و ظالمانہ حکومت صرف چھ سال چلی۔

حاجی کریم داد خان (۱۷۷۶-۸۳ء)

کنٹھ خاندان کی ان کے سردار میر فاضل کنٹھ کے گناہوں کی جڑ بیخ کنی کے بعد حاجی کریم داد خان نے عبدالرشید کو قاضی القضاۃ اور پنڈت دلہ رام قلی کو چیف سیکریٹری تعینات کیا۔ اور پھر اس نے سرحدی سرداروں کے خلاف مہمات کے لیے ایک منصوبہ بنایا تاکہ کشمیر کے خلاف ان کے جارحانہ عزائم کو خاک میں ملا دیا جائے۔ پہلے اس نے اپنے بیٹے مرتضیٰ خان کو سکردو کے سردار راجہ مراد خان کے مقابلہ پر روانہ کیا چنانچہ موخرالذکر کو شکست ہوئی اور اس نے بھاری تاوان جنگ ادا کیا۔ پھر اس نے جموں کے راجہ رنجیت دیو کو شکست دی جس نے تیس ہزار پیادہ فوج کی مدد سے کشمیر پر حملہ کیا تھا۔ اس کے ککہ اور بمبہ جاسوسوں کا بھی صفایا کیا گیا، اب حاجی کریم داد خان نے غافل اور بے رحم حکمران کی طرح حکومت کرنا شروع کی۔ وہ چھوٹے بڑے اور ہندو مسلم سبھی پر ظلم ڈھانے لگا اور متعدد بھاری ٹیکس عائد کر دیئے۔ مثلاً اس نے (۱) زر نیاز (نذرانہ) ٹیکس جاگیرداروں اور منصب داروں پر لگایا (۲) زر اشخاص یا جائداد ٹیکس جو درمیانہ طبقہ پر لگایا گیا۔ (۳) زر جوب یا غلہ ٹیکس کسانوں پر۔ (۴) زرہ دودہ یا مذہبی ٹیکس پنڈتوں پر (۵) اور داغ شال ٹیکس۔ شال بافوں پر عائد کیا گیا۔ شال بافوں سے قیمت فروخت پر ایک روپے کے پیچھے ایک آنہ وصول کیا جاتا۔

اس کے مجنونانہ منصوبے یہیں پر ختم نہیں ہوتے۔ سرینگر میں مائسومہ کے علاقہ میں تمام گھنے شہتوت کے درخت کٹوا دیئے گئے اس کی جگہ سفیدے کے پودے لگائے گئے اور اس طرح سارے علاقہ کو ریس کورس میں تبدیل کر دیا گیا۔ وہ بہادری کے جوہر بھی رکھتا تھا ۱۷۸۱ء میں اس نے مظفر آباد کے چیف کے خلاف مہم چلائی اور شکست دے کر اسے قیدی بنا لیا۔ ۱۷۸۲ء میں کشتواڑ

کو فتح کیا۔

سات سال حکومت کرنے کے بعد وہ ۱۷۸۳ء میں فوت ہوا۔ تاریخ اسے ایک بدترین ظالم کے نام سے یاد کرتی ہے۔ پھر اس کا جانشین اس کا بیٹا آزاد خان ہوا۔

آزاد خان (۸۵-۱۷۸۳ء)

آزاد بمشکل اٹھارہ سال کا نوجوان ہوگا جب اس نے حکومت سنبھالی۔ اپنے والد کے برعکس وہ آوارہ گرد تھا اس کے عادات و اطوار بیحد سادہ تھے وہ اپنے سیکرٹریٹ سٹاف کو عمدہ لباس میں ملبوس دیکھ کر خوشی محسوس کرتا جبکہ خود سادہ لباس پہنتا، بقول معاصر جارج فارسٹر اس میں جوانی کی کوئی خرابی نہ تھی (۱) وہ عورت کا شوقین اور شراب کا رسیا نہ تھا بلکہ وہ حقہ تک نہیں پیتا تھا۔ دوسری طرف وہ قدامت پسند تھا اور بارعب و بدمزاج بھی۔ مظالم میں وہ اپنے باپ سے بڑھا ہوا تھا، وہ روزانہ ایک دو آدمیوں کو ناحق قتل کرنے کا حکم دیتا۔ پنڈت دلہ رام قلی کو اس نے اپنا وزیر اعظم مقرر کیا تھا

آزاد خان شکار میں بھی شہرت رکھتا تھا۔ اس نے کشتواڑ پر جنگی مہم بھیجی جہاں کا راجہ کئی معرکوں کے بعد ہار ماننے پر مجبور ہوگیا۔ پھر اس نے پونچھ کے سردار رستم خان پر حملہ کیا جو لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی چھپ گیا۔ مگر بعد میں اس نے آزاد خان کی بادشاہت قبول کر لی اور بھاری خراج ادا کیا۔ تیسرا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے راجوری کے سردار کو مطیع بنایا اور چوتھا یہ کہ اس نے مظفر آباد کے کھکھہ اور بمبہ سرداروں پر چڑھائی کی اور انہیں مطیع بنا لیا۔

ایک طرف اگر آزاد خان اپنی رعایا کو دباتا رہا تو دوسری جانب وہ مواصلات کے وسائل کی حوصلہ افزائی بھی کرتا رہا۔ وہ مقامی اشیاء کی برصغیر میں برآمد کی حوصلہ افزائی کرتا جس کے عوض سونا چاندی اور مقامی طور پر دستیاب نہ ہونے والی اشیاء بڑی مقدار میں کمائی جاتیں۔ بیرن ہیوگل

۱۔ جرنی۔ فارسٹر ص ۳۱ تا ۳۰

کے بقول اگرچہ وہ افسوسناک حد تک رعایا پر ظلم وستم کرتا تھا پھر بھی اس محمدی (آزاد خان) کا غیر محتاط انداز زندگی سبب بنا کہ جو روپیہ ریونیو اور ٹیکس سے جمع کیا تھا وہ پھر مقامی لوگوں کے ہاتھوں میں براہ راست گردش کرنے لگا جو اپنی مصنوعات کی روز افزوں برآمد سے معقول منافع کمانے لگے (۱)

اس کے ساتھ ہی آزاد خان ایک نادان منصوبہ ساز بھی تھا مثلاً ایک دفعہ اس نے فیصلہ کیا کہ ماسومہ کے علاقہ کو جھیل میں تبدیل کر دیا جائے اس نے اچھواجن پر ایک بند تعمیر کروایا مگر پانی ماسومہ تک نہ پہنچ سکا اور منصوبہ ناکام ہو گیا۔ دوم یہ کہ اس نے تیمور شاہ سے آزاد ہونے کا اعلان کر دیا۔ ادھر وہ سلطان ترکی کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتا اور ساتھ ہی اعلان بھی کرتا کہ وہ خود نادر شاہ ثانی ہے اپنے غیر مستحکم اور بے وقعت برتاؤ اور بے معنی کبر و غرور کے لیے اسے تیمور شاہ کے سامنے تین لاکھ روپیہ ہرجانہ پیش کرنا پڑا۔ تاہم اس کی پوزیشن محفوظ نہ تھی۔ کیونکہ جلد ہی تیمور شاہ نے مرتضیٰ خان اور زمان خان کو لڑانے کیا کہ وہ اسے برطرف کر دے ۔ یہ بھائی وادی جہلم کے پائیں علاقہ میں کچھ وقت تک مایوسی سے لڑتے رہے دونوں فریق کئی جوان ہاتھ سے کھو بیٹھے پر آخر کار آزاد خان کو کامیابی حاصل ہوئی۔

اس فتح نے اس کا دماغ پہلے سے زیادہ خراب کر دیا تھا فوجی سرداروں کی وفادارانہ خدمات کا اعتراف کرنے کی بجائے اس نے ان کو سختی سے دبانا شروع کر دیا۔ اس نے اپنے وزیر اعظم دیوان سنگھ اور دربار کے چوٹی کے نواب شیخ عبد النبی اور عنایت اللہ پانڈے کو مروا دیا ایک بدقسمتی یہ ہوئی کہ کشمیر میں اسی زمانے میں ہیضے کی وبا پھوٹ پڑی۔ جس سے بیس ہزار جانیں ہلاک ہو گئیں پھر پنجاب اور لداخ سے ٹریفک منقطع ہو جانے کے نتیجہ میں نمک تقریباً ناپید ہی ہو گیا۔ مختصر یہ کہ آزاد خان کے عہد حکومت میں عوام کو متعدد طریقوں سے دبایا اور پائمال کیا گیا۔ چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر وہ سزائے موت دے دیتا۔ جس سے عوام میں اس کے خلاف شدید نفرت پیدا ہو گئی۔ عوام خود تو

۱۔ ہیوگل، ٹریولز ص ۱۱۔

اس کا تختہ نہیں الٹ سکتے تھے البتہ وہ تیمور شاہ سے بار بار اپیلیں کرتے رہے۔ آخر تیمور شاہ نے سیف الدولہ مدد خان درانی کو اس مہم پہ مامور کیا۔ مدد خان پچاس ہزار سوار اور پیادہ فوج لے کر ۱۷۸۵ء میں مظفر آباد کے راستے کشمیر پہنچا اسے آزاد خان کے برابر کی مضبوط فوج سے مقابلہ کرنا پڑا۔ مدد خان تجربہ کار مہم جو ثابت ہوا۔ فوج ابھی وادی میں ہی تھی کہ اس نے اسے دو ڈویژنوں میں بانٹ دیا ایک ڈویژن کو پائندہ خان بارکزئی کی کمان میں آزاد خان سے مقابلہ کرنے کے لیے بارہ مولہ بھیجا گیا دوسرے ڈویژن کے ساتھ وہ خود کرناہ کے راستے آگے بڑھا اور ہونت چنار کا علاقہ جسے آج کل حضوری باغ کہا جاتا ہے، قبضے میں کر لیا، آبادی نے جو آزاد خان کی آمرانہ وظالمانہ حکومت سے تنگ آئی ہوئی تھی مدد خان کا استقبال کیا۔ آزاد خان کو پکڑ لیا گیا مگر وہ پونچھ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ جہاں اس نے خودکشی کر لی۔ اس کی حکومت دو سال اور پانچ ماہ رہی۔ تب مدد خان نے زمام حکومت میر داد خان کے حوالے کر دی۔

میر داد خان (۸۸-۱۷۸۶ء)

اپنی پالیسی کے مطابق حکومت چلانے کے لیے میر داد خان نے ملا غفار خان کو ڈپٹی گورنر ملا حبیب کو جج، ملا قوام الدین کو چیف جسٹس اور پنڈت دلہ رام قلی کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ فطری طور پر خود غرض اور حریص ہونے کے سبب وہ اپنے ڈپٹی گورنر سے نباہ نہ کر سکا دونوں کے درمیان مستقل عداوت شروع ہو گئی۔ جس کی وجہ سے ریاست کی خوشحالی اور ریونیو کی وصولی کو نقصان پہنچا۔ جب حالات نے نازک صورت اختیار کر لی تو تیمور شاہ نے مرتضیٰ قلی خان کو اپنا ذاتی نمائندہ بنا کر ۱۷۸۷ء میں کابل سے روانہ کیا اور لکھا کہ ایک ایسا گورنر ہونا چاہیئے جو بادشاہ کے لیے باقاعدہ ریونیو کی ضمانت دے سکے۔ اب صرف میر داد خان جیسا بیباک آدمی ہی یہ ضمانت دے سکتا تھا لہٰذا اسے گورنر تعینات کیا گیا۔ اس نے سختی سے حکومت کرنا شروع کر دی ایک آمر ہونے کے علاوہ وہ بے حد لالچی بھی تھا، بے احتیاطی اور نادانی سے اس نے شالی کی قیمت بڑھا کر پانچ روپے فی خروار

کر دی جو عام آدمی کی قوت خرید سے باہر تھی۔ نیز بعض بھاری ٹیکس بھی لگا دیئے۔ اس میں شک نہیں کہ اس نے روپیہ تو بڑا جمع کر لیا مگر عوام کی ناقابل برداشت غربت و تنگدستی کی قیمت پر انتظام کے ان تمام خود پسندانہ طریقوں میں پنڈت دلہ رام قلی اس کی پیٹھ ٹھونک رہا تھا کیونکہ اس نے پنڈت مذکور کو اپنا مشیر اعلیٰ بنا لیا تھا۔

بدقسمتی سے دلہ رام قلی اپنے آقا کو ظلم و ستم سے روک کر امن و خوشحالی قائم کرنے کے سلسلے میں سنہری موقعہ سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔ اس کے برعکس اس نے میر داد خان کے ہاتھ مضبوط کیے اور ساتھ ہی شیعہ سنی جھگڑا کھڑا کر دیا اور اس کے لیے اس نے ایک شخص حافظ کمال نامی کو جو مشہور سنی دشمن تھا، خوب استعمال کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سنی لیڈروں نے جو تنگ آئے ہوئے تھے، فیصلہ کر لیا کہ پنڈت سے بدلہ لیا جائے۔ چنانچہ ایک دن ان کے بڑے بڑے مفتیوں اور مولویوں نے جامع مسجد اور خانقاہ معلیٰ کے دروازے بند کر دیئے اور پنڈت کے سنی دشمن رویہ کے خلاف عمومی احتجاج کے طور پر لوگوں کو نماز پڑھنے سے روک دیا۔ پھر اس پر حملہ کیا اور اسے جی بھر کر مارا پیٹا۔ تاہم صورت حال کے قابو سے باہر ہو جانے سے پیشتر ہی میر داد خان نے امن بحال کر دیا اس نے میر جعفر کنٹھ کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا کیونکہ اسی نے لوگوں کو بغاوت پر اکسایا تھا۔ اس کے کچھ ہی دن بعد میر داد خان ۲۲ اپریل ۱۷۸۸ء کو فوت ہو گیا۔

جمعہ خان الکوزائی (۱۷۸۸ء)

میر داد خان کی جانشینی ڈپٹی گورنر ملا غفار خان کو ملی۔ پہلا کام اس نے یہ کیا کہ میر جعفر کنٹھ کو رہا کر دیا وہ صرف چار ماہ تک گورنر رہا۔ پھر جمعہ خان الکوزائی حکمران بنا جس نے انصاف پسند اور فیض رساں حکمران کی حیثیت سے مقبولیت حاصل کی۔ جلد ہی اس نے اپنے تینوں بیٹوں عبداللہ خان، رحمت اللہ خان اور محبت خان کو کابل سے بلوا لیا تا کہ وہ انتظام چلانے میں والد کی مدد کر سکیں۔ عبداللہ خان کی تقرری قاضی کے طور پر کی گئی تا کہ وہ محکمہ انصاف کے دیوانی اور فوجداری شعبوں کی طرف سے آمدنی کی دیکھ بھال کرے۔ اس انتظام سے معقول آمدنی ہوئی۔

فوراً بعد جمعہ خان کو تیمور شاہ کی طرف سے دربار میں بلایا گیا تاکہ وہ کشمیر کا خراج ادا کرے۔ دلہ رام قلی کے ہمراہ وہ پشاور روانہ ہوا اور حکومت کے فرائض اپنے بیٹے محبت خان کے سپرد کر دیئے۔ اس کی عدم موجودگی میں شیعوں نے سرینگر کے دو شیعہ محلوں زڈی بل اور حسن آباد میں نئی مساجد کی تعمیر شروع کر دی اور وہاں محرّم کی تقریبات منائیں۔ سُنّیوں نے مزید مساجد کی تعمیر کو شیعوں کی طرف سے دوستی کی علامت خیال نہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے محبت خان کے جذبۂ فرقہ واریت کو ابھارا۔ سُنّیوں کے امدادی دستوں کے ہمراہ وہ موقعہ پر پہنچا۔ جہاں نئی مساجد تعمیر کی گئی تھیں اور اپنی موجودگی میں ان کو گرا دیا۔ اس سے سُنّی دلیر ہو گئے متعدد شیعوں کو لوٹ لیا اور ان کے بعض رہنماؤں کو قتل کر دیا۔

اتنے میں جمعہ خان واپس آگیا اور اس نے دونوں فرقوں کے درمیان صلح صفائی کرا دی۔ اسی اثنا میں اسے اطلاع ملی کہ سرحدی سردار وادی پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس مقولہ پر عمل کرتے ہوئے کہ پہلے سے آگاہ کر دینا پہلے سے مسلح کر دینا ہے وہ بذاتِ خود باغی سرداروں پر اچانک ٹوٹ پڑا۔ سب سے پہلے تو اس نے ممبہ سردار حسن خان پر حملہ کیا اور اسے تباہ کن شکست سے ہمکنار کر دیا۔ پھر وہ حکمران پونچھ رستم خان پر چڑھ دوڑا جو شکست سے دوچار ہوا۔ اس کا تیسرا نشانہ کھکھ سردار بیرہ خان تھا جس پر حملہ کیا گیا اور شکست دے کر گرفتار کر لیا گیا۔ اس کی چوتھی اور آخری مہم راجوری کے سردار کرم اللہ خان پر حملہ کرنا تھا۔ اسے بھی شکست دی گئی اور بھاری تاوان جنگ وصول کیا گیا۔ اندرونی اور بیرونی طور پر امن قائم کرنے کے بعد جمعہ خان ۱۷۹۲ء میں کابل چلا گیا کہ اسے تیمور شاہ نے بلوایا تھا وہ دوسرے سال واپس آیا لیکن جلد ہی مر گیا اب اس کا بیٹا رحمت اللہ خان جانشین بنا جسے تیمور شاہ کے نامزد گورنر میر ہزار خان نے برطرف کر دیا۔

میر ہزار خان (۱۷۹۳ء)

میر ہزار خان نے ابھی انتظام حکومت سنبھالا ہی تھا کہ تیمور شاہ کا ۱۸ مئی ۱۷۹۳ء کو انتقال ہو گیا۔ اس کا جانشین زمان شاہ ہوا جس کے اولین احکامات میں سے ایک یہ تھا کہ اس نے میر ہزار

خان سے مالیات کشمیر کی ادائیگی کا مطالبہ کر دیا ، تا کہ یہ اس کی اطاعت و نمک حلالی کا ثبوت ہو۔ مگر میر ہزار خان نے اس کی پروانہ کی اور خزانہ ادا کرنے سے انکار کر کے بغاوت کر دی۔ اس نے اپنی حیثیت کو اور بھی خطرے میں ڈال دیا کہ وہ حکومت ، ظلم سے کرنے لگا تھا۔ اس نے آبادی کے لیے خصوصاً شیعوں اور پنڈتوں کے لیے بیشمار مصائب پیدا کر دیئے۔ پنڈتوں کو خاص طور سے نشانۂ جور و ستم بنایا گیا ان کے کئی رہنماؤں کو بوریوں میں ڈال کر جھیل ڈل میں ڈبو دیا گیا۔ سب سے زیادہ طاقت ور اور بااثر پنڈت دلہ رام قلی کا سر ، برسرِ عام جانباز چوک میں جہاں ان دنوں سنی پیروں اور ملاؤں کا مجمع لگا رہتا ، اڑا دیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ ان کو خوش کیا جائے اور ان کی آتش انتقام کو ٹھنڈا کیا جائے ، پھر اس نے سن و سال کا لحاظ کیے بغیر پنڈتوں پر جزیہ عائد کر دیا ، نیز ناقابل برداشت جسمانی ، اقتصادی سختیاں کرنا شروع کر دیں جو فقیر اللہ کنٹھ کی طرف سے کی جانے والی سختیوں سے کہیں زیادہ اذیت ناک تھیں۔ مستقبل میں ہر نفع بخش پبلک آفس سے پنڈتوں کو محروم کرنے کے لیے اس نے مال اور بند و بست کے محکمے ختم کر دینے کا منصوبہ بنایا اور ان کو فارسی سیکھنے سے منع کر دیا تاکہ انہیں فقط لکڑہارا اور سقہ بنا دیا جائے۔ وہ پنڈت دشمن پالیسی میں اصلاح ناپذیر دکھائی دیتا تھا۔ اس پر زمان شاہ غصے میں آ گیا اور اس نے احمد خان شاہینک باشی اور رحمت اللہ خان کو بھاری فوج دے کر سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ دونوں فوجیں بارہ مولہ میں لڑیں۔ میر ہزار خان کو شکست ہوئی تب وہ خانقاہ معلی مسجد میں در بست بیٹھ گیا اور یہ خیال کرنے لگا کہ اس مقدس مقام میں اسے کوئی نہیں چھوئے گا۔ پھر بھی اسے باہر نکال کر گرفتار کر لیا گیا۔

کفایت اللہ خان (۹۵-۱۷۹۴ء)

ملک میں امن و امان بحال کرنے کے بعد رحمت اللہ خان اور احمد خان ، شاہینک باشی کی وجہ سے آپس میں لڑ پڑے ان کو باغی گورنر میر ہزار خان اور پنڈت نند رام ٹیکو کے ہمراہ دربار میں بلا لیا گیا پنڈت مذکور کی استعداد اور غیر معمولی انتظامی صلاحیتوں کو کابل میں جلد ہی تسلیم کر لیا گیا چنانچہ وزیر وفادار خان نے اسے دیوان مقرر کر لیا اور بعد ازاں زمان شاہ نے اسے اپنا وزیر بنا لیا۔

اس عرصہ میں کشمیر پر کفایت اللہ خان حکومت کرتا رہا۔ وہ ایک خدا ترس اور فیاض آدمی تھا۔ مگر اسے تین ماہ کے بعد ہی واپس بلا لیا گیا اور مرزا بدرالدین گورنر کی حیثیت سے کام کرنے لگا۔ اس کے عہد میں شیعہ سُنّی تعلقات ایک بار پھر کشیدہ ہو گئے۔ بات یہ ہوئی کہ آغا رحیم نے جو سرینگر میں بڑا تاجر تھا۔ ایک سُنّی سردار خواجہ عیسیٰ کو جان سے مار دیا تاکہ وہ ایک شیعہ مرزا تقی کے قتل کا بدلہ لے سکے۔ اگرچہ یہ ایک ذاتی نوعیت کا معاملہ تھا پھر بھی اس نے سُنیوں کو ایسا بھڑکا دیا کہ انہوں نے آغا رحیم کے مکان کو نذر آتش کر دیا۔ پھر انہوں نے شیعوں پر مظالم ڈھانا شروع کر دیئے۔ دونوں فرقوں کے درمیان اس وقت تک صلح صفائی نہ ہوئی جب تک کفایت اللہ خان نے مستقل طور پر حکومت اپنے ہاتھ میں نہ لے لی۔ کابل سے اس کے لوٹتے ہی بمبوں نے ایک مرتبہ پھر بارہ مولہ میں گڑبڑ پھیلا دی۔ وہ مرزا بدرالدین کی ترغیب پر لوگوں کو قتل کرتے اور انہیں لوٹتے رہے۔ کفایت اللہ خان ایک سال تک ان کے خلاف لڑتا رہا لیکن بے سود آخر اسے برطرف کر دیا گیا اور زمان شاہ نے اس کی جگہ ارسلان خان کو حکومت سونپ دی۔ ارسلان خان نے محمد خان جوان شیر کو اپنا ڈپٹی گورنر تعینات کیا تاکہ وہ اس کی طرف سے کشمیر پر حکومت کر سکے۔

محمد خان جوان شیر (۹۶-۱۷۹۵ء)

برطرفی کے بعد بھی کفایت اللہ خان نے سری نگر میں ہی رہائش رکھی اگر اسے کھلی چھٹی دے دی جاتی تو وہ تازہ گڑبڑ کا سبب بن سکتا تھا لہذا ملک کی سلامتی کے پیش نظر محمد خان جوان شیر نے اسے نظر بند کر دیا اور پھر کابل بھیج دیا۔ لیکن اس سے مشکلات میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ ملٹری کے سینئر کمانڈروں میاں بلوچ اور خداداد خان نے انقلاب لانے کے بعد گورنر کو گرفتار کر لیا اور پھر خود مختارانہ طور پر حکومت کرنے لگے۔ یہ خبر ملتے ہی زمان شاہ نے شیر محمد خان مختار الدولہ کو، جمعہ خان کے بیٹے عبداللہ الکوزائی کے ہمراہ بھاری فوج دے کر روانہ کیا تاکہ باغی حکومت کا تختہ الٹ کر امن بحال کیا جائے اس میں وہ کامیاب ہوئے اور عبداللہ خان الکوزائی نے ۱۷۹۶ء میں زمام حکومت ہاتھ میں لے لی۔

عبداللہ خان الکوزائی (بار اوّل) (۱۸۰۰-۱۷۹۶ء)

اپنی طرف سے اس نے حکومت اپنے بھائی رحمت اللہ خان کے سپرد کر دی اور پنڈت سہز رام سپرو کو ریونیو کلیکٹر تعینات کر دیا اور خود وہ شیر محمد خان مختار الدولہ کے ہمراہ کابل چلا گیا۔ اس کی غیر حاضری میں بمبہ لوگ ایک بار پھر بارہ مولہ میں گھس آئے اور حسبِ معمول آتش زنی، قتل اور لوٹ مار کی واردا تیں کرنے لگے۔ کشمیر فوج نے ان کا زبردست مقابلہ کیا اور فریقین کا بھاری جانی نقصان ہوا۔ اس پر زمان شاہ نے عبداللہ خان الکوزائی کو ۱۷۹۸ء میں کشمیر بھیجا تاکہ وہ نظم و نسق بحال کر سکے۔ لیکن عبداللہ خان الکوزائی نے غلط پالیسی اپنائی تقریباً سبھی تجربہ کار افسروں کو برطرف کر دیا اور اکثر کو تو ملک ہی سے نکال باہر کیا۔ ان کی جگہ معمولی استعداد کے لوگوں کو خاص طور سے ہندوستانیوں کو تعینات کیا گیا جو اس کے بڑے حامی بن گئے۔ تب اس نے بیس ہزار کشمیریوں کی ریزرو بٹالین تشکیل دی اور ان کی مدد سے سرداران راجوری و مظفرآباد کو مطیع بنا کر ان سے خراج وصول کیا اس کے بعد وہ عوامی طبقوں کی خوشحالی اور بہتری میں دلچسپی لینے لگا۔ وہ ان سے ہمدردی کا برتاؤ کرتا اور سب کے ساتھ ایک جیسا انصاف کرتا۔

عطا محمد خان الکوزائی (۱۸۰۰-۰۵ء)

۱۸۰۰ء میں عبداللہ خان الکوزائی پنڈت نند رام ٹیکو کے بھائی پنڈت ہرداس ٹیکو سے جو اُن دنوں وزیر وفادار خان کا دیوان تھا۔ جھگڑ پڑا۔ ہرداس کی ڈیوٹی یہ تھی کہ وہ خزانہ جمع کرے اور پھر اسے براہ راست کابل بھیج دے۔ الکوزائی ہرداس سے حقارت آمیز سلوک کرتا۔ چنانچہ وزیر وفادار خان اور بادشاہ زمان شاہ دونوں نے اس سلوک بد کے لیے اسے تنبیہہ کی اور اسے دربار میں بلوا لیا گیا۔ وہ قلمدان حکومت اپنے بھائی عطا محمد خان الکوزائی کے حوالے کر کے کشمیر سے چل پڑا۔ کابل میں اسے قلعہ بالا حصار میں نظر بند کر دیا گیا۔ اِسی اثنا میں وزیر وفادار خان نے اپنے تیسرے بھائی وکیل خان کو جو سرینگر میں تھا۔ گورنر نامزد کر دیا اور ملا احمد خان کو بھاری فوج دے کر روانہ کر دیا تاکہ وہ اس کی مدد کرے۔ بگر عطا محمد

خان الکوزائی نے وکیل خان مذکور کو قتل کروا دیا۔ ملّا احمد خان ابھی سرینگر جانے کے لیے مظفر آباد ہی پہنچا تھا کہ عطا محمد خان ایک بڑی فوج کے ہمراہ ملّا احمد خان کا مقابلہ کرنے کے لیے مظفر آباد کی طرف نکل کھڑا ہوا۔ دونوں فوجوں میں کئی معرکے ہوتے یہاں تک کہ ملّا احمد خان کو بُری طرح مارا پیٹا گیا اور وہ کھکھہ سردار فتح محمّد کے ہاتھ میں اسیر ہو گیا۔ پھر اسے عطا محمد خان الکوزائی کے سپرد کر دیا گیا۔ ادھر کابلی دستے جو راستے میں تھے یہ سُنکر واپس چلے گئے۔

اب عطا محمد خان الکوزائی سرینگر میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوا۔ اور اس نے فوراً پنڈت ہرداس ٹیکو کو گرفتار کر لیا۔ کیونکہ وہ برادر کشی کا اصل سبب اسی کو گردانتا تھا۔ لیکن جب عطا محمد خان الکوزائی حکومت کرنے لگا تو ریاست کشمیر اور ...... بدبختی کا شکار ہو گئی۔ اس نے کابل کی سیاسی اور فرقہ دارانہ ابتری و بربادی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ کشمیر میں اس نے افراتفری کو عروج پر پہنچا دیا۔ پھر ۱۸۰۴ء میں ایک خوفناک زلزلہ رونما ہوا اور کئی مکانات ڈھے گئے۔ پھر کئی دنوں تک لگاتار مینہ برستا رہا۔ جس سے وادی سیلاب میں غرق ہو گئی۔ اور کھڑی فصلیں تباہ ہو گئیں۔ شالی جو یہاں کے باشندوں کی خاص فصل ہے بالکل ہی نایاب ہو گئی۔ ۱۸۰۵ء میں شدت سرما کے باعث تمام جھیلیں اور ندیاں منجمد ہو گئیں۔ یہاں تک کہ لوگ بھاری بوجھ اٹھا کر دریائے جہلم کے پانی پر آزادی سے چلتے پھرتے۔

مگر عوام کے مصائب کا نقطۂ عروج وہ تھا جب عطا محمد خان الکوزائی کے دماغی اور جسمانی رجحانات میں دفعتاً تبدیلی آگئی۔ اسے دماغ کا عارضہ لاحق ہو گیا جس نے اس کو درندہ بنا دیا۔ وہ شریف خاندانوں کی لڑکیوں بلکہ ہر حسین لڑکی کو اپنے شہوانی جنون کی تسکین کے لیے تکلیف و ایذا پہنچاتا۔ اکثر والدین اپنی بیٹیوں کے سر منڈوانے پر مجبور ہو گئے۔ تاکہ ان کو چھیڑ چھاڑ اور توہین سے بچایا جاتے (۱)

عبداللہ الکوزائی (بار دوم) (۱۸۰۵ - ۰۶ء)

۱۸۰۱ء میں زمان شاہ کی حکومت

۱۔ لارنس۔ دی ویلی آف کشمیر ص ۱۹۸۔

کا۔ اس کے بھائی محمود شاہ نے تختہ الٹ دیا اور اسے اندھا کروا دیا۔ اس واقعہ سے سارا افغانستان افراتفری سے دوچار ہو گیا۔ ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عبداللہ خان الکوزائی نے جو قلعہ بالا حصار میں نظر بند تھا۔ جیل کے پاسبان جان نزار خان کے ذریعے رہائی حاصل کرنے کا انتظام کر لیا اور پھر اسی محسن کیساتھ سرینگر چلا گیا۔ یہاں اس نے جان نزار خان کے ساتھ غیر معمولی فیاضی کا سلوک کیا اور اسے ایک لاکھ روپیہ کی تھیلی پیش کی۔ اس کے بعد اس نے ۱۸۰۵ء میں کشمیر کے آزاد و خود مختار حکمران ہونے کا دعویٰ کر دیا۔

اس زمانے میں کابل ایک بار پھر۔۔۔۔۔ ہیجان سے گزر رہا تھا۔ محمود شاہ کو زمان شاہ نے برطرف کیا تھا۔ اور پھر وہ خود شاہ شجاع کے ذریعے برطرف کیا گیا تھا۔ ۱۸۰۵ء میں شاہ شجاع نے پشاور پر قبضہ کیا۔ یہاں سے اس نے شیر محمد خان فخر الدولہ کو بھاری فوج دے کر کشمیر کے باغی حکمران عبداللہ خان الکوزائی کے خلاف بھیجا۔ شیر محمد خان بڑا سمجھدار سیاست دان، اور بہترین فوجی حکمت عملی کا ماہر تھا۔ مظفر آباد پہنچکر اس نے ڈپلومیسی کو جنگ پر ترجیح دی۔ اس نے اپنا معتمد علیہ افسر ابراہیم خان پہلے ہی سرینگر روانہ کر دیا تھا تاکہ وہ عبداللہ خان الکوزائی کے رد عمل سے متعلق رپورٹ کرے۔ اور اگر ممکن ہو تو اس کی باغیانہ روش میں تبدیلی لائے۔ ابراہیم خان مایوس ہو کر واپس آگیا۔ اس مدت میں عبداللہ خان الکوزائی عوام پر ظلم و ستم کرتا رہا۔ اب شیر محمد خان نے جنگ کو ہی واحد علاج سمجھا۔ لڑائی میں اس نے عبداللہ خان الکوزائی کو زبردست شکست دی اور اسے سوپور واپس چلے جانے پر مجبور کر دیا۔ جہاں اسے دوبارہ شکست ہوئی، اور اس کے بیشمار آدمی دریائے جہلم میں غرق ہو گئے۔ اس کے بعد وہ بیرو قلعہ میں محصور ہو گیا۔ ادھر شیر محمد خان سرینگر میں ۲۶ فروری ۱۸۰۶ء کو فاتحانہ انداز میں داخل ہوا۔ عبداللہ خان الکوزائی کو گھیرے میں لے لیا گیا۔ اور وہ ۳ جون ۱۸۰۶ء کو مایوسی و دل شکستگی کے عالم میں فوت ہو گیا۔ الکوزائی برادران کی حکومت گیارہ سال چھ ماہ رہی۔ عبداللہ خان الکوزائی بڑے دم خم کا آدمی تھا۔ اس نے کوشش کی کہ اس کے عہد میں کشمیر اندرونی طور پر پر امن اور بیرونی لحاظ سے مضبوط ہو۔ عدل و انصاف سے محبت اور اس کے نفاذ کے لیے اس کی استعداد۔ اس کی دلیری۔ اس کی خوش اخلاقی اور اس کی شاہانہ فیاضی کی تعریف کی جاتی تھی۔ وہ علم اور شاعری کا بہت بڑا سرپرست تھا۔

مگر اس کے شریر، وحشی، اور ڈکیٹر بھائی عطا محمد خان الکوزائی نے اس کے راستہ میں کانٹے بچھا دیئے کشمیریوں کے دل زخمی کیے اور ان کے روائتی دوستانہ جذبات کو مجروح کر دیا۔

عطا محمد خان بارکزائی (۱۳-۱۸۰۶ء)

عبداللہ خان الکوزائی پر واضح فتح پانے کے بعد شیر محمد خان مختار الدولہ نے حکومت کی باگ ڈور اپنے بیٹے عطا محمد خان بارکزائی کو دے دی۔ اور خود کوئی پانچ ماہ کے بعد کابل لوٹ گیا۔

شیر محمد خان مختار الدولہ ایک عالم دفیاض اور سخت گیر حکمران تھا۔ شاہ شجاع نے اسے برطرف کرکے زبردست غلطی کی تھی۔ اس واقعہ نے موقعہ دیا اور زمان شاہ کا بیٹا شاہزادہ قیصر کابل میں مدعی تخت وتاج بن گیا۔ اسی زمانہ میں پشاور کو فتح کیا گیا۔ چنانچہ شاہ شجاع فوج لے کر پشاور کی طرف بڑھنے پر مجبور ہوگیا۔ یہاں شدید لڑائی ہوئی۔ اور شیر محمد خان مختار الدولہ اور بعض دوسرے لوگ قتل کر دیئے گئے اور شاہ شجاع فتح یاب ہوا۔

جوں ہی کشمیر کے گورنر عطا محمد خان بارکزائی نے اپنے والد کی موت کی اطلاع پائی۔ اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ شاہ شجاع نے طیش میں آکر محمد اکرم خان اور میر افضل خان کو معقول اور کافی فوج دیکر اس کے خلاف بھیجا۔ چنانچہ ان کو ۱۸۰۹ء میں شکست ہوئی۔

جب کابل میں حالات بدلے تو ۱۸۰۱ء میں فتح محمد خان بارکزائی نے فوج جمع کی اور ایک بار پھر محمود شاہ کو شاہ شجاع کے مقابلہ میں لاکھڑا کر دیا۔ مگر اب بھی اسے شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ پھر پشاور پر حملہ کیا گیا۔ اب واقعات ڈرامائی طور پر شاہ شجاع کے خلاف رونما ہونے لگے۔ اس نے اپنے آپ کو یکہ وتنہا پایا اور تخت کی بازیابی کی اسے کوئی امید نہ رہی۔ مایوس و وحشت زدہ ہو کر اس نے مہاراجہ رنجیت سنگھ سے تلمبہ، (ملتان) میں پناہ حاصل کرلی۔

ادھر کشمیر کے گورنر عطا محمد خان بارکزائی کو یہ حالات معلوم ہوئے۔ تو اس نے اپنے والد کی برطرفی اور قتل کا بدلہ لینے اور ساتھ ہی مہاراجہ کی سیاسی فتح کو روکنے کا یہ عمدہ و مناسب موقع جانا۔ بنا بریں اس

نے شاہ شجاع کو دھوکا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے ایک با اعتماد وفد شاہ شجاع کے پاس بھیجا، دیوان نند رام ٹیکو جو سیاسی ہوشیاری اور شاہ شجاع سے وفاداری کے لیے مشہور تھا اور شاہ شجاع کا اپنا بھائی جہانداد خان اس وفد میں شامل تھے۔ انہوں نے درخواست کی کہ وہ کشمیر واپس آ جائے۔ یہاں اس وقت تک اُسے بادشاہ تسلیم کیا جاتا رہے گا۔ جب تک کابل میں حالات سازگار رہیں گے۔ نیز یہ کہ وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی پناہ حاصل کرنے کا ارادہ ترک کر دے۔ ظاہر ہے کہ ایک جانے پہچانے افغان کی پناہ ایک اجنبی اور طاقت ور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مہاراجہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کی پناہ سے بدرجہ رہا محفوظ و بے خطر تھی۔ شاہ شجاع نے دعوت قبول کر لی وہ حسن خان اور ملا ہدایت اللہ کے ہمراہ ۲۷ ستمبر ۱۸۱۳ء کو کشمیر میں داخل ہوا۔ جہاں اس نے اپنے آپ کو گرفتار دام پایا۔ البتہ اس کے ساتھ شاہی قیدی کا سا سلوک کیا گیا۔ اور قلعہ ہری پربت میں رکھا گیا۔

عطا محمد خان بارکزائی نے ۲۸ ستمبر ۱۸۰۶ء کو زمام حکومت سنبھالی اور پنڈت سہزرام سپرو کو اپنا دیوان مقرر کیا۔ اپنے والد کی طرح عطا محمد خان بھی منصف و فیاض حکمران تھا۔ وہ سادہ و بے تکلف زندگی بسر کرتا۔ اہم دیوانی و فوجداری مقدمات کے فیصلے اپنی موجودگی میں کرواتا۔ قابلیت کی قدر کرتا۔ اور تحصیل علوم کے لیے حوصلہ افزائی کرتا۔ اس نے ملک کے زرعی اور اقتصادی وسائل کی ترقی میں اپنی توجہ اور طاقت مرکوز کر دی تھی۔ اس نے باشندوں کو اندرونی و بیرونی طور پر امن و خوشحالی دی۔ حقیقت یہ ہے کہ مختصر عرصہ میں وہ قوم کو دگنی آمدنی دینے کے قابل ہو گیا۔

تاہم عطا محمد بارکزائی کی توجہ قدرتی طور پر سرحدات کی سلامتی و تحفظ کی طرف زیادہ رہی کیونکہ وہ سرحدوں کے سرداروں اور کابل و لاہور کی جانب سے کسی بھی وقت حملے کا خطرہ محسوس کرتا ۔ ۔ ۔ ۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہترین فوجی حکمت عملی کا مالک، ماہر حرب اور دانا سیاست دان تھا۔

وہ چند ایسے فرماں روایانِ کشمیر میں سے ایک ہے جس کو وادی کے جغرافیائی نقشہ پر خاص طور پر اس کے اہم مقامات پر پوری پوری گرفت حاصل تھی۔ اس نے ملٹری کو ضرر ناپذیر بنانے کے لیے اقدام کیے وہ فوج کو تیر و تفنگ سے لیس کرنے کے لیے معقول رقم خرچ کرتا۔ ۱۸۱۰ میں اس نے ہری پربت پہاڑی کی چوٹی پر ایک وسیع و مضبوط قلعہ تعمیر کروایا جس کے بلند اور وسیع برجوں کو فصیلیں سہارا دے رہی تھیں۔

قلعہ کے اندر بیرکیں بنوائیں جہاں کئی ہزار فوجی دستے اور ان کا سامان سما سکتا تھا۔ قلعہ کے وسط میں ایک تالاب بھی تعمیر کروایا گیا۔ تاکہ اس میں استعمال کے پانی کا ذخیرہ کیا جائے۔ سوپور اور بارہ مولہ میں بھی قلعے تعمیر کروائے گئے۔ اور بارہ مولہ میں مضبوط پل بنوایا۔ جو ملٹری کے استعمال کے لیے کافی تھا۔ پھر اس نے بڑی تعداد میں اسلحہ رکھنے کے لیے فوجی اہمیت کے مراکز . . . . گودام تعمیر کروائے۔

اندرونی طور پہ اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے بعد اس نے اپنے بھائی کو مضبوط فوج دے کر اٹک بھیجا تاکہ سیاسی حریف فتح محمد خان کو دریا کے کنارے پر روک دیا جائے۔ فتح محمد خان ۹ اجولائی ۱۸۱۴ء کو کابل و کشمیر کو زیر کرنے کے بعد اٹک میں آن پہنچا۔ اپنے آپ کو مزید طاقتور بنانے کی غرض سے فتح محمد خان آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ کے عوض فوجی امداد حاصل کرنے کے لیے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس جا پہنچا۔ مہاراجہ نے شرط مان لی اور محکم چند کو جو اس کا ایک دلیر و شجاع جرنیل تھا۔ دس ہزار کی مضبوط سوار و پیادہ فوج کے ہمراہ اس کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ جب فتح محمد خان اور محکم چند کے مشترک فوجی دستے گجرات بھمبر کی مغل شاہراہ سے بڑھتے ہوئے درّہ توسہ میدان سے ہو کر کشمیر کے شہر ہیرپور میں داخل ہوئے۔ تو انہوں نے عطا محمد خان کی کشمیری فوج کو لڑائی کے لیے پوری طرح تیار پایا۔ دونوں فوجیں بد دلی سے لڑتی رہیں۔ مگر عطا محمد خان کی فوج کے بعض آدمیوں نے پیٹھ دکھائی جس کی وجہ سے اس کی افواج میں کھلبلی مچ گئی۔ چنانچہ اس کو شکست ہوئی۔ اور وہ دُم دبا کر سرینگر چلا گیا۔ یہاں اس نے شاہ شجاع کو رہا کر دیا۔ اور اس کو بادشاہ بنانے کا اعلان کر دیا۔ مگر شاہ شجاع فوجوں کے حوصلے بلند نہ کر سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مایوسی ان کے کمانڈروں پر غالب آگئی۔ اور وہ بھاگ کر یکے بعد دیگرے دشمن کی فوج میں جا شامل ہوئے۔ آنے والے خطرات کے پیش نظر عطا محمد خان اور شاہ شجاع دونوں نے جو اس وقت سرینگر کے شیر گڑھی قلعہ میں در لبت بیٹھے تھے۔ یہ فیصلہ کیا کہ فتح محمد خان کو جھانسہ دینے کی غرض سے جرنیل محکم چند کو بھڑکایا جائے۔ شاہ شجاع نے وعدہ کیا کہ اگر اس کو فتح محمد خان کے ہاتھ لگنے سے بچا لیا جائے تو وہ مشہور عالم ہیرا کوہ نور مہاراجہ رنجیت سنگھ کو پیش کر دے گا اسی شرط پر عطا محمد خان نے اٹک کا قلعہ مہاراجہ کے سپرد کرنے کا وعدہ کرا رسنا محکم چند نے ان شرائط کو فوراً قبول

کر لیا۔ اس نے شیر گڑھی قلعہ کا محاصرہ اٹھا لیا۔ اور عطا محمد خان اور شاہ شجاع اپنے کیمپ میں چلے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ فتح محمد خان بے حد مایوس تھا۔ مگر عقل و شعور کو ہی بہادری جان کر مطیع ہو گیا۔ اور پھر خود عطا محمد خان کے ساتھ صلح کر لی اور اس کے نذرانے قبول کر لیے۔ عطا محمد خان اور شاہ شجاع دونوں محکم چند کی حفاظت میں کشمیر سے نکل گئے۔ جرنیل محکم چند نے فتح محمد خان سے آٹھ لاکھ روپیہ کی پہلی قسط وصول کر لی۔ عطا محمد خان نے چھ سال تک حکومت کی۔

فتح محمدؔ خان اور سردار محمد اعظم خان

(۱۹ ——— ۱۸۱۳ء)

فتح محمدؔ خان نے کشمیر کی حکومت ۱۸۱۳ء میں ہاتھ میں لی اور وہ امن و امان بحال کرنے میں مصروف ہو گیا۔ وہ یہاں تین ماہ کے لیے ٹھہرا رہا اور پھر دیوان نندرام ٹیکو کے ہمراہ کابل چلا گیا۔ ملک کی باگ ڈور اس نے اپنے بھائی سردار محمد اعظم خان کے سپرد کر دی۔ قلعہ اٹک کو مہاراجہ رنجیت سنگھ سے واپس لینے کی کوشش کی گئی مگر ناکام ہو کر اسے مجبوراً کابل لوٹ جانا پڑا۔ ۱۸۱۳ء میں ڈپٹی گورنر سردار محمد اعظم خان نے پنڈت سہج رام سپرو کو اپنا دیوان اور دیوان نندرام ٹیکو کے بھائی پنڈت ہرداس کو چیف سیکرٹری تعینات کیا۔ اس کی حکومت بڑی جابرانہ تھی۔

اس عرصہ میں ایک تو مہاراجہ رنجیت سنگھ کو کشمیر کے گورنر سے آٹھ لاکھ روپیہ کے خراج کی دوسری قسط نہ ملی اور دوسرے فتح محمد خان نے قلعہ اٹک پر مہاراجہ کے قبضہ پر اعتراض کر دیا۔ یہ بات مہاراجہ کے دل میں کانٹا بن کر کھٹکتی رہی اور پھر وہ ایسا آگ بگولا ہو گیا کہ ۱۸۱۴ء میں جرنیل دل سنگھ کو بھاری فوج دیکر تسخیر کشمیر کے لیے روانہ کر دیا۔ اس نے یہ افواج پونچھ کے راستے روانہ کیں اور خود وہاں بیٹھ کر حالات کا جائزہ لیتا رہا۔

سکھ آرمی نے سلسلہ کوہ پیر پنجال میں واقع درّہ بہرام گلہ سے وادی میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ وہ ہیرپور کی طرف بڑھے۔ جہاں ان کو پتہ چلا کہ پٹھان اور کشمیری فوجیں بڑی تعداد میں جمع ہیں مگر

سکھوں نے موسم کی اچانک تبدیلی سے متعلق خاص طور سے موسم بہار میں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ احتیاطی تدابیر اختیار نہ کیں وہ ہلکے پھلکے کپڑوں میں ملبوس تھے اچانک ہمہ کا طوفان آگیا۔ جس نے انہیں ٹھنڈا کر دیا اور ان کا گولہ بارود ناقابل استعمال ہوگیا۔ ان کا ساز و سامان بہہ گیا اور وہ تین ہزار کشمیری فوج کے قابو میں آگئے۔ جن کی کمان بابا خان کے ہاتھ میں تھی۔

کوئی تین ہزار سکھ سپاہی موقع پر ہی ہلاک کر دیئے گئے۔ اور بقیہ سکھ فوج منتقل ہو کر ایک محفوظ مقام پر چلی گئی موسم ٹھیک ہونے کی امید میں انہوں نے تیزی سے ایک اور جنگ کی تیاری کی جس میں آٹھ دن لگ گئے وہ لڑے تو سہی مگر دوبارہ شکست سے دوچار ہوئے اور پھر بالکل ہی بھاگ گئے۔ اور اعظم خان دارالحکومت میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوا۔

اعظم خان اور پنڈت

اب اعظم خان نے بڑی سنجیدگی سے مستقبل کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سکھ آرمی کے ایک اور مگر زبردست حملے کو خارج از امکان قرار نہیں دے سکتا تھا۔ اسی طرح وہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کشمیری پنڈتوں کی وفاداری کو مشکوک سمجھنے میں بھی حق بجانب تھا۔ کیونکہ نندرام ٹیکو جو ابھی تک کابل میں تھا اس کا تختہ الٹنے کے منصوبے بنا رہا تھا اور اس سلسلے میں وہ کابل میں پٹھان سرداروں کے ساتھ بات چیت کا آغاز کر چکا تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ اپنی قلمرو کی سرحدات کو شمال مشرق اور شمال مغرب میں بشمول کشمیر وسعت دینے کے لیے بیقرار تھا کیونکہ ستلج کے دوسری طرف تک کی وسعت جو برطانوی اثر میں تھی، خطرناک نتائج پیدا کر سکتی تھی۔ کشمیر میں ہندوؤں کے واسطے ان کی نجات کے لیے یہ اچھا موقعہ تھا وہ اپنے ملک پر سکھوں کے قبضے کو آسان بنانے کی مقدور بھر کوشش کر سکتے تھے۔ اندریں حالات اعظم خان نے پنڈتوں کو سزا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ پہلا آدمی دیوان نندرام ٹیکو کا بھائی ہرداس ٹیکو تھا جس کو اس نے مار پیٹا۔ تاہم اس کے لیے پنڈت افسروں کے بغیر حکومت چلانا ناممکن تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر اعظم خان اور کشمیری آبادی کے خلاف تھی۔ اولاً چھ سال تک خلافِ معمول موسم متواتر طور سے تبدیل ہوتا رہا۔ شالی کی فصل پک نہیں سکتی تھی۔ اس وجہ سے غذائی اجناس نایاب ہو گئیں۔ اور ایک خروار کی قیمت پندرہ روپے ہو گئی۔ قحط کا بدترین سال ۱۸۱۳ء کا تھا۔

اپنی حکومت کے آخری برسوں میں اعظم خان نے تین پنڈت سرداروں کی تقرریاں کیں۔ بیربل دھر مرزا پنڈت دھر اور سکھ رام کو ریونیو کے کلیکٹر مقرر کیا گیا۔ چھ سال تک موسم کی مسلسل خرابی کی وجہ سے ایک لاکھ روپیہ کی رقم پنڈت بیربل دھر کے نام بقایا رہی تاہم گورنر نے اس کے خلاف شدید طریقے اپنائے۔ اس سے بدسلوکی کی، سزا دی اور پھر اپنے سپاہی اس کے گھر کی تلاشی کے لیے بھیجے۔ پنڈت نے واضح طور پر اعتراف کر لیا کہ اس کو قدرتی قحطوں کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ پھر سکھوں کیساتھ مل کر منصوبہ بنانے کے لیے اس پر شک کیا گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اعظم خان کے ظلم وستم اور اس کی سختی نے اسے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا اور وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے سامنے اہالیان کشمیر کیطرف سے عموماً اور ہندوؤں کی طرف سے خصوصاً اعظم خان کی جابرانہ حکومت کے خلاف سائل کی حیثیت سے پیش ہوا۔

بیربل دھر کی مہمیں

یہاں اس پنڈت کی مہموں کا حال بیان کرنا دلچسپ رہے گا جب اسے یقین ہو گیا کہ اعظم خان اسے پوری طرح تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے تو وہ رات کو اپنے گھر سے بھاگ نکلا۔ اپنی بیوی اور بہو کو ایک مسلمان گوجر قدوس کی حفاظت میں دے دیا جس نے ان کو کھرلی میں چھپا دیا وہ گلگام کے مقام دیوہ سر میں پہنچ گیا۔ جہاں اس کا بیٹا راج کاک دھر تحصیلدار تھا۔ یہاں مسلمان ملکوں نے جموں تک کے طویل اور خطرناک سفر کے وسائل مہیا کر دیئے۔ یہ ملک بانہال کے پہاڑوں سے باہر جانے والے اہم دروں کے محافظ و نگہبان تھے۔ اپنے بیٹے راج کاک دھر اور ملکوں کی طرف سے فراہم کیے گئے حفاظتی دستہ کے ہمراہ پنڈت بیربل دھر نے کٹھن سفر اس تمنا کے ساتھ شروع کیا کہ وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو آمادہ کرے

گا کہ کشمیریوں کو ظالم و جابر پٹھانوں سے نجات دلائی جائے۔ ایک جان بازو مہم جو ہونے کے علاوہ بیربل دھر زبردست سیاست دان بھی معلوم ہوتا ہے۔ الیقین ہے کہ جموں کے راجہ گلاب سنگھ سے اس سے پہلے ہی تعلقات برقرار کر رکھے تھے اور اسے اعتماد میں لے لیا تھا۔ راجہ نے اس کی سکیم میں گہری دلچسپی لی اور اسے کامیابی کی امید دلائی کیونکہ گلاب سنگھ کا بھائی راجہ دھیان سنگھ ان دنوں مہاراجہ رنجیت سنگھ کا وزیر اعظم تھا۔ اس نے دھیان سنگھ کے نام ایک تعارفی خط دیا اور لاہور تک کے سفر کی تمام سہولتیں بہم پہنچائیں۔ سو اس طرح پنڈت بیربل دھر رنجیت سنگھ کے پاس پہنچ گیا۔

اپنا سنگین و خطرناک سیاسی مشن سرانجام دیتے ہوئے بیربل دھر اس عذاب کو خارج از مکان قرار نہیں دے سکتا تھا جو اعظم خان کے ہاتھوں اس کے رشتہ داروں، اور دوستوں، خاص طور سے اس کی بیوی اور بہو پر نازل ہونے والا تھا۔

اعظم خان کا بے رحمانہ سلوک

جو کچھ اس کی غیر حاضری میں سرینگر میں رونما ہوا وہ اگرچہ بڑا المناک ہے تاہم بڑی سیاسی اہمیت کا حامل بھی ہے۔ جب اعظم خان بیربل دھر کا کوئی سراغ نکالنے میں ناکام ہو گیا تو قدرتی طور پر اس کے جذبہ انتقام کی کوئی حد نہ رہی مرزا پنڈت کو جس نے بیربل دھر کی ضمانت دی تھی گرفتار کر لیا گیا اور اس سے بیربل دھر کے ٹھکانے سے متعلق استفسار کیا گیا۔ اس نے جواب دیا۔ "وہ کشمیر میں نہیں ہے معلوم ہوتا ہے وہ جان بچا کر چلا گیا ہے وہ اگر زندگی سے مایوس ہو نا اُمید ہے تو اسے ہردوار جانا چاہیئے ورنہ اسے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے سامنے پیش ہونا چاہیئے اور اسے سکھ آرمی کے ہمراہ تمہارے خلاف لانا چاہیئے رہی ضمانت تو میں موجود ہوں تم میری گردن اڑا سکتے ہو"(۱)

بہرحال اعظم خان نے عقل مندی سے کام لیتے ہوئے اس کی جان بخشی تو کر دی، لیکن بیربل دھر کے

۱۔ حسن ص ۵۰۷

اور قدوس گوجر کے خاندان کو خوب نشانۂ انتقام بنایا۔ یہ سب کچھ پنڈت بیربل دھر کے سالے منشی تری لوک چند کی دغابازی کا براہ راست نتیجہ تھا۔ تری لوک چند کا کردار بڑا متضاد تھا۔ اس ۔۔۔۔۔۔ نے بعض وقتی فائدوں کے پیش نظر بیربل دھر کے خاندان کا پتا بنا دیا اور اس کے خطرناک نتائج کی پروا نہ کی۔ نظربندی کے دوران بیربل دھر کی عمر رسیدہ و نحیف بیوی خودکشی کر کے مر گئی۔ بلکہ اس کی نوجوان بہو زندہ رہی اور اسے کابل بھیج دیا گیا۔ پنڈت وسہ کاک دھر کو جو مواصلات و ٹرانسپورٹ کا ڈائریکٹر تھا اور دراصل جس نے ان کی روپوشی کا انتظام کیا تھا، بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ قدوس گوجر اور اس کا خاندان بھی سنگدلی سے تہہ تیغ کر دیا گیا۔ اور اس کی جائداد ضبط کر لی گئی۔

جب اعظم خان کو پتہ چلا کہ بیربل دھر اپنے مشن میں کامیاب ہو گیا ہے تو اس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ سکھوں کے ہاتھوں آنے والی تباہی سے بچنے کی خاطر ۱۸۱۹ء میں وہ فوراً کشمیر سے بھاگ گیا۔ اس نے اپنا خاندان اور ایک کروڑ روپیہ نقد اور سامان پنڈت سہج رام سپرو کے سپرد اور مُلک اپنے بھائی جبار خان کے حوالے کر دیا۔

حالات کی تبدیلی (۱۸۱۹ء)

اب آیئے پنڈت بیربل دھر کے بقیہ حالات پر ایک نظر ڈالیں۔ وہ اسی اثنا میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کو فتح کشمیر پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ مہاراجہ نے کشمیر سے اعظم خان کی غیر حاضری نیز فتح محمد خان بارکزائی کے زوال سے۔ جسے ہرات کے گورنر شاہزادہ کامران نے اندھا کر دیا تھا۔ پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ مہاراجہ نے دیوان مصر چند سردار ہری سنگھ نلوا سردار جوالا سنگھ اور جموں کے راجہ گلاب سنگھ ایسے آزمودہ کار جرنیلوں کو منتخب کیا تاکہ وہ ولی عہد شاہزادہ کھڑک سنگھ کی رفاقت میں تیس ہزار کی مسلح و مضبوط فوج کے ساتھ کشمیر کی فتح اور اس کے الحاق کے لیے اقدام کریں۔ پنڈت بیربل دھر فوج کے ہراول دستہ میں تھا۔ مہاراجہ نے بیربل دھر کے بیٹے پنڈت راج کاک دھر کو لاہور میں ضمانت کے طور پر روک لیا تھا۔ کہ آیا اس کے والد کے ارادے مخلصانہ ہیں یا نہیں۔

سکھ آرمی بھمبر سے راجوری اور پھر تھنہ پوشانہ تک مغل شاہراہ پر سفر کرکے وادی کشمیر میں.....

.....داخل ہوئی۔ ان کا پہلا مقابلہ ہیر پور میں جبار خان کی فوجوں کے ساتھ ہوا، پٹھان فوج کو شکست ہوئی۔ اور اسے پہلے ہی دن شوپیاں تک پیچھے ہٹنا پڑا۔ دوسرا دن فیصلہ کن ثابت ہوا۔ اسے آسانی سے پسپا کر دیا گیا۔ چنانچہ سکھ آرمی نے فتح پائی۔ اور جبار خان بزدل آدمی کی طرح بھاگ کر سرینگر پہنچا۔ جو چیز ملی سمیٹ کر کشمیریوں کو ان کے مقدر کے حوالے کرتے ہوئے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کشمیر سے چلا گیا۔ اس طرح جبار خان کے ساتھ ہی کشمیر میں پٹھان حکومت کا ۱۵ رجون ۱۸۱۹ء کو خاتمہ ہو گیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے جرنیل سرینگر کے شیر گڑھی قلعہ میں داخل ہو گئے۔ جب مہاراجہ کو فتح کی بشارت ملی تو اس نے پنڈت راج کاک دھر کو خلعت عطا کرکے کشمیر لوٹ جانے کی اجازت دے دی۔ کشمیر میں پٹھان اقتدار کے زوال سے .... تاریخ کا نیا باب شروع ہوتا ہے ایک نیا معاشرہ اور نیا نظام وجود میں آیا جو ایک سو اٹھائیس سال تک برقرار رہا۔

بیربل دھر کا رول

سوال یہ ہے کہ پنڈت بیربل دھر کے رول کی تاریخی اہمیت کیا ہے؛ وہ اونچے سماجی اور حکومتی مرتبہ کا کشمیری پنڈت تھا۔ اس نے اعظم خان کے ہاتھوں بڑے دکھ اٹھائے تھے۔ عمر رسیدہ بیوی اور جوان بہو کو بے یار و مددگار چھوڑ کر اسے جلاوطنی پر مجبور کیا گیا۔ جب اسے یہ تک معلوم نہ تھا کہ آیا اس کا مشن کامیاب ہو گا بھی یا نہیں۔ ملک چھوڑنے سے پیشتر جو سلوک اس کے ساتھ کیا گیا۔ اس کا تصور ہی کرکے آدمی لرز اٹھتا ہے۔ اس کے چلے جانے کے بعد اس کی بیوی، بہو، مرزا پنڈت، پنڈت وسہ دھر، مسلمان گوجر قدوس، جس نے اس کی بیوی اور بہو کی .... حفاظت و نگہبانی کی تھی اور کول گام کے ملک جن کی مدد کے بغیر اس کا جموں تک پہنچنا ناممکن تھا اور خدا جانے اور کتنے لوگ اس ڈرامہ میں شریک تھے۔

یہ بات مان لینے میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں کہ مسلم اقتدار کی تقریباً پانچ صدیوں کے دوران

سماجی اقتصادی اور سیاسی طور پر کشمیری پنڈتوں نے ایک کمیونٹی کی حیثیت سے ملک میں ہندوازم کو بلند و برقرار رکھا مگر قابل تعریف کردار ان عالی ظرف اور وسیع مشرب دیسی مسلمانوں کا ہے جو انسانیت کی اعلیٰ ترین مثال اور ملی وحدت و دوستی کے مشعل بردار تھے کیونکہ جان کا خطرہ مول لے کر انہوں نے پنڈتوں کو کچھ متعصب حکمرانوں اور فرقہ وارانہ عناصر کے جفاکش ہاتھوں سے بچا لیا۔

ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ آخری مغلوں کے عہد کے دوران دھلی میں اور نتیجۃً زمان شاہ کی موت کے فوراً بعد کابل میں مرکزی شخصیت کے زوال سے ایک طرف کشمیر و ہند اور دوسری طرف افغانستان و کشمیر کے درمیان وسائل مواصلات و مسافرت متاثر ہو گئے تھے بلکہ خطرناک بن گئے تھے۔ کشمیر کا قدیم ایام سے ہی ضروری اجناس مثلاً نمک، چائے، تنکہ، ادویہ، تیل، کیمیاوی اشیاء لوہا، فولاد گرم مسالہ گندم اور روئی کا انحصار پاکستان پر رہا ہے۔ وسائل آمد و رفت کے تعطل کی وجہ سے کشمیر میں یہ اشیاء اچانک نایاب ہو گئیں۔ کشمیر کا اپنا سامان بھی مثلاً شال، اونی کپڑا، زعفران، لکڑی اور میوہ برآمد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ نتیجۃً شدید اقتصادی بحران اور ذلت آمیز غربت کی صورت میں نکلا خشک سالی اور قحط کے زمانوں میں کشمیر کو گندم اور چاول مہیا کرنے والا بڑا علاقہ پنجاب تھا۔ وہ راستہ بھی بند ہو گیا تو کال اور فاقہ کشی کی انتہا ہو گئی۔ قبائلی جنگ کی وجہ سے افغانستان کی کمزوری بگاڑ اور نااتفاقی کے باعث ۱۸۰۰ء کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ ہی کشمیر کی بقا کے لیے آخری امید رہ گیا تھا۔ پنڈت بیربل دھر نے جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کو مدد کے لیے پکارا تو اس نے کوئی نئی مثال قائم نہیں کی۔ اس کا رول یعقوب صرفی کے رول جیسا ہے جو ایک عظیم رہنما محب وطن، صوفی و عارف انسان دوست اور سیاست دان تھا جب اسے اپنے بدبخت ہم وطنوں کے مصائب نے مجبور کر دیا تو وہ اکبر اعظم کے پاس جا پہنچا اور فتح کشمیر کی درخواست کی۔ کیونکہ چکوں کی حکومت پٹھانوں کی حکومت کی طرح بڑی ظالمانہ و جابرانہ تھی۔ معاشی، اقتصادی اور ثقافتی طور پر ملک کی تباہی اور خصوصاً ۱۸۱۹ء-۱۷۵۳ء کے درمیان ہونے والے واقعات کے پیش نظر حکومت کی تبدیلی ضروری و ناگزیر ہو گئی تھی اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ہاتھوں کشمیر پر قبضہ لازمی ہو گیا تھا۔ سکھ حکومت کے قیام کے بعد خطۂ کشمیر

دنیا سے الگ تھلگ نہ رہا اس کے سماجی اقتصادی اور انتظامی روپ میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قدامت پسند ہی سہی مگر ایک مضبوط مرکزی حکومت کے قیام سے تبدیلی ضرور واقع ہوئی۔ اس سے قبل کے مقامی متعصبانہ رجحانات کو جنہیں آئے دن بدخواہ اور تباہ کار لیڈر بھڑکاتے رہتے اور کھکھ اور بمبہ اور گوجر قبائل کی بیرونی جارحیت کو جو آبادی کے امن و خوشحالی کے لیے سنگین خطرہ تھی ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے دفنا دیا گیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ کسانوں کو جو آبادی کے ۹۵ فیصد سے بھی زیادہ تھے آرام نصیب ہوا۔ اب وہ ایسی بھیڑ طنہیں تھے جن کی اون کتر لی گئی ہو۔ ویسے تو کشمیر میں تمام طبقات کو سکون ملا ہوگا۔ مگر اصل آرام و سکون تو کسانوں کو نصیب ہوا جن کو کابل کے غارت گر سردار لوٹ لیا کرتے تھے (۱)

۱: لارنس ص ۹۹-۱۹۸

باب دوازدھم

ریاست اور معاشرہ

ریاست اور معاشرہ کی صحیح تعریف کے لیے دراصل پانصد سالہ مسلم عہد حکومت کے دوران کشمیری عوام کے جذبات و احساسات نیز کامیابیوں اور ناکامیوں کے پورے سلسلے کو نیز بعض قدرتی اسباب کو پیش نظر رکھنا ہوگا کیونکہ...... یہی اسباب نقطہ نظر کا مجموعی ماحول بناتے ہیں۔

کشمیر کی قدرتی حیثیت بنیادی اہمیت کی حامل ہے، اونچے پہاڑوں سے گھری ہوئی کشمیر جسے سال کے اکثر مہینے برف سے ڈھک رکھتے ہیں دنیا کی حسین وادیوں میں سے ایک ہے صدیوں تک یہ قدرتی رکاوٹیں اسے بیرونی جارحیت سے محفوظ رکھتی رہی ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہی رکاوٹیں سنگین نتائج و عواقب کی ذمہ دار بھی رہی ہیں۔ یہ مواصلات اور ٹرانسپورٹ کی پرسکون و باقاعدہ روانی میں رکاوٹ بنتی رہی ہیں عوام الگ تھلگ رہے۔ وہ اپنی ہی دنیا میں مگن اور یہ سمجھتے رہے کہ پہاڑوں کے اُس طرف کچھ بھی نہیں۔ ان کی نظر محدود اور ان کی زندگی افسردہ و بے جان رہی۔ ان کے خیالات، روایات اور عقائد، ان کے عمل و آرزو پر غلبہ کیے رہے وہ قدامت پسند و روایت پرست اور تبدیلی کے دشمن رہے۔ وہ شفیق و ہمدرد بادشاہوں کے جاں نثار رہے اور ظالم و جفا کار حکمرانوں سے متنفر و بیزار۔ شدید سردی کے مہینوں کے دوران افرادی قوت کا ایک حصہ ہی گھریلو صنعتوں میں مصروف رہتا۔ جنوبی علاقوں میں امن کے زمانے میں جسمانی لحاظ سے مضبوط لوگوں کی اکثریت، پنجاب اور اس سے آگے کی طرف مہاجرت کر جاتی تاکہ وہ سردی کی شدت سے محفوظ رہیں اور ضروریات زندگی بھی مہیا ہو سکیں۔ ان

لوگوں میں مزدور، آرہ کش، لباسطی، تاجر، زائر، صوفی اور عالم ہوتے، کبھی کبھی ہلاکت خیز کال، وبائی امراض اور جابر حکمران بھی مجبور کر دیتے کہ لوگ مہاجرت کر جائیں۔ اس عہد میں وہ چیزیں نہ تھیں جنہیں آج ہم پاتے ہیں، سکول، کالج، ہسپتال، ڈسپنسریاں، ڈاک خانے، بنک، ٹیلیگراف اور ٹیلیفون کا انتظام کاریں، لاریاں، ہوائی جہاز ٹانگے، ہاؤس بوٹ اور پکی سڑکیں وغیرہ موجود سائنس اور ٹیکنالوجی کی یہ تمام نعمتیں اس وقت موجود نہ تھیں اور جن کی عظمت آج بھی برقرار ہے وہ ہیں مغل باغات، قلعہ ہری پربت، دیوار اکبر، نہریں اور پل، جامع مسجد اور خانقاہ معلی (مسجد شاہ ہمدان) اور بے شمار دوسری مساجد۔

علاقائی وسعت

وادی کشمیر جس کی تاریخ ہم اس وقت لکھ رہے ہیں تقریباً ۱۲۰ کوس طول اور دس سے بیس کوس عرض پر پھیلی ہوئی چھوٹی سی ریاست ہے۔ ہندو اقتدار کے عروج کے دنوں میں اس کی علاقائی حدود اس کی قدرتی حدود سے آگے پھیلی ہوئی تھیں، اس میں پونچھ، راجوری، بھمبر، کشتواڑ کی پہاڑی ریاستیں اور جموں و ہزارہ کے کچھ اضلاع شامل تھے، للتادت (۷۲۴-۷۶۰) کی فتوحات نے شمال مغرب میں مرکزی ایشیا تک اور جنوب میں پنجاب تک اس کی حدود بڑھا دی تھیں، راجہ جے سنگھ (۱۱۵۵ء) کی موت کے بعد ہندو اقتدار کو زوال آ گیا کیونکہ کمزور حکمرانوں کا ایک سلسلہ حکومت کرنے لگا تھا۔ اور افغانستان و پنجاب میں ترکوں کی سلطنت وسعت پذیر تھی۔ جب ۱۳۲۰ء میں بودھ راجہ رنچن نے اسلام قبول کیا اور وہ صدرالدین کے نام سے سلطان بنا اور کشمیر کی آزاد مسلم حکومت کی بنیاد رکھی تو حالات کچھ زیادہ تبدیل نہیں ہوئے۔ اس کے بیس سال بعد شاہمیر کے عہد سلطنت کی قوت و عزت تدریجاً بڑھنے لگی۔ ایک دفعہ پھر سلاطین کشمیر نے ہمسایہ ریاستوں پر اپنا کنٹرول بحال کر لیا۔ شہاب الدین (۱۳۷۵-۱۳۵۴ء) نے للتادت کے نقش قدم پر چل کر ہمسایہ ریاستوں پر اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ زین العابدین (۷۰-۱۴۲۰) نے لداخ و بلتستان پر بھی کشمیر کے اقتدار اعلیٰ کو مستحکم کیا۔

مگر زین العابدین کے تابناک اقتدار کے بعد سیاسی بدنظمی اور معاشرتی پریشانی کا طویل دور شروع

ہوگیا، حالات نے کاشغر کی طرف سے مرزا حیدر دغلت کی سرکردگی میں ۱۵۳۳ء میں کشمیر پر حملے کو آسان بنادیا پھر لودھی، شیر شاہ سوری اور برصغیر کے پہلے دو مغل حکمرانوں نے بھی اس پر قبضہ کرنے کی کوششیں کیں۔ تاہم برصغیر پاک و ہند میں مصروفیت کی وجہ سے وہ کشمیر پر حکومت قائم نہ کرسکے۔ اس کے باوجود یہ حکمران جب بھی کوئی ناراض یا شکست خوردہ کشمیری لیڈران سے ملک حاصل کرنے کی سازش کرتا، کشمیر کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرتے۔ اسی طریق سے مرزا حیدر دغلت دوسری مرتبہ ملک پر قبضہ کرلے اور دس سال تک (۵۰-۱۵۴۰ء) حکومت کرنے کے قابل ہوا تھا۔ اکبر نے کشمیر کو پہلے فتح کیا اور پھر ۱۵۸۶ء میں اس کا اپنی سلطنت سے الحاق کروالیا۔ اسی طرح احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۵۲ء میں پٹھان حکومت قائم کی جس کا مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ہاتھوں ۱۸۱۹ء میں خاتمہ ہوگیا۔

انتظامی یونٹ

قدیم زمانوں سے ہی وادی کشمیر انتظامی غرض سے دو بڑی ڈویژنوں، کامراز اور مراز یا بالترتیب بارہ مولہ وزارت اور اننت ناگ وزارت میں تقسیم چلی آئی ہے۔ سارے مسلم اقتدار کے دوران یہ تقسیم برقرار رہی۔ ہر ڈویژن میں کئی چھوٹے چھوٹے ضلع ہوتے تھے جن کو ہندو عہد میں ویسایا اور مسلم عہد میں پرگنہ کہا جاتا تھا۔ ان کی تعداد مختلف وقتوں میں کم و بیش ہوتی رہی ہے۔ لوک پرکاش (۱) کے مطابق کشمیر کے کل ۲۷ پرگنے (ویسایا) تھے۔ ابوالفضل نے ۲۸، قاضی علی (۲) نے ۴۱، اور میجر بیٹس (۳) نے ۴۲ پرگنے بتائے ہیں۔ مجموعی طور پر وادی میں گاؤں کی بڑی تعداد ہے۔ المسعودی (۴) بیان کرتا ہے

۱۔ گیارہویں صدی۔

۲۔ سولہویں صدی۔

۳۔ ۱۸۷۳ء

۴۔ ۹۴۴ھ

کہ یہاں ساٹھ ہزار سے ستر ہزار تک گاؤں تھے۔ شرف الدین یزدی کے بقول ہموار و مسطح میدان میں جو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ دس ہزار آباد گاؤں ہیں جن میں چشموں، ندی نالوں اور سبزہ زاروں کی کثرت ہے۔ عام طور سے خیال کیا جاتا ہے کہ سارے صوبہ کے میدان اور پہاڑ میں ایک لاکھ گاؤں ہیں۔ جو آباد اور سرسبز و خرّم ہیں۔ المسعودی اور یزدی دونوں کشمیر کبھی نہیں آئے۔ امکان یہ ہے کہ انہوں نے سیاحوں اور تاجروں سے وہ مشہور روایت سنی ہوگی جس کے مطابق وادی کشمیر ۶۶۰۶۳ گاؤں پر مشتمل تھی۔

آبادی

آسودہ و خوشحال گاؤں اور پرگنوں کی اتنی بڑی تعداد یہ بتاتی ہے کہ مستقل بادشاہت کے دوران کشمیر میں گھنی آبادی تھی اس خیال کی تائید شرف الدین یزدی (۱۳۹۸ء) اور ابو الفضل (۱۵۸۶ء) کی تحریروں سے بھی ہوتی ہے۔ لیکن مغلوں (۱۷۵۳ - ۱۵۸۶ء) پھر پٹھانوں (۱۸۱۹-۱۷۵۳ء) اور اُن کے بعد سکھوں (۴۶ - ۱۸۱۹ء) کی ماتحتی کے زمانے میں آبادی میں بتدریج کم ہوتی چلی گئی۔ غلبہ کے لیے جنگوں اور سول لڑائیوں کے نتائج کے علاوہ ہمیں قحطوں، سیلابوں، آتش زنیوں اور وبائی امراض کو بھی نظر میں رکھنا چاہیئے، جو اس عرصہ کے دوران بار بار رونما ہوتی اور آبادی کے بڑے حصّے کو تباہ کرتی رہیں۔

مغلوں اور پٹھانوں کے عہد کی آبادی کا مستند ریکارڈ ہمارے پاس نہیں ہے، لیکن ایک معمولی اشارے کے مطابق ۱۷۰۰ء میں وادی کے باشندوں کی تعداد بارہ لاکھ سے کم ہو کر صرف دو لاکھ تینتالیس ہزار تینتیس تھی۔ ۱۸۳۵ء میں یہ تعداد دو لاکھ رہ گئی۔ زندگی اور حکومت کے حالات بہتر ہوئے۔ تو آبادی میں ایک بار پھر اضافہ ہونے لگا۔ ۱۸۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق باشندوں کی تعداد آٹھ لاکھ چودہ ہزار تھی۔ ۱۹۱۱ء میں ان کی تعداد دس لاکھ ننانوے ہزار نو سو چھیاسٹھ اور ۱۹۴۱ء میں چودہ لاکھ پینسٹھ ہزار ہو گئی۔

آزاد سلاطین (۱۳۲۰ء ـــــ ۱۵۸۶ء)

آزاد سلاطین کے عہد میں کشمیر میں مطلق العنان حکومت تھی، سلطان ریاست کا سربراہ اور کرتا دھرتا ہوتا۔ عوام کی نجی اور پبلک زندگی میں سلطان نظم و نسق برقرار رکھتا۔ اور اسلام کی اشاعت کرتا، رینچن شاہ نے جو بدھ مت کو ترک کر کے مسلمان ہوا تھا۔ سرینگر میں پہلی مسجد تعمیر کروائی۔ اس نے ایک خانقاہ بھی بنوائی اور علی کدل سرینگر میں بلبل لنگر کے مقام پر بلبل شاہ کی یادگار کے طور پر جس کے ذریعے وہ حلقہ بگوش اسلام ہوا تھا لنگر خانہ قائم کیا۔

نظم و نسق کی بحالی کے بعد شاہمیر (۲۲-۱۳۳۹ء) نے خطبہ اور سکہ جاری کیا۔ شہاب الدین (۷۴-۱۳۵۶ء) نے بادشاہت کے عزت و وقار کو اور مستحکم کیا۔ ملک کے باہر مہموں کا آغاز کیا جن میں اسے کامیابی ہوئی اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کیا گیا۔ قطب الدین (۸۹-۱۳۷۴ء) ہمدان (ایران) کے مشہور صوفی مبلغ سید علی ہمدانی کے براہ راست زیر اثر تھا۔ ان کا مشن جاری رہا اور بعد میں اس کے مریدوں نے وادی کے طول و عرض میں اسلام کی اشاعت کی، ان کی پالیسی اور برتاؤ پُر امن رہا جس کا سہرا سید علی ہمدانی کے سر ہے۔

تاہم سکندر اور علی شاہ کے ادوار حکومت (۱۴۲۰-۱۳۸۹ء) میں مبلغین کے دوسرے گروہ نے جو سید محمد ہمدانی ابن سید علی ہمدانی کے ہمراہ آیا تھا۔ طاقت اور جبر سے کام لیا۔ ہندوؤں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ جنہوں نے انکار کیا وہ یا تو زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے، اور یا ترک وطن کر گئے، مُردوں کو جلانا، اور ہندو علامات کا پہننا، ممنوع قرار پایا اور جزیہ عائد کیا گیا ہندوؤں کے بے شمار مندر گرا دیے گئے اور ان کی مورتیوں کو پاش پاش کیا گیا۔

مگر ان میں زین العابدین (۱۴۲۰-۷۰ء) جس کی عمر زمام اقتدار سنبھالنے کے وقت انیس سال تھی مختلف
آدمی تھا۔ اس نے اپنے پیشروؤں کی پالیسی کو یکسر بدل دیا اس نے مفرور ہندوؤں کو واپس آنے کی دعوت
دی، ان کو دوبارہ آباد کیا اور ان کے رسوم و روایات کا احیا کیا۔ جزیہ اٹھا دیا مندروں کی مرمت کروائی۔
وہ خود ہندو تہواروں میں شریک ہوتا۔ اور تیرتھوں پر حاضری دیتا اس کے باوجود وہ ہمیشہ ایک سچا اور مخلص
مسلمان رہا۔ اور اپنے آپ کو نائب امیر المومنین کہلاتا رہا۔ اس نے شریف مکہ، سلاطین ایران، و مرکزی
ایشیا اور ہندو کے ہمسایہ ہندو مسلم حکمرانوں کے ساتھ سیاسی تعلقات برقرار کیے۔ وہ ایک عظیم آدمی تھا۔
اور اس کا عہد سنہری عہد تھا۔

زین العابدین نے بادشاہت کا ایک اونچا۔ غالباً سب سے اونچا معیار قائم کیا۔ اس کے عیاش،
خود غرض اور پست ہمت جانشین اس معیار کی مشابہت بھی برقرار نہ رکھ سکے۔ اب اندرونی طور پر سیاست اور
سوسائٹی میں بگاڑ پیدا ہو گیا اور بیرونی لحاظ سے ریاست کشمیر ہمسایہ پہاڑی ریاستوں پر سے اپنا پرانا قبضہ
کھو بیٹھی۔ جماعتی سیاست اور گروہ بندی دندناتی پھرتی تھی۔ چار جماعتوں۔ ڈار (ڈامر) ماگری ماریہ اور
چک کے لیڈروں نے اقتدار کے لیے شدید جنگیں کیں جن میں انہوں نے وحشت ناک اور تباہ کن طاقت
استعمال کی۔ سرینگر کو ایک مستقل میدان جنگ میں تبدیل کر دیا گیا۔ سلطان برسر اقتدار جماعت کا کٹھ پتلی
ہوتا۔ اس طرح بدچلنی، سماجی پستی اور اقتصادی تباہ حالی نے آبادی کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔
ایسے حالات میں ریاست اور ملت کو ثقافتی اور سیاسی طور پر جھنجھوڑ دینا بیرونی مہم جوؤں کے لیے
بے حد آسان ہو گیا تھا۔ ثقافتی طور سے تو اس طرح کہ شمس الدین عراقی (۱۵۰۵-۲۶ء) نے جو ایک مشہور
مذہبی متعصب تھا۔ شیعہ، نوربخشیہ عقیدہ طاقت سے پھیلایا۔ اسی اثنا میں اس نے ہندو مت کے بچے
کھچے نشانات بھی مٹا دیے۔ وہ سنیوں کے خلاف شیعوں کے دل میں نفرت و دشمنی کی آگ بھر کر مسلم
معاشرہ میں دوررس نتائج کی حامل تبدیلی لایا وہ.......... تین صدیوں تک ایک دوسرے
کے خلاف تباہ کن جنگیں لڑتے رہے۔ سیاسی طور سے اس طرح کہ کاشغر کے سلطان سعید خان کی مغل
فوج کو مرزا حیدر دغلت کی زیر کمان ۱۵۳۲ء میں ملک میں قتل عام اور تباہی مچانے کا موقع ہاتھ آگیا

گیا جس سے سالہا سال تک نظم ونسق معطل رہا۔ اس کے سات سال بعد مرزا حیدر نے زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس کا عہد دس سال (۵۰ - ۱۵۴۰ء) تک رہا۔ ایک بہادر مغل جس نے بابر و ہمایوں کے محنت طلب ماحول میں تربیت پائی تھی اپنی رعایا کے دل جیتنے میں ناکام رہا۔ البتہ کہا جاتا ہے کہ اس نے ملک کو کھنڈر سے اٹھا کر امارت وخوشحالی کے اوج پر پہنچا دیا تھا۔ اس کی فاش غلطی یہ ہے کہ وہ اپنے عوام کو غلط سمجھا وہ شیعوں اور نوربخشیوں کے ساتھ بے رحمی سے پیش آیا۔ نوربخشیوں پھر اس نے قابل کشمیریوں کو انتظامیہ کی معمولی اسامیوں کی طرف دھکیل دیا۔ اس طرح اس نے سب کو اپنا مخالف بنا لیا اور منتشر کشمیری لیڈروں کو مجبور کر دیا کہ وہ اس کے خلاف اتحاد قائم کرلیں اس کے لیے اسے ۱۵۵۰ء میں جان کی قیمت ادا کرنا پڑی۔

چار سال بعد غازی خان نے جو ایک ظالم و بے رحم چک لیڈر تھا۔ شاہمیری خاندان کے آخری بادشاہ حبیب شاہ کو تخت سے اتار کر ۱۵۵۴ء میں چک حکومت کی بنیاد رکھی۔

چکوں کی حکومت تقریباً اکتیس سال (۸۶ - ۱۵۵۵ء) رہی۔ یہ زیادہ عرصہ رہ بھی نہیں سکتی تھی۔ دراصل اندرونی طور پر چکوں کو شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ پھر ان کو بیرونی طور پر اپنے مضبوط ترین حریف اکبر کے ساتھ بھی حساب چکانا تھا۔

وہ مقامی روایات کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہوسکے وہ کشمیریوں کے جذبات کا احترام نہ کرتے اور ان کو اپنے برابر نہ سمجھتے۔ خاص طور سے ۱۵۶۰ء کے بعد جب انہوں نے پہلی بار اقتدار پر قبضہ کیا تو ان کا دماغ اور خراب ہو گیا، ان کا برتاؤ ناقابل برداشت خشک اور ظالمانہ رہا۔ انہوں نے اپنے پیروؤں کے ذہن میں یہ غلط بات ڈال دی تھی کہ وہ عزت و اقتدار میں اوروں سے بڑھے ہوئے ہیں جب غازی خان چک نے حبیب شاہ کو تخت سے اتارا اور وہ خود سلطان بن بیٹھا تو اس نے ملی جذبات کی توہین کی اور پھر جب اس نے میوہ چرانے پر ایک سات سالہ بچے کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو چک حکومت کا ایک اور کرشمہ دکھا دیا۔ مزید برآں یہ کہ چک لیڈر یہ بات بھول گئے کہ اگرچہ وہ جسمانی اور فوجی لحاظ سے بہتر ہیں مگر تعداد کے اعتبار سے بہت کم ہیں، اس کے باوجود انہوں نے جنگ، تشدد

دغابازی اور قتل — کی پالیسی اپنائی۔ تاکہ وہ کشمیریوں پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مسلط رہیں۔

بیرونی طور پر دیکھا جائے تو چک سلاطین، غازی شاہ، حسین شاہ، علی شاہ اور لوہر شاہ (۸۰-۱۵۵۵ء) خوش قسمتی سے اکبر کی طرف سے جس نے کشمیر پر آنکھیں لگا رکھی تھیں۔ فوجی مداخلت سے بچے رہے۔ یوسف شاہ (۸۶-۱۵۸۰ء) کے حالات جو تن آسان تھا۔ مختلف تھے۔ اس کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ اس نے تخت اکبر کے حوالے کر کے اپنی وفاداری پیش کر دی۔ اس اثنا میں چند کشمیریوں نے جن کی قیادت شیخ یعقوب صرفی کر رہے تھے۔ اکبر کو مدد کی اپیل کر دی۔ اب کشمیر پر قبضہ اکبر کے لیے عزت کا مسئلہ بن گیا تھا اس نے ملک کی تسخیر کے لیے فوج روانہ کر دی۔ یوسف شاہ نے نیک نیتی سے ہتھیار ڈال دیئے لیکن اسے سیاسی قیدی سمجھا گیا اور ریاست کشمیر اپنی آزادی و استقلال سے محروم ہو گئی۔

اس کے باہمت اور دلیر مگر مغرور و متکبر بیٹے یعقوب شاہ نے جنگ آزادی جاری رکھی آخر کار اسے سمجھ آگئی کہ وہ ایک ہرانے والا کھیل کھیل رہا ہے۔ اس نے شکست اور پریشانی کے عالم میں ہتھیار ڈال دیئے اور ریاست کشمیر ۱۵۸۶ء میں ایک مغل صوبہ بن گئی۔

مغل اور پٹھان (۱۸۱۹ء - ۱۵۸۶ء)

مغلوں کا عہد (۱۷۰۷ء - ۱۵۸۶ء) نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا۔ انہوں نے قانون کے ذریعے حکومت کو مستحکم کرنے اور آبادی کے معاشرتی و اقتصادی حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کی جو تقریباً گزشتہ ایک صدی سے اپنے ہی سنگ دل اور خود غرض حکمرانوں کے ظلم و ناانصافی کے باعث دل ہی دل میں کڑھ رہی تھی۔ ان بادشاہوں نے خود بھی کشمیر کے متعدد سفر کیے۔

اکبر کا عہد (۱۶۰۵-۱۵۸۶ء) زین العابدین کے بعد ایک اور سنہری عہد تھا۔ اکبر نے اپنے پیچھے ایک محسن، فیاض اور روادار حکمران کے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ اس نے رعایا کی خوشی و خوشحالی کے لیے زبردست اصلاحات کا پروگرام بنایا۔ اس نے ایک منظم حکومت قائم کی اور عوام

کی حالت کو بہتر بنانے کے لیے زبردست سرگرمی دکھائی۔ ریونیو سسٹم پورے کا پورا بدل دیا۔ انتظامی مشکلات کو حل کیا اور کاشت کاروں کو بھاری مطالبات سے نجات دلائی۔ مذہبی رواداری کا اعلان کیا، مسلمانوں اور ہندوؤں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کیا جانے لگا۔ اس نے وادی کو...... براہ راست شاہراہ کے ذریعے پاکستان سے ملا دیا اور باقاعدہ ٹریفک اور مواصلات کی حوصلہ افزائی کی۔ تجارت کو باقاعدہ بنایا گیا۔ چنانچہ ملک میں ثروت کی فراوانی ہونے لگی۔ سرینگر کے حصار پر اس نے ایک کروڑ دس لاکھ روپیہ خرچ کیا۔

جہانگیر نے کئی مرتبہ کشمیر کا سفر کیا اور کشمیر کی کشش ہمیشہ اس کے دل میں رہی۔ وہ کشمیر کو اپنی قیمتی ملک سمجھتا تھا۔ وہ عوام کے جشنوں اور تہواروں میں شرکت کرتا۔ جبین و پر کشش، نشاط، شالامار اور چشمہ شاہی کی بنیاد اس کے عہد میں رکھی گئی۔ اس نے ملک کی ثروت اور عوام کی خوشحالی میں اضافہ کیا۔ اس نے ملک اور عوام کے بارے میں یہ تفصیلات اپنی توزک میں درج کر دی ہیں۔

شاہجہان نے دو ایک بار ہی کشمیر کی سیر کی۔ اس نے شالامار باغ، چشمہ شاہی اچھہ بل باغ اور کئی دوسرے باغوں میں فوارے آبشاریں، میوہ دار پودے اور پھول لگوانے کا انتظام کیا، علی مردان خاں نے جو اس کا مشہور انجینئر اور سیاست دان تھا۔ کشمیر کو پاکستان سے ملانے والی مغل شاہراہ کو چوڑا اور بھاری ٹریفک کے قابل بنایا۔ شاہجہان کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ اسے جوں ہی اپنے حریص و کوتاہ اندیش گورنر اعتقاد خان کی طرف سے عائد کیے گئے بھاری اور جاں گسل مطالبات کا علم ہوا، اس نے ان سب کو یک قلم منسوخ کر دیا، پھر اس نے مستقبل کے فرمانروایانِ کشمیر کے نام ذاتی اپیل کی کہ وہ عوام کی فلاح و بہبود سے متعلق اس کی پالیسی پر ہمیشہ عمل پیرا ہوں۔ اس نے قحط زدہ عوام کی مشکلات کو کم کرنے کے لیے ذاتی دلچسپی لی اور مرکز کے اخراجات سے ان کے لیے مفت لنگر چلانے کا انتظام کیا۔ اس کے روشن خیال اور مہذب بیٹے دارا شکوہ نے بھی اپنے مرشد صوفی ملاشاہ کے ہمراہ کئی سفر کیے۔ اس نے جھیل ڈل کے کنارے پہاڑی کے نشیب میں ملاشاہ کی رہائش کے لیے باغ اور خانقاہ تعمیر کروائی۔ کشمیر کی حکومت دوسرے مغل صوبوں کی طرح گورنر چلاتے رہے ۔۔ جو

...... خود بادشاہ کی طرف سے نامزد ہوتے تھے۔ ۱۷۰۷ء کے بعد انہوں نے مغلوں کی تمناؤں کو جھٹلانا شروع کر دیا۔ وہ عوام سے فاتحین کا سا سلوک کرتے اور ان کی پالیسی عہد وسطیٰ کے تصور فتح یابی پر مبنی تھی۔ وہ ڈنڈے کے زور سے حکومت کرتے۔ اور جس قدر ریونیو سمیٹ سکتے سمیٹتے۔ تاکہ وہ اپنے خزانے بھر سکیں۔ انہوں نے عوام کی آہ و فغاں پر کبھی کان نہ دھرا اور ان کو ہرگز یہ موقعہ نہ دیا کہ وہ اپنی ضروریات زندگی بھی پوری کر سکیں۔ وہ ان کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کرتے اور ان کو غربت زدہ، پامال اور زرد رو دیکھ کر خوشی محسوس کرتے۔ مغل عہد کے خاتمہ پر ۱۷۵۳ء میں پٹھان عہد کا آغاز ہوا۔ اکثر پٹھان گورنر خونریز اور ظالم تھے وہ کشمیریوں کے ساتھ ڈھور ڈنگروں کا سا برتاؤ کرتے اور ان کے آفیسر کشمیریوں پر کلہاڑی کی پیٹھ سے ضرب لگانے سے پہلے کوئی حکم نہ دیتے وہ ہڈیوں تک سے ان کی اون کتر لیتے۔ عوام پر ایک بھوت کی طرح حکومت کرتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ درآمد زیادہ اور زمینوں کی زرخیزی کم ہو گئی۔ آبادیاں گھٹ گئیں اور تجارت و صنعت کا خاتمہ ہو گیا۔ ہر جگہ غارت گری اور مایوسی کا دور دورہ ہو گیا۔(۱)

مالیات کے ذرائع

ٹیکس اور چونگی

مالیاتِ زمین کے علاوہ ریاست کی آمدنی کے دوسرے ذرائع کی تفصیل یہ ہے محصول کشتی محصول پل، درآمد و برآمد پر ٹیکس صنعت و حرفت کا محصول، ملاحوں پر ٹیکس اور جھیل کی پیداوار اور ایندھن پر ٹیکس مویشیوں پر ٹیکس، درختوں پر ٹیکس۔ بیگار خاص طور سے گاؤں کے بالغ مردوں سے لی جاتی تھی۔ ہندو

۱۔ سرکار (ج۔ ن) مسلم عہد میں کشمیری عوام کی حالت مطبوعہ ۱۹۴۹ء۔

لوگ مردہ سوزی کا ٹیکس اور جزیہ ادا کرتے۔ مسلمان زکوٰۃ دیتے۔ زین العابدین اور اکبر نے ان میں سے اکثر ٹیکسوں کو خاص طور سے مردہ سوزی کے ٹیکس جزیہ اور بیگار کو ختم کر دیا تھا۔

لیکن عیاشں و حریص مغل اور پٹھان گورنروں نے نئے ٹیکس عائد کر دیے۔ مثال کے طور پہ اعتقاد خان (۲۳ – ۱۶۲۰ء) نے زعفران کا پھول چننے کے لیے بیگار کا سسٹم جاری کیا۔ پھلدار درختوں پر ٹیکس لگایا اور سابقہ ٹیکسوں کو اور بڑھا دیا، پٹھان گورنر حاجی کریم داد (۸۲ – ۱۷۷۶ء) نے بھاری ٹیکس مثلاً زرِ نیاز زرِ اشخاص آمدنی ٹیکس، زرِ حبوب، زر دودہ (۱) داغ شال اور دام دھاری (۲) عائد کیے۔

— مالیہ زمین —

ریاست کا بڑا ذریعہ آمدنی مالیہ زمین تھا۔ شاہمیر نے مجموعی پیداوار کے ۱/۶ پر مالیہ کا تعین کیا تھا۔ زین العابدین نے اسی کو برقرار رکھا۔ اس کے جانشین ۱/۳ وصول کرتے رہے۔

سلطنت اکبری کے ساتھ کشمیر کے الحاق کے بعد یہاں کا نظام مالیاتِ زمین تبدیل کر دیا گیا، سارے ملک کی زمینوں کا بندوبست کیا گیا۔ ۱۵۸۹ء میں اکبر نے یہ کام شیخ فیضی، میر شریف آملی اور خواجہ محمد حسین کے سپرد کیا۔ انہوں نے فصل خریف میں سے ریاست کا حصہ ۱/۳ متعین کیا تھا۔ مالیہ کا تعین متعلقہ سال میں بوئی گئی شالی کے خروار کی بنیاد پر کیا جاتا۔ ربیع کی فصلوں مثلاً گندم، جَو اور دالوں وغیرہ کے لیے حکومت کا حصہ ایک پٹہ کی پیداوار سے دو ترک وصول کیا جاتا۔ سالانہ محصول کا تعین بائیس لاکھ خروار کیا گیا۔

تاہم جلد ہی معلوم ہو گیا کہ یہ تعین جعلی رپورٹوں پر کیا گیا تھا کیونکہ گورنر مرزا یوسف خان رضوی نے حقائق کو چھپایا تھا۔ اس طرح اس نے گیارہ لاکھ خروار کا غبن کیا۔ لہٰذا مالیہ کی دوسری تشخیص حسین بیگ

۱۔ چولہا ٹیکس۔

۲۔ شکار ٹیکس۔

شیخ عمری اور قاضی علی کی نگرانی میں کروائی گئی۔ پوری ریاست اکتالیس پرگنوں میں تقسیم کی گئی۔ ہر پرگنہ کا مالیہ نقد اور جنس دونوں طرح تعین کیا گیا۔ پھر وہ زمینیں جو سپاہیوں کو ان کے گزر اوقات کے لیے دی گئی تھیں۔ واپس لے لی گئیں اور ان کو نقد روپیہ دیا جانے لگا۔ کل مالیہ تیس لاکھ تریسٹھ ہزار پچاس خروار اور گیارہ ترک مقرر کیا گیا۔

قدرتی طور پر اس مالیہ پر گورنر، اس کا ذاتی سٹاف کشمیر کے زمیندار اور سپاہی خوش نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ ہر گروہ اصل پیداوار سے ایک معقول حصّہ چھپانے کا عادی تھا۔ انہوں نے احتجاج کیا اور ۱۵۹۲ء میں بغاوت کر دی لیکن ان کو خفت اٹھانا پڑی۔ اور کامیابی نہ ہوئی، وہ نظام جو اکبر نے قائم کیا تھا ۱۸۱۹ء تک جاری رہا۔

انتظامی سسٹم

آزاد و خود مختار سلاطین کے عہد میں انتظامی سسٹم جاگیر دارانہ تھا۔ پوری آرگنائزیشن میں کرتا دھرتا سلطان ہوتا۔ اس کی مدد وزیروں کی ایک کونسل، صوبائی گورنر، ملٹری کمانڈرز، امراء اور علماء کرتے تھے ان کی تقرری بادشاہ ہی کرتا تھا، جنگ اور امن کے دوران ریاست کی جو خدمات وہ انجام دیتے اس کے عوض ان کو جاگیریں ملتیں، سلطان کی ذات ہی اس کی حیثیت و وقار کا تعیّن کرتی تھی۔ سلطان زین العابدین کونسل پر ہمیشہ چھایا رہتا، مگر اس کے کمزور جانشین کونسل کے زیر اثر رہنے لگے، برسر اقتدار پارٹی کے لیڈر جو وزیر یا وزیر اعظم کی حیثیت سے کام کرتے ان بادشاہوں کو کھلونا سمجھتے تھے۔

عام حالات میں وزیر سلطان کا معتمد ترین معاون ہوتا۔ رنچن شاہ نے شاہمیر کو اپنا وزیر مقرر کیا تھا اس کے بعد اس کرسی پر عام طور سے برسر اقتدار بادشاہ کے بھائی کو بٹھایا جاتا۔ زین العابدین نے اس دستور سے انحراف کیا۔ کیونکہ اپنے بھائی محمد خان کی وفات کے بعد اس نے ایک بودھ تلک چاریہ

کو وزیر بنایا تھا۔

اس کے علاوہ صوبائی گورنر بھی تھے۔ ہندو عہد میں ان کو منڈلیش کہا جاتا تھا۔ صوبائی گورنر کی کرسی بڑی اہم ذمہ دار اور نفع بخش کرسی تھی۔ مرکزی حکومت کی مضبوطی یا کمزوری کا دارومدار بڑی حد تک ان کے رویّہ و کردار پر ہوتا۔ ہندو حکمران خاص طور سے صوبائی گورنری کے عہدہ کے لیے مسلّمہ وفادار و قابلیت کے اشخاص منتخب کرنے پر توجہ دیتے۔

راجہ جیسنگھ (۵۵ - ۱۱۲۸ء) نے پونچھ کے اہم صوبہ کے لیے گورنر اپنے ولیعہد کو نامزد کیا تھا شاہمیر نے بھی اسی اصول کی پابندی کی۔ زین العابدین نے اپنے دو بیٹوں آدم خان اور حاجی خان کو بالترتیب کامراز اور پونچھ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ اس کے دو جانشینوں حیدر شاہ اور حسن شاہ نے بھی یہی قاعدہ برقرار رکھا۔ پارٹی سسٹم کی حکومت (۱)......... میں صوبائی گورنر وزیر کا دست راست ہوتا کشمیر اپنی آزادی سے محروم ہوا تو یہ منصب بھی نہ رہا۔

ضلعی انتظامیہ میں سب سے اہم اور طاقت ور افسر ملک ہوتا تھا۔ ہندو عہد میں اہم افسر تحصیلدار پٹواری، اور محرر عدالت تھے جن کو بالترتیب نیوگی، گرام دویر، اور اشتہ دویر کہا جاتا تھا۔ ان کے متعلقہ فرائض اور کردار کا ہلکا سا جائزہ تاریخی طور پر بڑا دلچسپ ہوگا، کیونکہ قدیم ترین ایام سے دیہی انتظامیہ کے غیر متبدل پہلو کی عکاسی انہی سے ہوتی ہے۔ گاؤں کے مالیہ و عدالت کے بڑے افسر جن کا ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے۔ آج تک آباؤ اجداد کی اس کھجلی کا شکار چلے آتے ہیں کہ وہ ناجائز طریقوں سے رقم اکٹھی کریں گے...... وہ کسانوں پر جبر کرتے اور حقیقتاً ان کی اون کتر لیتے (۲)

۱۔ تحصیلدار (نیوگی)

یہ ضلع کا بڑا انتظامی اور عدالتی افسر ہوتا اور اپنے متعلقہ دیہات کو کنٹرول کرتا۔ مالیہ کی جانچ پڑتال

۱۔ (۱۵۵۰ - ۱۵۸۴ء)

۲۔ لارنس ص ۴۵۳ - ۳۹۹۔

کرتا۔ سڑکوں اور نہروں کی دیکھ بھال کرتا اور ان کی مرمّتی کا انتظام کرتا۔ کیسمندر اس کی جو تصویر بناتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ بے رحم آدمی ہے جو اہالیان وہ پر بھاری جرمانے کرتا ہے (۱) مثال کے طور پر وہ جائیداد قرق کرلیتا، لوگوں کو جیل بھیجدیتا اور ان پر بیگار رگاتا۔ وہ لوئیاں، گھی، نمک، مرچ، دال میوہ، جوتے، لکڑی کی چوکیاں اور گھر میں استعمال ہونے والی دیگر اشیاء عوام سے بطور رشوت وصول کرتا (۲)

۲۔ پٹواری (گرام دوبیر)

یہ جمعبندی میں جھوٹے اندراجات کرنے میں بڑی مہارت رکھتا۔ تاکہ وہ ان کی مدد کرسکے جو اسے رشوت دیں اور ان کو نقصان پہنچا سکے جو ایسا نہ کریں وہ بھی اپنے بڑے افسر تحصیلدار کی طرح حریص، لالچی، اور رشوت خور ہوتا۔

۳۔ محررِ عدالت (اشتہ دوبیر)

کیسمندر نے ایک محررِ عدالت (کورٹ سپرنٹنڈنٹ) کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بدکار، بے حد خودغرض اور سرکار افسر تھا جو اپنے داماد کو بھی اگر وہ جرم میں پھنس جاتا، تو معاف نہ کرتا (۳) وہ گھٹیا کردار کا آدمی ہوتا جو راتیں شراب نوشی اور شہوت پرستی میں بسر کرتا، سروس میں اس کا واحد مقصد یہ ہوتا کہ وہ رشوت اور دھوکے سے دولت کے ڈھیر لگالے۔

آزادی واستقلال کے خاتمہ پر جو افیسر مغل اور پٹھان گورنروں کے ...... نزدیک رہے ان میں دیوان بخشی، قاضی، میر عدل اور مفتی کا نام لیا جاسکتا ہے، آزادی ختم ہونے کے بعد وزیر اور

۱۔ نرملا۔ ص ۲۰-۱۰۔

۲۔ ہمارے دیہات میں آج بھی یہی ہورہا ہے (مصنف)

۳۔ نرملا۔ ص ۲۰-۱۰۔

سپہ سالار کا منصب ختم کر دیا گیا۔ مغل اور پٹھان گورنر خود ہی یہ فرائض انجام دیتے۔ وکیل کا عہدہ بھی خودمختار سلاطین کے خاتمہ کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ سفیر کا عہدہ سب سے پہلے سلطان سکندر نے ۱۳۹۸ء میں تخلیق کیا تھا۔ جب اس نے نورالدین بدخشانی کو اپنا سفیر بنا کر تیمور کے پاس بھیجا۔ مرزا حیدر دغلت ... (۱۵۴۵ء) نے بھی کاشغر کے سلطان رشید خان کے دربار میں اپنا سفیر بھیجا تھا۔ بعد کے چکول کے عہد میں جب اکبر نے کشمیر کے اندرونی معاملات میں دلچسپی لینا شروع کی۔ تو سفیر ایک مستقل منصب بن گیا ۱۵۶۸ء میں اکبر نے مرزا مقیم کو حسین شاہ چک کے دربار میں اپنا پہلا سفیر بنا کر بھیجا۔ علی شاہ نے احسان کا بدلہ احسان سے دیتے ہوئے محمد قاسم کو بادشاہ کے دربار میں بحیثیت سفیر بھیجا۔ جب ہم ان حالات کا جائزہ لیتے ہیں جن میں سلاطین کشمیر نے بیرونی ممالک میں اپنے سفیر بھیجے تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ انہوں نے ایک طاقت ور مستقل حکمران کی حیثیت سے نہیں بلکہ سائل کے طور پر ایسا کیا۔

مذکورہ بالا تمام مناصب موروثی تھے اور عموماً بیٹا باپ کی کرسی پر بیٹھتا۔ معطلیاں کم ہوتیں۔ مگر یہ جانب داری اور بگاڑ کا عہد تھا۔ یہ بات بڑی تعجب انگیز ہے کہ کردار و نظریہ میں یہ تمام آفیسر ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ تک غیر متغیر و رجعت پسند رہے۔

کشمیر میں مغل اور پھر پٹھان حکومت کے قیام کے بعد بیرونی آفیسر بڑی تعداد میں انتظامیہ کے مختلف محکموں کے انچارج بنے۔ دفتری مدارج میں بتدریج وسعت ہوئی اور نئے محکموں کا اضافہ ہوا البتہ یہ مستقل نہ تھے۔ ہر گورنر اپنا سیکرٹریٹ سٹاف اپنے ساتھ لاتا۔ کشمیری کی ضرب المثل ہر صوبہ دار اپنے ساتھ پیشکار لایا (۱) اسی اصول کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

حکومت کا ہیڈ صوبیدار ہوتا۔ اس کے چیف ایڈوائزر ڈپٹی گورنر کہلاتے۔ صاحب کار چیف سیکرٹری ہوتا جو دیوان مالیات و فنانس کا کنٹرول کرتا۔ قانون گو کمشنر بندوبست ہوتا۔ پیشکار پرسنل اسسٹنٹ کو کہا جاتا تھا۔ گورنر لازماً مسلمان ہوتا۔ اور یہی حال ان کے چیف ایڈوائزروں کا تھا۔ تاہم

۱۔ یلہ یم سند صوبیدار تیلہ تم سند پیشکار (کشمیری)

پٹھانوں کے عہد (۱۷۵۳ء - ۱۸۱۹ء) میں بعض مواقع ایسے بھی آئے ہیں جب پنڈتوں نے ریونیو کلکٹر، چیف سیکرٹری اور پرسنل اسسٹنٹ کی آسامیاں سنبھال لیں۔ مغلوں کے عہد میں یہ بات نہ تھی۔ وہ کشمیریوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ان کو ملٹری سروس سے تو بالکل ہی دور رکھا جاتا۔ کسی قابل کشمیری کو منصب دار یا گزٹیڈ آفیسر متعینات نہ کیا جاتا۔ ۱۷۰۰ء میں یہ پہلا موقعہ تھا جب فاضل خان (۱۶۹۷ء - ۱۷۰۱ء) نے گورنر کی حیثیت سے اورنگ زیب کو یہ بات منوالی کہ چند کشمیریوں کو انتظامیہ کی چھوٹی اسامیوں پر تعینات کیا جائے۔ عام طور سے وہ محکمہ مالیات میں کم تنخواہ کی چھوٹی آسامیوں پر مثلاً پٹواری محرر اور محل دار کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے کیونکہ ان آسامیوں کے لیے غیر کشمیری یا تو ملتے ہی نہیں تھے اور یا موزوں نہ تھے۔ شاہی ترجیحات کی یہ پالیسی خطرناک نتائج پیدا کرنے کا سبب بنی۔ کشمیریوں کی استعداد زنگ آلود ہوگئی ان کی ہمت اور کردار کو نقصان پہنچا۔

شہری انتظامیہ

قدیم زمانے سے ہی شہری آبادی کی صحت و خوشحالی ایڈمنسٹریٹر کی ذمہ داری رہی ہے اگرچہ سری نگر میں حکومت کے دفاتر وقتاً فوقتاً بدلتے رہے۔ لیکن مجموعی طور شہر میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ یہ شہر دریائے جہلم کے دونوں کناروں پر آباد ہے اور خوبصورت جھیل ڈل ہے اور مشرقی پہاڑی کے نشیبوں سے یہاں آسانی سے آمدورفت ہوتی ہے جھیل ڈل کے اردگرد کے خوبصورت مناظر اسے ہمیشہ دل پسند تفریحی مقام بناتے رہے ہیں۔ جھیل کے ساتھ ساتھ پہاڑی کے نشیبوں میں ہندوؤں کے عہد میں خوبصورت و خوشنما باغات تعمیر کیے گئے تھے۔ مغلوں اور ان کے گورنروں نے اس روایت کو آگے بڑھایا انہوں نے خوبصورت و نفیس چبوترہ دار باغات لگوائے۔ بتایا جاتا ہے کہ جب ۱۷۵۲ء میں پٹھانوں کی حکومت قائم ہوئی تو جھیل ڈل کے اردگرد سات سو باغات تھے (۱)

۔۔ تاریخ حسن

شہر کا اندرونی انتظام حاکم شہر کے ہاتھ میں ہوتا جسے ہندو عہد میں نگرہ دھکرٹ اور مسلم دور میں کوتوال کہا جاتا۔ وہ دارالحکومت کے باشندوں کی صحت، آسائش اور عام حفاظت کا خیال رکھتا۔ نیز وہ بازار پر کنٹرول اور ہر قسم کی خرابی پر نظر رکھتا۔ زین العابدین نے حفظانِ صحت کے اصولوں کے تحت شہر آباد کرنے کے لیے بڑی زحمت اٹھائی اُس نے داروغۂ امارت کا تقرر کیا جس کے فرائض جدید شہر سازوں کے ہم پایہ تھے۔ مرزا حیدر دغلت، تو حیران ہی ہو گیا تھا جب اس نے ۴۳ھ ۱۵ء میں شہر کو مسرت نصیب پایا۔ اس نے اسے خوب آباد دیکھا۔ یہاں کئی عالیشان عمارات تھیں۔ جو تازہ صنوبر کی لکڑی سے تعمیر کی گئی تھیں۔ ان میں اکثر پانچ منزلہ تھیں، ہر منزل کمروں، ہال، گیلری، اور گنبدوں پر مشتمل ہوتی۔ گلی، کوچوں میں ترشے ہوئے پتھر بچھائے جاتے۔ یہاں صرف پرچون فروشوں، مثلاً پنساری و بزاز۔ وغیرہ کی دکانیں ہوتیں اور بڑے بازار نہ ہوتے کیونکہ تھوک فروشی کا کاروبار تجار کے گھروں میں یا ان کے کارخانوں میں ہوتا تھا۔

مغلوں اور پٹھان گورنروں نے قدیم شہر کے عام نقشہ میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ اکبر کے گورنر محمد قلی خان نے نئے شہر کی بنیاد رکھی جس کا نام نگر نگر تھا۔ یہ ہری پربت پہاڑی کے مشرقی نشیب میں آباد کیا گیا تھا، تاکہ وہاں مغل سرداروں اور فوجیوں کو بسایا جائے۔ ۱۵۹۷ء میں اس نے نئے شہر کے اردگرد ایک نئی فصیل کی تعمیر بھی شروع کروائی تھی۔ اسی طرح پٹھان گورنروں نے بھی اپنے افسروں کی رہائش کے لیے سرینگر کے امیرا کدل محلہ میں دارا باغ کے نزدیک ایک نیا شہر تعمیر کروایا تھا جسے ایک فصیل نے گھیر رکھا تھا۔ ہری پربت پہاڑی کا قلعہ پٹھان گورنر عطا محمد خاں نے پٹھان فوج کی رہائش کے لیے تعمیر کروایا تھا۔
مغل اور پٹھان حکمرانوں کے دور میں شہری آبادی کی حالت حسب سابق رہی بلکہ ...... ان کی حالت اور بھی خراب ہوتی چلی گئی۔ معلوم ہوتا ہے ان حکمرانوں نے بھی شہر کے نظام حفظانِ صحت کی اصلاح کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ ۱۷۸۳ء میں فارسٹر نے سیاحت کشمیر کے دوران سرینگر کی گلیوں کو تنگ اور باشندوں کی غلاظت سے ان کو پُر پایا تھا۔ (۱) مور کرافٹ کو بھی جس نے ۱۸۲۲ء میں یعنی پٹھان حکومت کے خاتمہ کے

۱۔ فارسٹر ج ۲، ص ۱۰

صرف چار سال بعد کشمیر کی سیر کی ایسا ہی تکلیف دہ تجربہ ہوا تھا۔ وہ شہر کی ایسی تصویر کھینچتا ہے جس سے اس خرابی کا اندازہ ہوتا ہے جو ۱۷۰۰ء کے بعد ظالم وحریص مغل اور پٹھان گورنروں کے دور میں پیدا ہوئی۔ وہ رقم طراز ہے۔

شہر کی عام حالت یہ ہے کہ بے ہنگم و بدنما عمارات کا ہجوم ہے۔ گلیاں تنگ و پر پیچ ہیں۔ ان کے درمیان میں غلاظت سے بھرا ہوا ایک چھوٹا سا نالہ ہوتا ہے۔ جس کے کناروں پر غلاظت کی تہ جمی ہوتی ہے۔ مکانات عموماً ناگفتہ بہ اور شکستہ حالت میں ہیں ان کے دروازے یا تو ٹوٹے ہوئے ہیں اور یا سرے سے ہیں ہی نہیں۔ کھڑکیوں کو تختیوں، کاغذوں یا پتھر کی سلیٹوں سے بند کر دیا گیا ہے۔ سارا شہر تباہی و بربادی کی دل گداز تصویر ہے (۱)

اقتصادی حالت

دیہی آبادی

کشمیر بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے۔ جنگلات کے طویل قطعات، چراگاہیں، سیل آوردہ زمین، اور پانی کی فراوانی زرعی اقتصادیات کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ پیداوار کا بڑا ذریعہ زمین ہے۔ زراعت کے اوزار سیدھے سادے اور بہت کم ہیں۔ ان اوزاروں میں لکڑی کا ہل، لوہے کی پھالی لکڑی کی موگری اور بیلوں کی ایک جوڑی شامل ہے۔ مٹی کے ڈھیلے توڑنے کے لیے بیلچہ، زمین نرم کرنے کے لیے ہلکی سی کدال اور پھر شالی کو کوٹنے کے لیے موسل اور اوکھلی بھی اوزار زراعت میں ہے۔

۱۔ مورکرافٹ ج ۲، ص ۲۸ - ۱۲۷

زرعی زمین عام طور سے اُن نہروں کے ذریعے سیراب کی جاتی ہے جو پہاڑی ندی نالوں سے نکلتی ہیں وادی کی جغرافیائی پوزیشن اور طبعی ساخت نے آب پاشی کو آسان بنا دیا ہے۔ مجموعی طور سے زندگی آسان سادہ اور مسلسل رہی ہے۔ معمول کے حالات میں اور بہتر انتظام کی صورت میں کشمیری کسان قانع ترین آدمی رہا ہے۔ وہ خود کفیل اور سخت زندگی گزارنے والا رہا ہے وہ اس ضرب المثل پر ایمان رکھتا رہا ہے کہ جو بوئے گا وہی کاٹے گا (۱) اس میں شک نہیں کہ جھنجھوڑ دینے والی سیاسی تبدیلیاں اور حکومتی جارحیت اسے قسمت کا قائل بناتی رہی ہیں وہ زندگی کے دکھوں اور مصیبتوں کو صبر و سکون کے ساتھ برداشت کرتا رہا ہے۔ یہ بات بھی ہے کہ زندگی کے مصائب اور ملک کی طبعی ساخت نے اسے اداس تنہائی پسند، شکی توہم پرست خود نما اور بزدل بھی بنایا ہے عام حالات میں وہ زندہ دل خوش طبع اور حاضر جواب رہا ہے اس کی مسکراہٹیں اہلِ دہلی و اہل کابل کی مسکراہٹوں سے بڑھ کر رہی ہیں۔ وہ اپنی ذات سے اور ماحول سے مصالحت کر لینے کی استعداد کا مالک رہا ہے۔

پہاڑوں کے قدرتی مناظر کے درمیان میں گھنے پیڑوں ہرے بھرے کھیتوں اور پاس ہی سے بہنے والی نہر کے کنارے واقع ہونے کے باعث کشمیری گاؤں اقتصادی، اصطلاح میں خود کفیل یونٹ رہا ہے۔ کام کرنے والوں کے مخصوص گروپوں میں وہی ہم آہنگ تعاون رہا ہے۔ جو ہمیں برصغیر کے دیہات میں نظر آتا ہے۔ مرد، عورت، بڑھئی، جولاہا، لوہار، کمہار، موچی، دھوبی، چرواہا اور بقال نے جو دیہی اقتصاریات سے تعلق رکھتے ہیں انفرادی، اور اجتماعی طور پر گاؤں کے اقتصادی استحکام میں اپنا اپنا رول ادا کیا ہے۔

عرس اور نمائش دور دراز کے دیہات کو یہ موقع فراہم کرتی رہی ہیں کہ وہ آپس میں میل ملاپ رکھیں اور اپنی اپنی اشیاء فروخت کریں۔

۱۔ یُس کری گنگہ، سوی کری کراو۔ (کشمیری)

زمین اور پانی کی فراہمی

زیادہ تر کھیتی باڑی زمین پر ہوتی ہے مگر جھیلیں بھی اجناس خوراک کی بڑی مقدار پیدا کرتی ہیں۔ خریف کی بڑی فصلیں، چاول، مکئی، روئی، باجرہ، دالیں اور تل ہیں، گندم، جو، افیون، خشخاص، پٹ سن، مٹر، لوبیا ربیع کی فصلیں ہیں، لوگوں کی عام خوراک، چاول ہے۔ دھان کی فصل کی کامیابی کا دارومدار خاص حالات پر ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ سردیوں میں پہاڑوں پر خوب برف گرے تاکہ گرمیوں میں ندی نالوں کا پانی زوروں پر ہو، دوسرے یہ کہ مارچ میں اچھی بارشیں ہوں۔ تیسرے یہ کہ اس کے بعد کے مہینوں میں دن گرم اور راتیں ٹھنڈی ہوں۔ اور پھر جب فصل پک جائے تو بارشیں نہ ہوں۔ ورنہ قحط ہو جاتا ہے اور یہ قحط ہزاروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ زین العابدین نے گنّے کی کاشت شروع کروائی تھی مگر یہ تجربہ کامیاب نہ ہوا۔

پانی کی پیداوار میں سنگھاڑہ ہے جسے مقامی زبان میں گور کہا جاتا۔ یہ بڑی غذائی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ اکتوبر میں تیار ہوتا ہے اور اس کی بڑی مقدار جھیل ولر میں پیدا ہوتی ہے۔ ۱۸۶۵ء میں صرف اس ایک جھیل سے ساٹھ ہزار ٹن سنگھاڑہ حاصل کیا گیا تھا جو تیس ہزار آدمیوں کے لیے پانچ ماہ کی خوراک بن سکتا ہے۔ دوسری غذائی جنس جو اسی موسم میں جھیلوں میں پیدا ہوتی ہے کنول اور تیسری جنس جوار ہے یہ بھی بڑی غذائی قدر و قیمت رکھتی ہے۔

ڈل جھیل، انچر جھیل، اور ولر جھیل میں مشہور تیرنے والے جزیرے ذہین کشمیریوں کی حیرت انگیز ایجادات کا ایک نمونہ ہے۔ یہ جزیرے مقامی سرکنڈے اور جھیلوں کی گھاس سے بنائے جاتے ہیں۔ ایسے جنوبی امریکہ میں پیرو کی ٹیٹیکاکا جھیل کے علاوہ دنیا میں اور کہیں نہیں پائے جاتے۔ کشمیری لوگ بہت بڑی مقدار میں کھیرا، خربوزہ اور سبزیاں ان جزیروں میں پیدا کرتے ہیں۔ یہاں کی ایک اور اہم آبی پیداوار مچھلی ہے جو کثرت سے پائی جاتی ہے۔ یہ قدیم ترین ایام سے ہی اہم غذائی جنس شمار ہوتی رہی ہے۔ وادی کی جھیلوں اور دریاؤں میں مچھلی کی گیارہ سے زیادہ اقسام ملتی ہیں۔

پھل اور پھول

کشمیر پھلوں اور پھولوں کا ملک ہے۔ غالباً ایشیا کا کوئی ملک باغبانی کے لیے اتنی قدرتی آسانیاں نہیں رکھتا۔ دیسی پھلوں میں سیب، ناشپاتی، انگور، شہتوت، اخروٹ، بہی، چیری، شفتالو، خربانی رس بھری اور کروندے کا پھل شمار کیا جا سکتا ہے۔ کشمیر کے پھلوں کی کیفیت و کمیّت کے بارے میں مرزا حیدر دغلت نے ۱۵۴۱ء میں لکھا تھا۔ ناشپاتی، شہتوت اور چیری بھی ملتی ہے مگر سیب خصوصیت سے بہت عمدہ ہیں، دوسرے پھل بھی کثرت سے ملتے ہیں۔ عجائبات کشمیر میں سے توت کے پودوں کا تنوّع بھی ہے جو ریشم کے کیڑے پالنے کے لیے لگائے جاتے ہیں۔

کشمیر میں پھل اس قدر زیادہ ہوتے ہیں کہ وہ کم ہی بیچے اور خریدے جاتے ہیں۔ باغ رکھنے والا، اور نہ رکھنے والا دونوں برابر ہوتے ہیں۔ کیونکہ باغات کی دیواریں نہیں ہوتیں اور یہاں پھل اٹھانے سے کسی کو روکنے کا رواج نہیں ۱۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد ۱۵۵۰ء میں جب مرزا حیدر کی موت واقع ہوئی۔ تو پھل اٹھانے پر پابندیاں اتنی شدید ہوگئیں کہ غازی شاہ چک (۱۵۵۴ - ۶۲) نے پھل کی چوری پر ایک سات سالہ بچے کے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دے دیا تھا۔ اکبر اور جہانگیر نے کابل اور قندہار کے بعض خاص میوے یہاں لگوائے، اور صنعت میوہ کو ترقی دینے کی کوشش کی۔ جب اعتقاد خان (۱۶۲۲ - ۳۲ء) نے گورنر کی حیثیت سے نجی باغات پر قبضہ کرنا چاہا تو لوگ مجبور ہو گئے کہ وہ خوف کے مارے اپنے اپنے باغات کے نام و نشان مٹا دیں۔ اعتقاد خان کو مظالم ڈھانے کے الزام میں شاہجہان نے برطرف کر دیا تھا۔

زعفران

پھولوں میں زعفران خاص کاروباری افادیت کا حامل پھول ہے۔ قدیم زمانوں سے ہی کشمیر کا

۱۔ تاریخ رشیدی ص ۴۲۵۔

زعفران شہرہ آفاق رہا ہے۔ اس کی ہمیشہ سے ہی مسالے اور رنگ کے طور پر ضرورت رہی ہے۔ روحن زعفران اور مرہم زعفران کا کلہن نے بھی ذکر کیا ہے۔

زعفران کی کاشت زیادہ تر پام پور کے اڑوس پڑوس میں لت پورا اور سم پور گاؤں کے درمیانی علاقہ میں دریائے جہلم کے دائیں کنارے کی جاتی ہے۔ ابوالفضل کے مطابق زعفران کی کاشت ایک میل کے رقبہ میں اندرکوٹ میں بھی کی جاتی تھی۔ غالباً۔ اس کو غلط اطلاع ملی تھی کیونکہ جہانگیر اس کے بیان کی تردید کرتا ہے جب وہ لکھتا ہے کہ پورے کشمیر میں زعفران صرف پام پور میں ہوتا ہے (۱)

تاریخ بتاتی ہے کہ کرنل میاں سنگھ (۱۸۲۱ء) نے جب وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں کشمیر کا گورنر تھا۔ دمودر اُڈر اور مارتنڈ کے مقامات پر زعفران اگانے کا تجربہ کیا۔ لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی۔ کشمیر سے باہر زعفران کشتواڑ میں پیدا ہوتا ہے۔

زعفران پر ہمیشہ حکومت کا کنٹرول رہا ہے۔ آزاد سلاطین کے عہد میں زعفران کے پھول چننے کے لیے جبری مزدوری یعنی بیگار سے کام لیا جاتا تھا۔ لوگوں کو دبایا جاتا انہیں کہا جاتا کہ وہ زعفران کے پھول پتی اور شاخ سے جدا کریں۔ معاوضے میں ان کو تھوڑا سا نمک ملتا۔ جو آدمی ایک پل وزن پھول چنتا وہ ایک پل وزن نمک مزدوری میں پاتا۔ غازی خان چک کے دور میں زعفران چننے کے لیے ..... بیگار کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ جن لوگوں کو پھول چننے کے لیے ملازم رکھا جاتا۔ ان کو گیارہ ترک وزن صاف کرنے کے لیے ملتے۔ جن میں سے ایک ترک وزن پھول وہ مزدوری کے طور پر لے لیتے بقیہ دس ترک وزن کے ... دو اکبر شاہی سیر صاف پھول، پیش کرتے، مطلب یہ کہ دو اکبر شاہی من ناصاف پھولوں کے عوض دو سیر صاف پھول لیے جاتے۔

یہ ظالمانہ ٹھیکیداری کا کام ۱۵۹۷ء میں اکبر کے ذریعے ختم کیا گیا۔ تاہم اس کی موت کے بعد مرد اور عورتیں پھر جبراً گل چیننی کا کام کرنے لگیں، ان کو مزدوری میں تھوڑا سا نمک دیا جاتا۔ جب

۱۔ تُوزک جہانگیری ص ۱۷۷

ایسے مظالم شاہجہان کے علم میں لائے گئے تو اس نے سرکاری فرمان کے ذریعے یہ طریقہ ختم کر دیا۔ اس نے حکم دیا کہ وہ زعفران جو سرکاری زمین میں ہو اس کے پھول ایسے آدمیوں کے ذریعے چنے جائیں جن کو مناسب مزدوری ملے، لیکن اس نے جاگیرداروں کو جن کے زعفران کے اپنے کھیت تھے یہ اجازت دے دی تھی کہ وہ جس طرح چاہیں پھول چنیں، پٹھان عہد میں زعفران کی پیداوار نیلام کی جاتی تھی جو آدمی سب سے زیادہ بولی دیتا وہ رزپیہ سرکاری خزانہ میں جمع کرواتا۔ تب وہ پھول چنواتا۔ اور پھر حسب منشا انہیں فروخت کرتا، سکھ اور ڈوگرہ حکمرانوں کے دور میں بھی یہی طریقہ رائج رہا۔

صنعتیں

کشمیر کو ایشیا میں خوب صورت مقام کی حیثیت حاصل ہے۔ کشمیری لوگوں کو بہترین فنکاری اور ہنرمندی کا قدرتی تحفہ ملا ہے۔ موسم سرما میں جب ٹرانسپورٹ اور مواصلات کا نظام معطل ہو جاتا ہے تو اکثر رعایا کی گزر اوقات کا کام گھریلو دستکاریاں ہی رہ جاتی ہیں۔ وہ قدرتی وسائل سے جن کی کوئی کمی نہیں ہوتی فائدہ اٹھاتے ہیں اس طرح وہ اس ضرب المثل کو سچا ثابت کر دکھاتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ [illegible] قدرتی وسائل اس کی ماں۔

زیر نظر عہد میں اہم اور کاروباری قدر و قیمت کی حامل گھریلو صنعتیں پہلے سے چلی آ رہی تھیں۔ کشمیریوں نے کپڑا بننے اور کاغذ اور مشہور پیپر ماشی کی اشیا بنانے میں نام پیدا کیا، لکڑی پر کام، پتھر کا کام، پتھر کو پالش کرنے کا کام، بید کا کام وغیرہ وغیرہ خوب جانتے تھے وہ شراب اور روغن کشید کرتے تھے، برنیئر نے ان کو خراج پیش کیا ہے۔ اس نے ۱۶۶۳ء میں لکھا تھا۔ ان کی صناعی اور دوسری چیزیں قابل تعریف ہیں ان کی بنائی ہوئی چیزیں ہندوستان کے ہر حصہ میں زیر استعمال ہیں (۱)

ان میں سے اکثر صنعتیں سلطان زین العابدین کے عہد میں شروع ہو کر تکمیل کو پہنچی تھیں۔ وہ

---

(۱) برنیئر [illegible]

خود بھی خاص سوچ اور بصیرت کا مالک تھا اس نے ایران، سمرقند اور بخارا کے ممتاز فنکاروں کی سرپرستی کی اور ان کو کشمیر میں لاکر آباد کیا۔ جنھوں نے اپنی صنعت و حرفت کو کشمیریوں میں مقبول بنایا۔ اس طرح اس نے مردوں اور عورتوں کو سردیوں کے موسم میں نفع بخش کاموں میں لگا دیا خصوصاً اس زمانے میں جب وہ وقت ضائع کر دیتے تھے اور فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے۔ زین العابدین کے عہد میں صنعت قالین بافی اور ابریشمی کپڑے کے بارے میں صحیح اور قیمتی معلومات شریور نے بہم پہنچائی ہیں۔

مرزا حیدر دوغلت کشمیری صنعت و حرفت اور کشمیریوں کی فنکارانہ ذہانت دیکھ کر حیران رہ گیا تھا وہ لکھتا ہے۔ کشمیر میں آدمی کو صنعت و حرفت کے وہ تمام نمونے مل جاتے ہیں جو دوسرے ممالک میں لوگوں کے لیے اوپرے ہیں۔ مثال کے طور صیقل سنگ، سنگ تراشی، شیشہ سازی، تب دان تراشی، اور زرکوبی وغیرہ کی صنعتیں۔ آخر میں وہ لکھتا ہے، یہ سب کچھ سلطان زین العابدین کا صدقہ ہے (۱)

شہر سرینگر کے علاوہ آہستہ آہستہ دست کاریوں کی منڈی بن گیا تھا۔ دوسرے شہروں مثلاً اننت ناگ (اسلام آباد) سوپور، بارہ مولہ پور، شوپیاں، زینہ گیر اور خاص طور سے کلگام نے بھی کچھ ترقی پذیر گھریلو صنعتوں میں تخصص پیدا کر لیا تھا۔ یہاں ہمیں پرانے صنعت کار ملتے تھے اور وہ انتظامیہ بھی دیکھنے میں آئی تھی جس میں یہ لوگ کام کرتے تھے۔

چرخے اور ان کے پیچھے پوشیدہ طاقت قدیم کشمیری زندگی کی سادگی کا نمونہ تھی ہاتھ سے کاتنا اور ہاتھ سے بننا، خاص طور سے عورت کے لیے بنیادی، عمومی اور نفع بخش شغل تھا۔ اقتصادی نقطہ نظر سے سب سے زیادہ منفعت بخش یہی پیشہ تھا۔ اس پیشے میں اسی فیصد سے زیادہ عورتیں مصروف رہتیں یہ صنعت اگر غربا کے لیے ذریعہ معاش تھی تو امراء اور متوسط طبقہ کی عورتیں بھی اپنے گھریلو استعمال کے لیے پشمینہ کی چیزیں تیار کرتی تھیں اور ایک سود مند کام میں مصروف بھی رہتی تھیں پھر اس کے پیچھے فن شاعری اور تعلیم بھی کارفرما تھی، عورتیں چرخہ کاتتے ہوئے اپنے بچوں کو داستانیں، مذہبی

۱۔ تاریخ رشیدی ص

واقعات اور تاریخی کہانیاں سنایا کرتیں۔ یہاں پر چند خاص دست کاریوں پر ایک نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔

۱۔ پٹّو

کشمیر میں اون کو پَرَہ اور اونی کپڑے کو پٹّو کہتے ہیں۔ مغل عہد سے قبل مردوں اور عورتوں کے لباس کی تمام چیزیں اون سے ہی بنائی جاتی تھیں۔ روئی کا کپڑا بڑی مقدار میں درآمد کروایا جاتا تھا۔ کیونکہ مقامی طور پر یہ کم تیار ہوتا تھا۔

پٹّو کی صنعت کو سلطان زین العابدین کے عہد میں اچھی طرح منظم کیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ آج بھی زینہ گیر کے نمدوں کی بڑی مانگ ہے۔ گرم اونی لوئیوں کی وہ خواہ ایک پٹی کی ہوں یا دوپٹی کی نیز چادر خود رنگ ہو، یا قلم پٹّو ان کی آج بھی بدستور مانگ ہے اور یہ معقول قیمت پر بکتی ہیں۔ موسم سرما کے لیے واحد موزوں اور سستا گرم لباس یہی ہے۔ کشمیر کا مشہور گبہ پھٹے ہوئے نمدوں سے بنایا جاتا ہے ٹکڑوں کو مختلف رنگوں میں رنگنے اور پھر ان کو کئی مختلف شکلوں میں کاٹنے کے بعد آپس میں جوڑ دیا جاتا ہے اور ان سے ایک خوبصورت قالین تیار ہو جاتا ہے۔ اگر پٹّو کے بہترین نمدے بانڈی پور، سوپور اور زینہ گیر میں بنتے ہیں تو اننت ناگ اپنے بہترین گبوں کے لیے مشہور ہے۔

۲۔ شال

کشمیر غالباً پورے کرۂ ارض پر شال کے لیے مشہور ہے اور وہ اون جسے مقامی زبان میں کل مپ کہتے ہیں، اور جس سے شال بنتا ہے سلسلۂ کوہ پامیر کی بھیڑوں اور یاک سے حاصل ہوتی ہے یہ بے حد عمدہ اور اس قدر گرم ہوتی ہے کہ ان جانوروں کو شدید بیرونی سردی سے محفوظ رکھتی ہے صدیوں سے کشمیری صنعت کار شال بناتے رہے ہیں جس کی عمدگی ایک ضرب المثل بن گئی ہے۔ اس حقیقت میں کوئی مبالغہ نہیں کہ ایک پورے شال کو انگشتری کے حلقے سے نکالا جا سکتا تھا۔ اس کا راز

اون کی قدرتی نفاست میں جو پھتان شن (کوہ پامیر) سے درآمد کرائی جاتی اور کشمیر کے جولاہوں کی فنکارانہ تکمیل میں مضمر ہے۔

زمانۂ قبل تاریخ سے شال کی اون تبت اور لداخ سے درآمد کی جاتی تھی۔ انیسویں صدی کے دوران کشمیر نے ایک لاکھ اٹھائیس ہزار پونڈ اون سالانہ درآمد کی۔ عمدہ منقش شال کی وجہ سے کشمیر کو دنیا میں شہرت حاصل ہوئی۔ مغل عہد میں ہندوستان میں کشمیری شال کی مانگ بہت زیادہ تھی۔

شال کی اون کشمیر کے لیے ایک اہم اقتصادی و تجارتی جنس رہی ہے۔ اس وقت سے لے کر جب اون لداخ یا تبت میں خریدی جاتی اس وقت تک جب یہ جولاہے اور کشیدہ کار کے ہاتھوں عمدہ شال بن کر باہر آتی۔ تقریباً پندرہ مختلف خاندان جو اس کی بنائی کے مختلف کاموں سے متعلق ہوتے اس سے روزی کماتے تھے۔

کشمیری شال نے بین الاقوامی شہرت پالی تھی اور یورپ میں اس کی بڑی مانگ تھی۔ تاہم ۱۸۷۰ء کی فرانکو۔ جرمن جنگ کے بعد یورپ میں اس کی مانگ آہستہ آہستہ گھٹتی چلی گئی۔

سلطان زین العابدین نے شال بافی کو ایک قومی صنعت کے طور پر ترقی دی۔ اسی کے عہد میں کشمیری شال پہلے پہل برصغیر میں تحفہ کے طور پر اور پھر ایک نفع بخش تجارتی مال کی حیثیت سے پہنچا عمدہ و نفیس شال کی بھی کئی اقسام تھیں ان میں جامہ وار بہترین تھا

اکبر نے ۹۸۶ھ (۱۵۸۶ء) کشمیر کو اپنی سلطنت کا حصّہ بنایا تو عمدہ شال کو پرم نرم کا نام دیا۔ مغلوں کے سامان تعیش میں شال ایک ضروری چیز بن گیا تھا اور اس کی قیمت ہزاروں روپے تک پہنچی تھی۔ ۱۷۸۳ء میں جب پٹھان اقتدار اپنے عروج پر تھا۔ رچھ پر معمولی شال کی قیمت آٹھ روپے تھی اور بہت عمدہ شال چالیس روپے میں بکتا تھا لیکن صنعت کے فروغ سے خام مال کی قیمتیں چڑھ گئی تھیں جس کی وجہ سے شال کی قیمت ڈیڑھ روپے تک بڑھ گئی تھی۔ ۱۸۲۵ء میں جب سکھ حکومت کو پندرہ سال ہو چکے تھے ایک عمدہ منقش شال تین ہزار روپے میں پڑتا تھا (۱)

۱۔ ہیوگل: سفرنامہ ص ۱۲۰

۲۔ ابریشم

پہلی مرتبہ ابریشمی کپڑے کا ذکر ہمیں سلطان زین العابدین کے دور میں ملتا ہے۔ یورپی سیاحوں کو غلط فہمی ہوئی کہ ریشم کا کیڑا مرزا حیدر دغلت نے کشمیر میں منگوایا تھا۔ اس نے حکمران کشمیر (۱۵۴۰-۱۵۵۱ء) ...... کی حیثیت سے دیکھا تھا کہ ابریشمی پارچہ جات پہلے ہی یہاں موجود ہیں وہ لکھتا ہے کہ عجائبات کشمیر میں سے ایک توت کے پودوں کا تنوع ہے جن کے پتوں پر ریشم کا کیڑا پالا جاتا ہے (۱) جہانگیر کے کہنے کے مطابق کشمیر، کرم ریشم کے انڈے گلگت اور تبت سے درآمد کرتا تھا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ صنعت شال بافی کی طرح صنعت ابریشم سازی کو تجارتی غرض سے ابھی تک منظم نہیں کیا گیا تھا کیونکہ اس کی مانگ کچھ زیادہ نہیں تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بیسویں صدی کے شروع میں اس صنعت نے صنعت شال بافی کی جگہ لینا شروع کر دی تھی۔ آج یہ سب سے بڑی سرکاری صنعت ہے اور بے شمار لوگوں کا ذریعہ معاش بھی۔

۴۔ کاغذ

کاغذ بنانے کے عمل کا انکشاف سب سے پہلے سمرقند میں ہوا۔ کشمیر میں اس صنعت کو ایران اور سمرقند سے چودھویں اور پندرہویں صدی کے دوران آنے والے مسلمان مہاجرین اپنے ساتھ لائے تھے۔ جب سلطان زین العابدین نے اپنا دارالحکومت نوشہر میں منتقل کیا تو اس صنعت کو بھی اس کی ذاتی توجہ نصیب ہوئی۔ رفتہ رفتہ صنعت کاغذسازی پھیلتی اور مقبول ہوتی چلی گئی۔ مغل اور پٹھان دور میں کشمیری کاغذ کی مانگ برصغیر پاک و ہند میں بہت زیادہ تھی اس کے کچھ چمک دار نمونے، فرماشی، دہ ماشی، کلام دانی، اور رنگ ساز کہلاتے تھے۔ اسے دھو سکھا کر دوبارہ استعمال میں

---

۱ تاریخ رشیدی ص ۴۲۵۔

لایا جا سکتا تھا۔ شیخ محمد یعقوب صرفی عبدالقادر بدایونی کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے۔ اگر آپ کو رف استعمال کے لیے کشمیری کاغذ کی ضرورت ہو تو امید ہے کہ آپ مجھے لکھیں گے تاکہ میں آپ کو اپنی تفسیر و حواشی کی رف کاپیاں بھیج دوں جن سے تحریر کو اس طرح دھویا جا سکتا ہے کہ اس پر روشنائی کا کوئی نشان باقی نہیں رہے گا جس طرح آپ نے خود بھی دیکھا ہے۔

مگر رف استعمال کا کاغذ پائیدار نہیں تھا۔ یہ جب تک ٹھیک طرح سے نہ رکھا جاتا زیادہ عرصہ نہیں چل سکتا تھا۔ کشمیری خطاط قیمتی تحریر اس پر نہیں لکھتے تھے۔ وہ اپنا قدیم اور مقامی کاغذ۔ بھوج پتر (توز) استعمال کرتے۔ وہ اسے ہمالیا میں پیدا ہونے والے صنوبر کی چھال کے اندر سے حاصل کرتے جس کی فراہمی مسلسل تھی اور آسان بھی۔ ابوالفضل رقم طراز ہے۔

کشمیر کے لوگ عام طور سے توز پر لکھتے ہیں جو ایک درخت کی چھال ہے اسے خاص مہارت سے کاغذ کے تختوں کی طرح جدا کر لیا جاتا ہے اور سالہا سال تک استعمال میں لایا جا سکتا ہے (۱) اکبر کے دور میں اس کی بڑی مانگ تھی۔

انیسویں صدی کے اواخر تک پنڈت ادیب اور خطاط اسے استعمال کرتے رہے ہیں بھوج پتر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر جوتشی اور پیر تعویذ لکھا کرتے۔ سرینگر میوزیم میں ایک بھوج پتر موجود ہے جو ۱۵۸۷ء میں لکھا گیا اور اس کا سائز ۱۴ × ۲۲ انچ ہے۔ یہ غالباً قدیم ترین نمونہ ہے جو ابھی تک مل سکا ہے یہ حضرت مخدوم شیخ حمزہؒ کا وصیت نامہ ہے۔ سٹائن کو تجربہ ہوا تھا کہ بھوج پتر اور اس پر لکھی ہوئی تحریر پانی میں باقی رہ سکتے ہیں۔ ہوا یوں کہ راج ترنگنی کا مسودہ جو بھوج پتر پر ۱۷۴۹ء میں لکھا گیا تھا ۱۸۹۰ء میں اوسٹنڈ کی بندرگاہ پر قلی کی غفلت کے سبب سمندر میں گر پڑا۔ پھر خوش قسمتی سے وہ اسے نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ لکھتا ہے۔

سمندری پانی میں بھیگ جانے کے باوجود اس پر کوئی نشان نظر نہیں آتا تھا جسے محسوس

۱۔ آئین اکبری۔ ادیب شاہ ج ۰۲ ص ۳۵۲

کیا جا سکے قدیم ساخت کا کشمیری کاغذ اسی طرح بھیگنے پر سالم رہ سکتا ہے اور اس روشنائی پہ جسے آج بھی کشمیری پنڈت سنسکرت مسودات کی تحریر میں استعمال کرتے ہیں پانی کا کوئی اثر نہیں پڑتا ۱۰"

حقیقت یہ ہے کہ کاغذ کی صنعت ہو یا بھوج پتر کی، کشمیری مسلمانوں اور پنڈتوں کی ایک بڑی تعداد کا ذریعہ معاش تھی۔ اس صنعت میں اگر ایک تعداد ان پڑھ مزدوروں کی کام کرتی تو ایک بڑی تعداد ان پڑھے لکھے لوگوں کی بھی برسرِ روزگار تھی۔ جو عربی، فارسی اور سنسکرت میں مسوّدے لکھتے۔ نوجوان فرانسیسی سیاح اور سائنس دان وکٹر جیک مونٹ کی قابل اعتماد رپورٹ کے مطابق ۱۸۲۱ء میں کشمیر میں سات سو سے لے کر آٹھ سو تک خطاط و مسوّدہ نویس موجود تھے جو صرف فرمائش پر کام کرتے۔ وہ قرآن یا شاہنامہ فردوسی کو نقل کرنے کچھ اور کتابوں کو بھی لکھا جاتا تھا جن کی باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی تھی۔ وہ لکھتا ہے بہترین خطاط کو شاہنامہ یا دیوان حافظ کے ایک ہزار شعر کی کتابت کے لیے ایک روپیہ ملتا ہے۔ ایک کاتب زیادہ سے زیادہ دن میں دو سو شعر لکھ سکتا ہے اور اس طرح وہ روزانہ تین آنے کما لیتا ہے۔ افغان عہد حکومت میں مسوّدات کی تجارت کو بے حد فروغ حاصل ہوا۔

۰۸ فن و ہنر ——— بید کا کام

کشمیر میں شہتوت اور بید کے درختوں کی کثرت ہے بید کا کام کشمیر کی گھریلو صنعت کا نمایاں پہلو ہے بید کی شاخوں سے کشمیریوں کا چالاک و ہوشیار ہاتھ بیشمار خوبصورت چیزیں بنا لیتا ہے۔ مثال کے طور پر ٹوکرے، بکس، کرسیاں اور کانگڑی وغیرہ۔

لکڑی پر کام

کشمیر کے ترکھان .... عمدہ و نفیس کام کی وجہ سے مشہور ہیں۔ لکڑی کے کام کے بہترین نمونے

---

۱۰ راج ترنگنی سٹائن ج ۱۔ ص ۴۶ (نوٹ ۵)

شاہ ہمدان، بہاؤالدین صاحب اور مدن صاحب کی مساجد میں آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ آرٹ مرزا حیدر دغلت (۱۵۴۳ء) اور ڈاکٹر برنیئر (۱۶۶۳ء) کی حیرت کا موجب بنا تھا۔ کشمیر کے ترکھانوں نے کشتی شکارا پرندہ، تخت رواں اور خاتم بندی بنانے نیز منبت کاری، الماری، بازی اور پل سازی کی صنعت میں بے حد شہرت حاصل کی ہے۔

پیپر ماشی

پیپر ماشی ایک ایسی اصطلاح ہے جس میں متعدد دست کاریاں شامل ہیں جن میں کاغذ کے گودے کو کام میں لاکر پریس کیا جاتا اور کئی شکلوں میں ڈھالا جاتا ہے۔ دست کاریوں کے جن نمونوں میں چمک پیدا کرنے کے لیے سنہری روغن، سونا، چاندی اور چمکدار رنگ بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔

قلم دان، ایک سٹینڈ، فریم، صابن دانی، اور ٹرے وغیرہ منقش چھتوں میں پلستر کی جگہ بھی پیپر ماشی کا کام کیا جاتا تھا۔ بنیادی طور پر اس آرٹ کو کار قلمدانی یا "کار منقش کہا جاتا تھا۔ کیونکہ اس کے بہترین نمونے قلمدان، اور منقش ظروف پر ہی ملتے تھے۔

پتھر اور اینٹ کا کام

سر الیگزنڈر کننگھم کے مطابق کشمیر کے تعمیراتی آثار قدیمہ غالباً ہندوستان بھر میں اہم ترین آثار ہیں ہندو مندروں کے موجود خرابے ان کے معماروں کی فنکارانہ قابلیت اور ذوق لطیف کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ مرزا حیدر دغلت کشمیر کے ہندو مندروں کو آرٹ کا عجیب نمونہ قرار دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

یہ (مندر) ترشے ہوئے پتھر سے بنائے گئے ہیں ایک کو دوسرے پر اس مہارت سے جوڑا گیا ہے کہ ان کے اندر سیمنٹ بالکل ہی استعمال نہیں ہوا اور بڑی احتیاط سے پلستر یا گارے کے بغیر اس طرح رکھا گیا ہے کہ جوڑوں میں سے کاغذ کا تختہ نہیں گزر سکتا۔ (۱) ۔ وہ کشمیر کے

ا۔ تاریخ رشیدی، ص ۴۲۵

فن صیقل گری کی بھی تعریف کرتا ہے. پتھروں پر پالش کرنے کے فن کے نمونے آج بھی مغل باغات کی عمارتوں خصوصاً شالامار کی عمارتوں میں، دیکھے جا سکتے ہیں.

کشمیر کے سنگ تراش عمدہ نمونے تراشتے اور ان کو روشوں، فرشوں، قلعوں، اور دیواروں کے لیے سنوارتے تھے.

ہری پربت پہاڑی کے ارد گرد فصیل کی تعمیر کے موقعہ پر اکبر نے ایک کروڑ دس لاکھ روپیہ خرچ کیا تھا اس فصیل کے اندر دارا شکوہ نے ملا شاہ کے لیے ترشے ہوئے پتھروں کا رہائشی مکان تعمیر کروایا تھا جس پر ساٹھ ہزار روپے خرچ آئے تھے.

ان دو نمونوں سے آدمی اس بھاری رقم کا اندازہ کر سکتا ہے جو کشمیر میں مغل باغات کی روشوں میں صرف ہونے والے پتھروں کو تراشنے اور پالش کرنے پر اٹھی تھی۔ یہ اور اس کے علاوہ اور روپیہ کشمیریوں کی سماجی، اقتصادی اور ثقافتی سرگرمیوں کی توسیع میں خرچ کیا گیا.

اس عہد میں اینٹ کا کام بھی اپنے عروج کو پہنچا۔ کشمیریوں نے پکی اینٹ بنانے اور اسے پالش کرنے کا فن سمرقند، بخارا اور ایران کے مہاجروں سے سیکھا تھا. اینٹ ہر قسم کی عمارت میں استعمال ہوتی تھی۔ پالش کیا ہوا ٹائیل مدین صاحب۔ کے مزار کے سامنے والے رخ میں استعمال ہوا ہے۔ اس کا دروازہ تو خصوصی طور پر خوبصورتی کا شاہکار ہے۔ سر جان مارشل لکھتا ہے کہ ٹائیل کا یہ کام سب سے زیادہ قیمتی آثار میں سے ایک ہے جو کشمیر میں پائے جاتے ہیں۔ مجھے سارے برصغیر میں صرف تین یادگار عمارتیں معلوم ہیں جہاں ایسا ٹائیل استعمال ہوا ہے (۱)

کمہار اور لوہار کا کام

چھوٹی ٹکر مفید دست کاریوں میں مٹی کے برتن اور لوہے کے اوزار کا ذکر کیا جا سکتا ہے. کشمیری

۱۔ آرکیالوجیکل سروے رپورٹ ۱۹۰۶ء ص ۱۶۳

مسلمان اور ہندو ۱۸۱۹ء میں سکھوں کی آمد تک پکانے کھانے اور پانی رکھنے کی غرض سے مٹی کے ظروف پر قناعت کرتے رہے جنہیں وہ نرم کشمیری مٹی سے بناتے تھے سری نگر میوزیم میں مٹی کے خوبصورت بڑے بڑے مٹکے موجود ہیں۔ جنہیں وادی کے بعض تاریخی خرابوں سے کھود کر نکالا گیا۔ ان میں غلّہ اور شراب رکھی جاتی تھی۔ چونکہ لوہے کی مانگ زیادہ تھی اس لیے یہ پونچھ اور چین سے درآمد کیا جاتا۔ وہ اوزار جو خانہ داری، نجّاری اور جنگل داری میں کام آتے وہ لوہے سے بنائے جاتے تھے۔ لڑنے کی غرض سے بنائے جانے والے تیروں کی نوک بھی لوہے کی ہوتی تھی۔ سرینگر میں کمان گر پورنامی محلّہ آج بھی موجود ہے جس کا نام ظاہر کرتا ہے کہ یہاں کسی زمانے میں تیر و کمان بنائے جاتے ہوں گے۔ سرینگر میوزیم میں عمدہ قسم کی فولادی و آہنی تلواریں تیر چھٹے اور کانٹے وغیرہ موجود ہیں جو ماضی میں آلات حرب کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ روسی چائے دانی جسے سماوار کہا جاتا ہے۔ کشمیر کے لوہار کا کام کی عمدہ مثال ہے۔

تجارت

مواصلات اور ٹرانسپورٹ کی شدید مشکلات کے باوجود کشمیر جنوب کی طرف سے برصغیر اور شمال و شمال مغرب کی جانب سے تبت، نیپال، چین، مرکزی ایشیا اور کابل کے ساتھ ثقافتی و تجارتی تعلقات برقرار رکھے رہا ہے۔ وکٹر جیک مونٹ۔ نے ۱۸۳۱ء میں لکھا تھا کشمیری تجّار کشمیر سے طہران حتیٰ کہ مشہد تک ہر جگہ جاتے۔ وہ لاہور، دھلی، بمبئی، بوشہر اور شیراز وغیرہ سے گزرا کرتے تھے۔ اسلامی حکومت کے قیام سے قبل کشمیری تجّار الہ آباد، بنارس، لکھنو اور متھرا بلکہ برصغیر کی ہر اہم جگہ تجارت کی غرض سے جایا کرتے تھے۔ وہ اپنا تجارتی مال لے کر نکلتے۔ اور ایک طرف کابل۔ یارقند اور سمرقند ایسے دور دراز مقامات، اور دوسری طرف ہند۔ لداخ۔ بلتستان تبت اور چین ایسے قریبی ملکوں سے سامان خرید کر لاتے۔

عام حالات میں نمک گجرات اور راولپنڈی سے درآمد کیا جاتا تھا۔ جب پنجاب سے مواصلات برقرار نہ رہتے تو نمک لداخ اور تبت سے منگوایا جاتا۔ لداخ اور تبت سے یہ لوگ شال کی اون منگواتے چائے نافہ اور چینی کے برتن تبت، چین اور مرکزی ایشیا سے درآمد کروائے جاتے۔ پوستین، قالین، نمدہ اور گھوڑا، یارقند اور کاشغر سے خریدا جاتا۔ نواب اعتقاد خان نے اپنی گورنری کے زمانے (۱۷۲۲ء) میں پان اور عمدہ قسم کا چاول برہان پور سے درآمد کیا تھا۔ موٹا کپڑا، گندم، دوائیں، شکر، آم، لوہا۔ تانبا، پیتل اور شیشے کی کراکری، سونا، چاندی اور سامان تعیش برصغیر سے درآمد کیا جاتا تھا۔ نمک کو چھوڑ کر جو اس ملک میں نہیں پایا جاتا۔ جہاں تک دیگر ضروریات زندگی کا تعلق ہے۔ کشمیری مغل حکومت کے قیام سے پہلے ان میں خودکفیل تھے۔ شالیں، پشمی ملبوسات، کاغذ، پیپر ماشی کا سامان، زیرہ، دودھ کی پیداوار، تازہ اور خشک میوے، ٹوکرے، شہد اور جنگلی جڑی بوٹیاں وغیرہ مغل صوبہ بن جانے کے بعد کشمیر کا اہم سامان تجارت تھا۔

یارقند، سمرقند، بخارا، اور کاشغر کے حجاج، مکہ اور مدینہ جاتے ہوئے سرینگر سے گزرتے تھے وہ اپنے ساتھ گھوڑے، قالین، نمدے، ریشم، چینی، چائے اور سونا لایا کرتے تھے۔

کشمیری تجار ان ملکوں میں اپنی منڈیاں قائم کرتے۔ جہاں کشمیری مال کی مانگ ہوتی۔ اسی طرح بیرونی تاجروں کے سرینگر میں دفاتر تھے، مسلمان حکمرانوں کے عہد میں کچھ کشمیری تاجروں اور مبلغوں نے سیاسی و ڈپلومیٹک فرائض بھی انجام دیئے۔

سامان کا تبادلہ یا اس کی فروخت ہنڈی کے ذریعے ہوتی جس کو متعلقہ فریق پابندی سے قبول کرتے ۱۵۸۷ء کے بعد درآمد و برآمد کی افزائش کے باعث کشمیر کی آمدنی میں بھی بتدریج اضافہ ہوا اور معیار زندگی بھی بہتر ہوتا چلا گیا۔

بدقسمتی سے مغل اور پٹھان حکمرانوں نے کشمیری عورتوں کی خرید و فروخت کی بدترین حد تک حوصلہ افزائی کی۔ انہوں نے پورے کشمیر کو لونڈیوں کی تجارت کی منڈی میں تبدیل کر دیا تھا۔ ہر مغل یا پٹھان سردار خوبصورت کشمیری لڑکیوں کو بطور بیوی یا داشتہ منتخب کر لیتا۔ پشاور سے لکھنؤ تک ان کی

خرید و فروخت کے مراکز تھے۔ ۱۵۸۷ء میں ایک کشمیری دوشیزہ کو دو سو روپے میں خریدا جا سکتا تھا(۱)

اقتصادی اسباب

۱۔ چاول

چاول یہاں کے باشندوں کا من بھاتا کھاجا ہے۔ یہ ان کی اقتصادی زندگی میں بے حد اہمیت
رکھتا ہے۔ شالی صدیوں سے سکۂ رواں چلی آئی ہے۔
دارالضرب میں ڈھلے ہوئے سکّے ان کے لیے یا تو اوپرے تھے یا پھر معمولی اہمیت کے حامل
تھے، وزن کا پیمانہ ایک خروار شالی تھا۔ ریاست مالیہ، شالی کی صورت میں وصول کرتی تھی۔ رعایا بھی
لین دین کا کاروبار شالی میں ہی کرتی تھی۔ ایک فرد کی دولت کا تعین بھی شالی کی اس مقدار سے کیا جاتا
تھا جو اس کے پاس موجود ہوتی۔ لوگوں کی امارت و غربت کا انحصار بھی شالی کی بیشی و کمی پر ہوتا۔ عہد وسطیٰ
میں کشمیر کی ہر حکومت کا اندازہ صرف ایک سادہ سے معیار یعنی چاول کی قیمت سے کیا جاتا۔
۱۵۸۶ء تک شالی تجارت کا رابطہ رہی ہے۔ جب کشمیر کو اکبر نے فتح کر کے اپنی سلطنت کا
حصہ بنایا تو زندگی کی راہیں یکسر تبدیل ہو گئیں۔ اب چاندی اور سونا پھیلنے لگا۔ اقتصادی حالات نے
نئی کروٹ لی، اور ایک نئے تمدن کی بنیادیں استوار ہونے لگیں۔ اب ہنڈی کا طریقہ بھی مروّج ہوا
اور سامان دور دراز کی ہنڈی پر ہی پہنچتا اور وہاں سے وصول کیا جانے لگا۔
بدقسمتی سے ہمارے پاس کافی مواد موجود نہیں، تاکہ ہم شالی کرنسی کو نقد کرنسی کے ساتھ برابر کر

۱۔ مجالس المومنین ص ۵۱

سکیں۔ تاہم مختلف حوالے بتاتے ہیں کہ ایک خروار شالی کی قیمت، اونتی ورمن (۸۳ - ۸۵۵ء) کے خوشحال عہد حکومت میں دو سو دینار تھی۔ اسی عہد میں جب قحط رونما ہوا تو یہ قیمت ایک ہزار پچاس دینار ہوگئی۔ سلطان زین العابدین کے دور حکومت میں شالی کی قیمت تین سو دینار تھی۔ ۱۴۶۰ء کے قحط کے نتیجہ میں ایک خروار شالی کی قیمت پندرہ سو دینار تک پہنچ گئی تھی۔ محمد شاہ کے عہد میں ۱۵۴۴ء کے قحط کی وجہ سے یہ قیمت فوراً دس ہزار دینار تک چڑھ گئی۔ قاضی علی (۱۵۸۷ء) نے کئی برسوں کی قیمتیں حاصل کر کے ایک خروار شالی کی قیمت ۲۹ دام یا دو ہزار نو سو دینار مقرر کی تھی۔ پٹھانوں کی حکومت میں مراد خان (۸۸ - ۱۷۸۶ء) کے دور میں ایک خروار شالی کی قیمت پانچ روپے مقرر کی گئی تھی پھر جب ۱۸۱۳ء میں قحط اپنے شباب پر تھا تو اس کی قیمت پندرہ روپے ہوگئی تھی۔ ۱۹۴۰ء میں ایک خروار شالی کنٹرول نرخ پر سات روپے میں بکتی تھی جو ابوالفضل کے بیان کے مطابق اٹھائیس ہزار دینار کے برابر ہے۔

۲۔ نمک

نمک ناگزیر ضرورت زندگی ہونے کی وجہ سے کشمیر میں ہمیشہ گراں رہا ہے۔ کیونکہ یہ مقامی طور پر نہیں پایا جاتا۔ لہذا یہ لداخ، پاکستان اور بنگال سے درآمد کیا جاتا تھا۔ اس کا سہرا مشکل پسند اور دلیر کشمیری تجار کے سر ہے کہ وہ کسی نہ کسی طریقے سے نمک کی باقاعدہ سپلائی کرتے رہے اور جان و مال کا بھاری خطرہ مول لے کر نمک کی باقاعدہ فراہمی کو یقینی بناتے رہے۔ اٹھارہویں صدی کے دوران وہ نمک لانے کے لیے بنگال ایسے دور کے ملک کا سفر کرتے رہے، نواب میر قاسم بنگال کے برطانوی گورنر ہنری وانسی ٹرٹ کو ۱۷۶۲ء میں ان مشکلات کے چشم دید واقعات لکھتا ہے جو کشمیری تاجران نمک برداشت کیا کرتے۔ وہ کہتا ہے کہ سالہا سال سے کشمیری تاجروں کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ سندربن بنگال میں رقم کی ادائیگی کرتے اور نمک حاصل کرتے۔ وہ یہاں نمک کے گودام کے لیے کرایہ ادا کرتے اور نمک پر ٹیکس ڈیوٹی کوئی تیس ہزار روپے تک پہنچ جاتی۔ بدقسمتی سے ۱۷۶۲ء میں فیکٹری کے لوگوں یعنی انگریزوں یا ان کے ایجنٹوں نے ان کو بے دخل کر دیا۔ اور ان کے تمام نمک پر

قبضہ کر لیا۔

ملک میں ابتر سیاسی حالات کے دوران جب جنوب کے راستے بند ہو گئے تو نمک اس قدر گراں ہو گیا کہ ۲/۱ ۱ پل نمک پچیس دینار میں پڑتا، یعنی ابوالفضل کے تخمینے کے مطابق بیس سیر نمک ایک روپے میں فروخت ہوتا۔ ۱۹۴۶ء میں سرینگر میں نمک کا کنٹرول نرخ ایک روپیہ فی سیر تھا جبکہ ۴۸ -۱۹۴۷ء میں سیاسی ابتری کے باعث نمک اور چائے کا سٹاک اس قدر کم ہو گیا کہ یہ دونوں اجناس سونے اور چاندی کی طرح مہنگی ہو گئی تھیں۔

مندرجہ بالا معلومات کے پیش نظر ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ اولاً مغل اور پٹھان ادوار کی نسبت آزاد سلاطین کے عہد میں ضروریات زندگی ارزاں تر تھیں۔ ثانیاً کشمیری دینار کی مالی قدر و قیمت زبانی جمع خرچ کے علاوہ کچھ نہ تھی۔ ۱۸۱۹ء تک صورت حال جوں کی توں رہی۔ ایک واضح مثال یہ دی جا سکتی ہے کہ ۱۰ر جولائی ۱۶۸۲ء کو دو کشمیری پنڈت بھائیوں پنڈت لالہ، اور پنڈت سری کنٹھ نے جو محلہ دیدہ مر سرینگر کے باشندے تھے، مہا بھارت کے دو قلمی نسخے پینتالیس ہزار دینار میں فروخت کیے۔ ظاہراً یہ بہت بڑی رقم ہے۔ لیکن جب ہم اس رقم کو ابوالفضل کے تخمینے پر منطبق کرتے ہیں تو یہ صرف ۲/۱ ۱۱ روپے کے برابر بنتی ہے تاہم مخطوطہ فروش شالی کے مروجہ نرخ کے مطابق اس رقم سے ۴۰ خروار شالی خرید سکتے تھے۔ جو چار رکنی خاندان کے لیے اٹھارہ ماہ تک کافی تھی۔

ثقافتی حالات

کشمیری ثقافت برصغیر پاک و ہند کی ثقافت کی مانند گوناگوں خیالات، عقائد، رسوم، رواج،

۱۔ (۸۵ -- ۱۸۸۰ء)

اور ادیان کی پیداوار ہے۔ تاریخ کے آغاز سے ہی کشمیر متنوّع اور متضاد ثقافتوں کا مرکز رہا ہے۔ کشمیریوں کے افکار کو بدلنے اور ملک کو ثقافتی نقطۂ نظر سے ایک خوبصورت مرقّع بنانے میں مندرجہ ذیل تحریکوں نے اہم رول ادا کیا ہے۔

۱۔ ہندو حکمرانوں کے دور میں

اسلام کے آنے سے قبل کشمیر کے باشندے سانپ پرست تھے اس کے بعد انہوں نے بودھ مت اور برہمن ازم قبول کیا اور کچھ نے جین مت کو بھی اپنایا۔ صدیوں تک بودھ، اور برہمن اقتدار کے لیے آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے۔ ساتویں صدی کے شروع میں بودھ مت سابقہ شاہی سرپرستی اور مقبولیت کھو بیٹھا، ہیون سانگ کے بقول ملک پر بودھ مت کا قبضہ نہیں تھا اور بادشاہ برہمن مندروں کے بارے میں ہی سوچتے۔ حکومت کی سرپرستی کا نہ ہونا آہستہ آہستہ بودھ مت کے ثقافتی اور اخلاقی زوال کا سبب بن گیا۔ کشمیر کے بودھ بھکشو ہندیں کمس بھی شادی کر سکتے تھے۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اخلاقی طور پر اس قدر گر گئے کہ وہ شرابی، جوئے باز، گوشت خور اور شہوت پرست بن گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بودھ کے پیروکار ہندو معاشرہ میں جذب ہو کر رہ گئے۔ اس کے بعد بودھ مت تقریباً مٹ ہی گیا۔

جب ہندو اقتدار عروج پہ تھا تو ہندو علماء نے علوم کے مختلف شعبوں مثال کے طور پر جنرل سائنس، فلسفہ، ادب، شاعری، ڈرامہ، تاریخ اور سیاسیات میں اعلیٰ درجہ کی کتابیں تصنیف کیں، کشمیر ابھی ناؤ گپت، سوم دیو، دامودر گپت، بلہن، کیمندر اور کلہن جیسے عظیم علماء پر فخر کر سکتا ہے دسویں صدی کے آواخر میں شمال مغرب اور پنجاب میں سیاسی بے چینی نے، جو مسلسل مغل اور ترک حملوں کے نتیجے میں پیدا ہوئی، کشمیر پر بھی شدید اثرات ڈالے ۔ راجہ ہرش (۱۰۸۹ - ۱۱۰۱ء) اس سماجی، اخلاقی، ذہنی اور سیاسی زوال کی علامت تھا جو کشمیر کو اس وقت نصیب ہوا۔ ہندو کیڑے مکوڑوں کی طرح سستی وجہالت کی دھول میں رینگتے تھے۔ اور اس کے زیادہ تر زمیندار برہمن تھے

برہمن گروہ محض غرور وخود نمائی سے اپنے آپ کو ہندومت کا پیکر سمجھتے حالانکہ وہ پستی میں بودھ بھکشوؤں سے کسی طرح کم نہ تھے۔ وہ سحر وجادو دکھاتے اور رسم ورواج کی پابندی اور ریاکارانہ مذہب کی تبلیغ کرتے۔ مذہبی زندگی کو جادو پرستی اور بداخلاقی نے کھوکھلا کر کے رکھ دیا تھا۔ ابوالفضل کے بقول ہندو سادھو ساری کشمیر وادی کو ارضِ مقدس سمجھتے ہیں۔ یہاں ۴۵ مندر مہادیو کے لیے ۶۴ وشنو کے لیے ۳ برہما کے لیے اور ۲۲ درگا کے لیے بنائے گئے ہیں۔ سات سو مقامات پر پتھر پر سانپوں کے مجسمے بنائے گئے ہیں جن کی یہ لوگ پوجا کرتے ہیں اور جن کے بارے میں عجیب وغریب کہانیاں مشہور ہیں۔(۱) اس طرح نمود ونمائش کلے ہندومت نے سچے مذہب کی حیثیت حاصل کر لی تھی جس نے تین کروڑ دیوتاؤں اور دیویوں کی پرستش کا نظریہ دیا اور جس کا کسی نہ کسی تیرتھ، مندر، پہاڑی، غار، دریا، درخت بلکہ درحقیقت فطرت کے ہر مظہر کے ساتھ تعلق سمجھا جاتا تھا۔ اس سے بدتر یہ کہ نجومی لوگ آدمی کی پیدائش سے لے کر اس کی موت تک ہر قسم کی دنیوی سرگرمیوں کی رہنمائی کرتے اور اس چیز سے انفرادی، خود اعتمادی وجرأت کی صلاحیت ختم ہو جاتی، سوسائٹی کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا تھا۔ شرافت واخلاق کا بس نام رہ گیا تھا، لوگ اپنا وقت بیکاری، سماجی کھلنڈرے پن اور جماعتی جھگڑوں میں گزارتے، سماجی ابتری اور دفتری کرپشن عام تھی۔ سوسائٹی کو ذات پات میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔

ذات پات کے تصور نے ہندو سوسائٹی کو اس حد تک پراگندہ وپست بنا دیا تھا کہ وہ مسلم ثقافت اور سیاست کے سامنے آسانی سے گھٹنے ٹیک سکتی تھی۔ اس سوسائٹی میں دو نمایاں طبقے تھے۔ درمیانی طبقہ اور عوام۔ پہلے طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ اگرچہ تعداد میں کم تھے، پھر بھی وہ سوسائٹی کا بہت ہی غالب عنصر بنے رہے۔ اس طبقے سے نوابوں، پروہتوں، زمینداروں اور فوجیوں کا تعلق تھا۔ فوج میں مقامی لوگوں اور کرایہ کے بیرونی لوگوں کے دستے ہوتے، مقامی دستے بزدلوں اور شیخی بازوں پر مشتمل ہوتے، جو ایک مضبوط دشمن کے حملہ کی ذرہ سی افواہ سن کر ہی بھاگ کھڑے ہوتے۔ اگر کچھ طاقت ور

۱۔ آئینِ اکبری (جیرٹ) ص ۳۵۴

غنڈے شاہی محل میں کسی کو قتل کر دیتے تو اس سے پاسبانوں فوجی دستوں، درباریوں اور وزیروں میں ایک عام بھگدڑ مچ جاتی۔ مقامی لوگ کُل فوج کا ایک معمولی سا حصہ تھے۔ مگر اس کے برعکس، جموں، پونچھ، بھمبر اور راجوری کے بہادر اور سخت کوشش لوگ بہت تھے۔ ریاستی افواج کا کریم یہی لوگ تھے۔ نواب لوگ اپنی دولت جائیداد بنانے، عمارتیں تعمیر کروانے اور گھوڑے خریدنے میں ضائع کر دیتے وہ بالکل ہی خود غرض اور ناقابل اعتماد تھے۔ وہ غداری اور بے ایمانی کے لیے مشہور تھے۔ مالکان اراضی اور کسان عموماً ڈامرہ اور لون قبائل کے لوگ تھے وہ مغرور اور پُر آشوب لوگوں کا ایک گروہ تھے جو ہر وقت حکومت کو کمزور کرتے رہتے۔ تاکہ خود اقتدار ہاتھ میں لے سکیں اور لاقانونیت اور افراتفری پھیلائیں وہ ظالموں کا سا سلوک کرتے اور مزارعین، سرکاری حکام، اور برہمن کمیونٹی پر ایک بوجھ بنے رہتے۔

افسیروں میں زیادہ تر کائستھ لوگ ہوتے، وہ اپنی نوکریاں براہِ راست بادشاہ سے حاصل کرتے وہ بے حد بے رحم اور لالچی لوگ تھے۔ وہ مضبوط بادشاہ کے ماتحت شیروں کا سا سلوک کرتے۔ اور کمزور حکمران کے ماتحت بادشاہ گر کا رول ادا کرتے، ان کی اکثریت برہمن تھی، مسلمان ہونے کے بعد یہ برہمن، کارکن کہلائے۔

جن برہمنوں کو سرکاری، ملازمتوں میں نہیں لیا جاتا تھا۔ وہ پروہت کہلاتے تھے۔ ان کا دوسرا پیشہ کھیتی باڑی اور تجارت تھا۔ وہ ایک بااثر کمیونٹی تھے۔ ان میں سے کچھ تیرتھوں اور مذہبی اداروں کے نگہبان تھے جو دولت و ثروت کا مرکز تھے۔ وہ اپنے کارپوریشن کے ماتحت ہوتے۔ اکثر اوقات وہ اندرونی سیاست میں شرمناک رول ادا کرتے۔ جب وہ دیکھتے کہ ان کے مفادات کو نقصان پہنچ رہا ہے تو وہ عموماً مرن بھرت پر اُتر آتے اور اس طرح وہ مضبوط بادشاہوں کو بھی اپنی اطاعت پر مجبور کر لیتے؛ وہ بے حد گستاخ و متکبر تھے۔ رہے عوام سو وہ ان پڑھ اور توہمات میں پھنسے ہوئے لوگوں کی ایک بھیڑ تھی۔ جو لوگ زراعت پیشہ نہ ہوتے۔ اور کوئی نفع بخش کام بھی نہ کرتے وہ آوارہ گردوں اور تماشائیوں کا گروہ بن جاتے۔ وہ عام طور پر قصبات میں رہتے۔ مگر ان کی اکثریت سرینگر میں رہائش رکھتی تھی۔ وہ قدامت پسند، جذباتی اور افواہوں کو ہوا دینے والے تھے۔ کسان آبادی کا بڑا حصہ تھے۔ جو سخت محنت کرتے لیکن

ان کو اپنی محنت کا پھل بہت کم ملتا۔ دوسرے لوگ ان کا استحصال کرتے رہتے تھے۔ غربت، جہالت اور توہمات ان کی زندگی کا نمایاں پہلو تھا۔

۲۔ خودمختار سلاطین کے دور میں

ابتدائی سلاطین و مبلّغین نے اسلام کو طاقت کے ذریعے پھیلانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی اس کی چند وجوہات تھیں۔ شروع میں اسلامی ثقافت کے متعدد خصوصیات لوگوں کی روزمرہ زندگی میں داخل ہوئے۔ اور مسلم اقتدار کے استحکام کے لیے آہستہ آہستہ میدان ہموار کیا۔ مسلم ثقافت کا پہلی بار تعارف محمود غزنوی کے دو حملوں (۱۰۲۱ - ۱۰۱۵ء) کے دوران ہوا۔

کیمندر نے گیارہویں صدی میں اپنی مشہور تصنیف لوک پرکاش میں عربی و فارسی کے الفاظ مثلاً دبیر، سلطان، گنج، شاہ اور صلہ وغیرہ استعمال کیے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ راجہ ہرش (۱۱۰۱-۱۰۸۹ء) نے مسلمانی لباس اور سامان تعیّش کو کشمیر میں متعارف کرایا۔ اس نے اپنی فوج میں مسلمان بھرتی کیے وہ مسلم ثقافت کے بعض پہلوؤں کا مدّاح تھا اور ہندو مندروں کی بےحرمتی میں خوشی محسوس کرتا۔ اپنی بہنوں پھوپھیوں اور بھتیجیوں وغیرہ کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کر کے اس نے دھرم شاستر کے دستورالعمل کی توہین کی تھی۔

ان نمایاں اثرات کے علاوہ، اسلام کے ارکان — توحید باری تعالیٰ اور ترک بت پرستی نے سماجی اور ثقافتی لحاظ سے کنگال عوام کے دلوں میں گھر کر لیا تھا۔ چودھویں صدی کے آواخر میں ان کی عظیم ہمدرد و عارفہ، لل الشیوری، ارکان اسلام کی تبلیغ برہمن انداز سے کرنے لگی۔ وہ برہمن مت کی عظیم مصلح تھی اور معاصر ہندو اصلاحی تحریک کی کشمیری رہنما بھی۔ پھر یہ تحریک پورے ہندوستان میں پھیل گئی تھی۔ اس نے مذہبی لٹریچر کا مطالعہ اسی طرح کیا تھا جس طرح ان کے علماء سکھاتے تھے۔ اس نے خود ریاضت و نفس کشی کی مشق کی اور وہ تمام عملیات انجام دیئے جو مذہبی کتابوں میں دکھائے گئے ہیں مگر یہ سب چیزیں اس کو بے مقصد لگیں، صداقت کا نور اس پر اندر سے چمکا۔ اس لیے اس نے غلط

اور رمائتی برہمن مت کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس نے بت، پتھر، چشمہ، دریا اور درختوں وغیرہ کی پوجا کو ٹھکرا دیا۔ اس کی جگہ وہ فرد کی پرہیز گاری، پاکیزگی، توحید اور اخوت انسانی کی تبلیغ کرنے لگی وہ بتلانے لگی کہ یوگا یا خود تربیتی کے عمل سے ایک فرد اپنے آپ کو تحت الثریٰ سے اٹھاکر ثریا تک لے جاسکتا ہے وہ عوام کو ہندوست کا صحیح تصور پیش کرتی۔ اور عالم گیر بھائی چارہ کی تبلیغ کرتی (۱) وہ عوام کی زبان میں تبلیغ کرتی اور لوگ اسے بڑی توجہ سے سنتے۔ اس کے ملفوظات بیحد مقبول ہوئے اور آج بھی مقبول ہیں۔

انقلاب اور ردِ عمل

تیمور کا حملۂ ہند (۲) ہند و کشمیر کے لیے تبدیلی کا سبب بنا اور سماجی اور ثقافتی انقلاب لایا۔ تیمور نہ کشمیر میں کبھی داخل ہوا اور نہ ہی اس نے اس پر حملہ کیا۔ مگر اس کی موجودگی نے مرکزی ایشیا اور ایران کے ان مبلّغین و مہاجرین کو یہ موقعہ ضرور دے دیا کہ وہ تیمور کے مظالم سے بچنے اور ہولناک قحط و خشک سالی سے جو ان کے وطن میں موجود تھی۔ نجات پانے کے لیے کشمیر میں داخل ہوں ان لوگوں نے کشمیریوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو سلوک خود ان کے ساتھ تیمور اور ہلاکو خان کر چکا تھا۔ وہ تیمور کو ہوّا بناکر دکھاتے تاکہ وہ گھبرائے ہوئے نابالغ سلطان سکندر (۱۳۸۹-۱۴۱۳) سے اپنی سکیمیں منوا سکیں۔ ان کا اثر سکندر کے کمزور بیٹے علی شاہ (۱۴۱۶-۱۴۲۰) پر بہت زیادہ تھا وہ ہراس چیز کو جو قدیم تھی اور ہندوؤں سے متعلق تھی۔ مٹانے کے لیے ان کے سنگدلانہ منصوبوں

۱۔ اسے ایران کی بہائی خاتون قرۃ العین طاہرہ سے تشبیہ دی جا سکتی ہے (مصنف)

۲۔ ۱۳۹۸ء

کے سامنے جھک گیا۔

مگر یہ سب کچھ صرف سطح پر تھا۔ بنیادی طور پر اس کا اثر مختلف ہوا۔ جبراً مسلمان بنائے گئے، لوگ وودل اور بے چین ثابت ہوئے۔ وہ اپنے آباؤ اجداد سے بہت کم مختلف تھے۔ ظاہری طور پر وہ مسلمانوں کے سے کام کرتے مگر اندر سے وہ ہندو ہی رہے۔

زین العابدین (۷۰-۱۴۲۰) نے جب ہر جگہ بے چینی اور اقتصادی جمود دیکھا تو اسے اجتماعی اضطراب کے تباہ کن اثرات کا اندازہ ہوا، وہ حقیقت پسند آدمی تھا۔ اس نے احساس کیا کہ کشمیر، کشمیریوں کی فعاّل شمولیت کے بغیر ترقّی نہیں کرسکتا۔ کیونکہ سرمایہ کمانے والے اصل لوگ یہی تھے وہ کشمیر کا واحد حکمران ہے جسے آج بھی عزت و احترام کے ساتھ "بڈشاہ" — عظیم بادشاہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے سنہری دور کی روایات آج بھی عوام میں موجود ہیں۔

تاہم زین العابدین کا دور نسل پرست سادات کے لیے ایک چیلنج تھا۔ بڈھ شاہ کے پوتے حسن شاہ (۱۴۸۴-۷۲ء۱۵) نے ان کو بلاکر آباد کر دیا تھا۔ اولادِ رسولؐ ہونے کے باوجود کشمیر میں ان کو بیرونی قوم سمجھا جاتا تھا۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ بیرونی لوگوں کو کشمیریوں نے کبھی منہ نہیں لگایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے خلاف انقلاب لایا گیا۔ جس کی جدوجہد رینہ، ڈار، ماگری اور ٹھاکر قبائل نے کی تھی اس لڑائی میں جو کشمیریوں اور سیّدوں کے درمیان ۱۴۸۴ء میں لڑی گئی۔ موٴخرالذکر جماعت کو عبرتناک شکست ہوئی۔

میر شمس الدین عراقی (۱۵۲۶-۱۴۸۴ء) کو کشمیر میں اپنی فتح کے لیے سالہاسال قربانیاں دینا پڑیں۔ کیونکہ کشمیر کے کوتاہ اندیش اور لالچی۔ لیڈروں نے ۱۴۸۴ء سے لے کر ۱۵۴۰ء کے عرصہ میں ملک کو بدنظمی و انتشار کے سپرد کر دیا تھا۔ اسی زمانے میں شمس الدین عراقی کی تحریک شروع ہوئی۔

شمس الدین عراقی شیعوں کا بہت بڑا سرپرست اور کشمیر میں نوربخشیہ کا بانی ہوا ہے۔ وہ ۱۴۸۴ء میں کشمیر آیا تو اس نے اپنے مشن کی تبلیغ کے لیے حالات کو سازگار پایا۔ ہم پہلے بتا آئے ہیں، کہ اس نے کس طرح کشمیری وزرا موسی رینہ (۱۴-۱۵۰۵ء) اور کاجی چک (۲۶-۱۵۱۴ء) سے اپنا

تعارف کروایا تھا۔ اس نے شیعہ اور نوربخشیہ عقائد کو طاقت کے بل بوتے پر پھیلایا اس سے بڑھ کر یہ کہ اس نے کشمیر کے سنّی و شیعہ مسلمانوں کے درمیان دائمی تعصّب و نفرت کے بیج بو دیے۔ ان کے آپسی تعلّقات تلخی، کینے اور لڑائی کی ایک طویل کہانی بن گئے۔ چکوں کے عہد (۱۵۰۰-۸۶) میں شیعوں کے وارے نیارے تھے چند مغل اور پٹھان گورنروں نے بھی ان کو اپنی پوزیشن مضبوط کرنے میں مدد دی۔ ایک چھوٹی سی اقلیت ہونے کی وجہ سے یہ لوگ سرکاری اور سماجی لحاظ سے ملک کے لیے شدید خطرہ بنے رہے۔

اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسلام کشمیر میں نجات دہندہ بن کر آیا آہستہ آہستہ اس نے عوام کی اخلاقی اور سماجی طاقت کو بحال کر دیا۔ ایک جدید سماجی نظام نے جو سادہ قابل فہم اور قابل عمل تھا انہیں دوبارہ زندہ کر دیا۔ اسلام نے صدیوں پرانی متفرق اور منتشر سماجی طاقتوں کو یکجا کر دیا۔ اس نے پراگندہ سوسائٹی کو استحکام اور اتفاق و اتحاد عطا کیا۔ شروع شروع میں فلسفہ اسلام کو بہت کم لوگ سمجھ سکے تھے عملی طور پر رشیوں کا رول منفرد رہا۔

ریشی

شروع میں یہ لوگ ایک چھوٹی سی اقلیت تھے۔ رشی اُن مادی، سیاسی اور ثقافتی طاقتوں کا مقابلہ کرنے میں ناکام رہے جو ان کا قلع قمع کرنے پر تلی ہوئی تھیں مگر ان کی حالات پذیری اور کردار کی لچک نے ان کی مدد کی کہ وہ نئے نظام کے اندر قدیم روحانی نظام کے بعض عناصر کو بچا لیں برہمن مت پھیلنے کے قابل تو نہ رہا مگر اسے یکسر مٹایا بھی نہ جا سکا۔ کچھ برہمنوں نے جنہوں نے اسلام کو سوا تر خوف اور وحشت کے مقابلہ میں ڈھال کے طور پر قبول کیا تھا۔ اس مدت میں ہندو مسلم اتحاد کے لیے عدیم المثال کارنامہ کر دکھایا جو تاریخ میں ایک اعجاز ہے ان برہمنوں سے ہماری مراد وہ رشی ہیں جن کے سلسلے کی بنیاد مقبول ترین کشمیری صوفی شیخ نورالدین نے رکھی تھی رشیوں نے جو خود ایک کمیونٹی تھے اپنے لیے غیر محدود مقبولیت و عقیدت پیدا کر لی تھی۔

ابوالفضل کے بقول اس ملک کا سب سے زیادہ قابل احترام طبقہ ریشیوں کا ہے جو روایات اور رسم و رواج سے آزاد ہونے کے باوجود سچے خدا پرست ہیں۔ وہ ان لوگوں کے خلاف جو ان کے ہم عقیدہ نہیں بدگوئی نہیں کرتے وہ نہ بھیک مانگتے ہیں اور نہ ہی کسی کے پیچھے پڑتے ہیں وہ ثمردار پودے لگانے میں مصروف رہتے ہیں اور عام طور سے عوام کے لیے منفعت کا ذریعہ بنتے ہیں۔ وہ گوشت خوری سے دور رہتے ہیں اور شادی نہیں کرتے اس سلسلہ کے لوگوں کی تعداد دو ہزار رہے (۱) معتمد خان کے مطابق ان کی تعداد دس ہزار تھی ۔

مغل اور پٹھان حکمرانوں کے دور میں حالات

جب ۱۵۸۶ء میں اکبر نے کشمیر کا الحاق اپنی سلطنت سے کیا تو گویا زین العابدین کا سنہری دور لوٹ کر آگیا۔ تقریباً ایک صدی کے بعد کشمیری قوم کو ایک بار پھر بردباری و خوشحالی کا زمانہ اور رواداز حکومت نصیب ہوئی۔ اکبر کے مشفقانہ اقتدار میں ایک بار پھر ہندو اور مسلم، کامل اتفاق، دوستی، اور امن کی فضا میں سانس لینے لگے۔

کہا جاتا ہے کہ ان کی خدا پرستی، بردباری اور دوستی کی شاندار خصوصیات کو خراج عقیدت پیش کرنے کی غرض سے اکبر کے حکم سے تعمیر کیے گئے مندر پر ابوالفضل نے یہ عبارت اور شعر کندہ کرائے تھے (۲)

آلہی بہر خانہ کہ می نگرم جویای تواند ۔۔۔ وبہر زبان کہ می شنوم گویائی تو

کفر و اسلام در رہت پویان ۔۔۔ وحدہٗ لاشریک لہٗ گویان

۱۔ آئین اکبری ج ۲، ص ۳۵۴

۲۔ آئین اکبری مقدمہ

سچی بات تو یہ ہے کہ کشمیریوں کا مذہبی رجحان متناقض رہا ہے۔ پکے روحانی ہوتے ہوئے وہ دنیا کی مشہور رواداراقوام میں سے ایک رہے ہیں۔ خدا پر ایمان کو وہ اپنے وجود کی اساس سمجھتے رہے دوسری طرف دنیا کے سب سے زیادہ توہم پرست بھی یہی لوگ تھے۔ دینی مسائل کی طاقت سے زیادہ خود ان کے اپنے حلال وحرام بڑی طاقت بنتے رہے ہیں۔ وہ اسلام کی بنیادی چیزیں نماز، زکوٰۃ روزہ اور حج کی پرواہ کم کرتے تھے۔ حالانکہ غیر کشمیری مسلمانوں کے یہی نمایاں پہلو ہیں۔ مولوی ان کو روایتی مسلمان بنانے میں ناکام رہے۔ چنانچہ اورنگ زیب کو غصہ میں آکر ان کو "بے پیر اور بے تمیز" کہنا پڑا۔

وادی میں ہی نہیں بلکہ اڑوس پڑوس کی پہاڑی ریاستوں میں بھی ہندو اور مسلمان قومی ہم آہنگی و وحدت کے بے نظیر اصولوں پر عمل پیرا رہے۔ پہاڑی ریاستوں — پونچھ، راجوری، بھمبر اور جموں کے راجپوت جو مسلمان ہوئے تھے۔ فقط نام کے مسلمان تھے ان علاقوں کے ہندو اور مسلمانوں کی ماحول پذیری کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۱۱ء تک وہ وادی کے مسلمانوں کی طرح نہ صرف یہ کہ اپنی قدیم ہندو گوتوں کو اپنے نام کا حصہ بناتے بلکہ بعض ہندو رسوم و اعمال پر بھی عمل کرتے تھے۔

وہ اپنی بناگوش کو چھدواتے اور اس میں سونے کی بالی ڈالتے۔ وہ لباس بھی ہندوانہ پہنتے، اور . . . . شادی بیاہ کے بارے میں ہندوانہ رسموں کی پابندی کرتے وہ بچوں بچیوں کی شادی چھوٹی عمر میں ہی کروا دیتے اور بیوہ کی دوسری شادی کو حقارت کی نظر سے دیکھتے۔ وہ دیویوں اور دیوتاؤں کو نذر و نیاز پیش کرتے۔ اور شادی و مرگ کے ہندو رسم و رواج اپناتے، سوروتی، خاندانی پروہت کو مروجہ واجبات ادا کیے جاتے۔ راجوری میں جب ایک مسلمان شوہر مرا۔ اس کی بیوی کو ستی کے طور پر اس کی قبر میں دفنا دیا گیا۔ یہ مسلمان نومولود کو مار دیتے اور ہندوؤں میں لڑکی دینے لینے کے رواج پر بھی عمل کرتے۔ (۱)

جہانگیر نے اس عمل کی ممانعت کر دی تھی۔ وہ لکھتا ہے: "(مسلمان) ہندوؤں کے دوست ہیں اور لڑکیاں دیتے لیتے ہیں ان کا لینا تو ٹھیک ہے مگر دینا خدا نے حرام قرار دیا ہے۔ شاہجہان تو اس سے

۱۔ ایضاً ص

بھی دو قدم آگے نکل گیا تھا۔ ہندوستان میں اس نے حکم دیا کہ نئے بنے ہوئے مندر گرا دیئے جائیں ہندوؤں کو منع کر دیا کہ وہ مسلمانوں کا سا لباس نہ پہنیں۔ اپنے مُردوں کو مسلمانوں کے قبرستان کے نزدیک نہ جلایا کریں اور مسلمان غلاموں کو خریدا نہ کریں۔ ان ممنوعات کا اثر کشمیر تک بھی پہنچا تھا۔

پٹھانوں کے عہد میں یہ مذہبی تعصب اپنے عروج تک پہنچ گیا تھا۔ کشمیری پنڈتوں کی تعداد کو گھٹا کر بہت ہی کم کر دیا گیا۔ فقیر اللہ کنتھ اور امیر خان جوان شیر ایسے حکمرانوں نے ان کو زبردست ایذائیں پہنچائی تھیں پٹھان حکمرانوں میں سے ظالم ترین شخص میر ہزار خان (۱۷۹۳ء) نے ان پر جزیہ عائد کیا اور فارسی سیکھنے سے ان کو منع کر دیا۔ تاکہ وہ آئندہ سرکاری اور دیگر نفع بخش ملازمتیں حاصل نہ کر سکیں۔ ان کو غیر فعّال و بے حس بنانے کے لیے اس نے ان کے لیڈروں کو مارا پیٹا۔ اس عرصہ میں ہندو دھرم اور ثقافت کو جو سریع زوال آیا اس کے نتیجہ میں پنجاب دھلی، اور اتر پردیش کی طرف کچھ پنڈت خاندانوں کا تاریخی خروج شروع ہوا۔ ان کی اولاد نے اپنے اجداد کی سماجی اور ثقافتی روایات کو زندہ رکھ کر قابل تعریف نتائج دکھائے۔ ان میں سے چند ایک خاندانوں مثلاً نہرو، سپرو، کنزرو، کاٹجو، بھان، رینہ، کول، کاک، دھر، کچلو وغیرہ نے برطانوی ہند کے عہد میں تمام شعبہ ہائے زندگی میں۔۔۔۔ خدمات انجام دے کر شہرت حاصل کی، پٹھانوں کے عہد میں متعدد مسلم خاندانوں نے بھی مہاجرت اختیار کی تاکہ وہ ان کے ظالمانہ اقتدار اور قحط کی تباہیوں سے چھٹکارا حاصل کر سکیں ان میں بعض نے اپنی ذہانت ہنر مندی صناعی۔۔۔۔ اور سیاست میں اعلیٰ جوہر دکھائے۔ (۱)

معاشرتی حالات

گھریلو زندگی ایک کشمیری خواہ وہ ہندو ہو یا مسلم شہری ہو یا دیہاتی، بہترین حالت

۱۔ علامہ اقبال اس کی ایک روشن مثال ہیں

میں اس وقت ہوتا ہے جب وہ گھر میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ گھر اس کی زندگی کا مرکز اور محور ہے جس کے ارد گرد اس کا سارا معاشرتی نظام گھومتا ہے۔

عورت کی حیثیت

ہندو حکمرانوں کے ادوار میں عورت کو نظر انداز کرکے مرد کے ماتحت بنا دیا گیا تھا۔ وہ نہ وراثت پاتی اور نہ ہی جائیداد کا دعویٰ کر سکتی۔ عورتیں اپنے خاوندوں کے ساتھ اقتصادی اور معاشرتی زندگی گزارتیں بیوہ کی حیثیت سے عورت مشکل سے جیون گزارتی، اسلام عورتوں کے لیے خاص طور سے رحمت بن کر آیا۔ اس نے ان کی زندگی کو نیا رنگ روپ دیا ان کا مرتبہ بلند کیا اور عزت میں اضافہ کیا۔ اسلام نے عورت کو عزت .... عطا کی۔ شادی شدہ عورت جائیداد کی وارث بنی۔ بیوگی کی عمر بھر کی مشکلات خودکشیاں اور ستی کی رسم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔ کشمیر میں پردہ کے رواج کے لیے کسی سختی سے کام نہیں لیا گیا۔ عورتیں کسان، بقال، دکاندار اور قلی کے طور پر کام کرتیں۔ ان میں سے کچھ نے مذہب، ادبیات اور فنونِ لطیفہ کے شعبوں میں معاشرہ کے متمدن رکن کی حیثیت سے نام پیدا کیا، ان کا حسن و جمال بیدائش رہا۔ مارکو پولو اور شرف الدین یزدی نے کشمیر کی دوشیزاؤں کے بارے میں بہت کچھ سنا تھا۔ ان کے جسمانی حسن کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے برنیئر لکھتا ہے "تقریباً ہر مرد جب پہلی بار مغل اعظم کے دربار میں حاضری دیتا ہے تو وہ کشمیر سے بیویاں اور داشتائیں منتخب کرتا ہے تاکہ اس کے بچے ہندوستانیوں سے زیادہ گورے ہوں اور وہ اصلی مغل کہلا سکیں"(۱) ویسے تو یہ حماقت آو پرسے ہی چلی آئی ہے مگر ۱۵۸۶ء کے بعد تو کشمیری عورت کی خرید و فروخت باقاعدہ ہوگئی تھی۔ اب انکو فقط مال و اسباب سمجھا جانے لگا یہاں تک کہ دہلی کے اندھے شاہ عالم کے حرم سرا میں بھی ۱۷۹۴ء میں کشمیری حسینائیں موجود تھیں جو تسر شاہی کو رونق بخشتی تھیں۔

۱۔ برنیئر ص ۴۰۴۔

تعلیم اور شادی

بچوں کی تعلیم پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔ بچوں اور بچیوں دونوں کو چھوٹی عمر میں ہی والدین مذہب کے بنیادی اصول و احکام سکھاتے۔ جب ان کو مکتب کے مولوی یا پاٹھ شالہ کے پنڈت کے سپرد کیا جاتا تو اس موقع پر بہترین افتتاحی تقریب منعقد کی جاتی۔ مسلمان بچوں اور بچیوں کو کلمہ اور نماز سکھائی جاتی، تو ہندو بچوں کو سندھیا اور نیٹنم سکھائی جاتی۔ اعلیٰ تعلیم بھی دلائی جاتی تھی۔

ہندو اور مسلم دونوں فرقے چھوٹی عمر کی شادی کے حق میں تھے غالباً اکبر کے عائلی اصول کشمیر میں نہیں مانے جاتے تھے۔ جس کی رو سے بچوں کے لیے کم سے کم عمر سولہ سال اور بچیوں کے لیے چودہ سال مقرر کی گئی تھی۔ بہر حال اولاد کی شادی جوڑے کی پسند کی بجائے فیملی کا معاملہ تھی۔ یہ اوپر سے ٹھونسی جاتی جس کے نتائج اکثر المناک ہوتے۔ لل ایشوری (چودھویں صدی) اور حبّہ خاتون (سولھویں صدی) کو اسی طرح ان مردوں سے بیاہ دیا گیا تھا۔ جو ان کی بے نظیر ذہانت و قابلیت کا مقابلہ کسی طرح نہیں کر سکتے تھے اس لیے ان کی ازدواجی زندگی تباہ ہو گئی۔

شادی بیاہ کے موقعہ پر انجام پانے والے رسم و رواج ہندوؤں اور مسلمانوں میں مشترک تھے شادی سے پہلے کشمیری پنڈت بھی ایک طرح کا نکاح (منگنی) کیا کرتے تھے۔

موت اور اس کے بعد

ہندوؤں کے نزدیک بیوی کی موت کوئی اہمیت نہ رکھتی البتہ شوہر کی موت ہندو بیوہ کے لیے خطرناک نتائج پیدا کر دیتی۔ وہ نہ وارث بن سکتی اور نہ ہی آزادی سے بتنی بنا سکتی۔ مسلمان بیوہ گان عموماً دوسری شادی کر لیتیں۔ مگر رؤسا کی بیوہ گان نہیں کرتی تھیں۔ طلاق کی مسلمانوں میں اجازت تھی، لیکن یہ شاذ و نادر ہی دی جاتی تھی۔

جو چیز اکثر قارئین کو حیرت میں ڈال دے گی وہ یہ ہے کہ کشمیری پنڈتوں کے مُردوں کو مسلمان جلایا کرتے

تھے۔ میت کو جلانا ان لوگوں کا قدیم پیشہ تھا۔ ہندو لوگ آزاد سلاطین کو میت سوزی کا ٹیکس ادا کیا کرتے، مغلوں اور پٹھانوں کے دور میں یہ ٹیکس نہیں تھا۔ مسلمانوں کو، ان کے خاندانی، گورکن جو ملا کھلاتے ہیں، دفن کرتے تھے۔

ستّی

ہندو بیوی کو اس کے خاوند کے ساتھ جلانے کی ظالمانہ رسم۔۔۔ ستی کشمیر میں قدیم زمانے سے رائج رہی ہے۔ پہلی دفعہ اس کی ممانعت سلطان سکندر (۱۳۸۹–۱۴۱۳ء) نے کی تھی پھر اس کے بیٹے علی شاہ (۱۴۱۳–۱۴۲۰ء) نے بھی اسی حکم کو جاری رکھا مگر زین العابدین نے اسے دوبارہ زندہ کر دیا تھا۔ یہ رسم اردگرد کی پہاڑی ریاستوں میں مدت تک جاری رہی۔ مغلوں اور پٹھانوں کے زمانے میں ہمیں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ ہندوؤں نے کسی بیوہ کو شوہر کے ساتھ جلایا ہو مگر اورنگ زیب نے ۱۶۶۳ء میں کشمیر سے واپس آتے ہوئے زیریں پہاڑی ریاستوں میں ستی کے کچھ واقعات سنے تو فوراً ممانعت کر دی۔

گاؤں کی زندگی

کشمیری گاؤں خوبصورت ہوتا ہے۔ یہاں مناظر فطرت کی فراوانی ہوتی ہے۔ شفاف پانی کی نہر بہہ رہی ہوتی ہے، درختوں کا جھنڈ اور مسرت بخش ماحول من کو بھاتا ہے۔ گاؤں کے زیادہ تر مکان لکڑی کے قالب میں ڈھلی ہوئی کچی اینٹ سے بنائے جاتے ہیں۔ ہر مکان کی چار دیواری لکڑی سے ڈھانپی ہوئی ہوتی ہے۔ ترچھی چھت پر پرالی ڈال دی جاتی ہے تاکہ برف اس پر جم نہ سکے ایسی جھونپڑیاں کسانوں کے محل ہوتے ہیں جو آبادی کا نوّے فی صد ہیں۔ مکان عام طور سے دو منزلہ ہوتے ہیں نچلی منزل بھیڑوں اور ڈھور ڈنگروں کے لیے باڑہ کے طور پر کام آتی اور موسم سرما میں اہل خانہ کے لیے یہ منزل حمام بن جاتی ہے۔ موجودہ معیار زندگی کی روشنی میں دیکھا جائے۔ تو قدیم عہد میں اوسط دیہاتی باشندے کا کھانا و

سامان ناچیز تھا۔ مٹی کے چند برتن ایک لکڑی کی اوکھلی اور دھان پھڑنے کے لیے موسل والیں رکھنے کے لیے مٹی کے برتن کچھ چٹائیاں اور دن رات اپنے آپ کو ڈھانپنے کے لیے ایک پشمی کمبل۔ یہ تھی مٹی کی جھونپڑی میں بسنے والے کشمیری کی ساری کائنات۔ لیکن ان سادہ سی ضروریات زندگی کے باوجود کشمیر کے گاؤں کا باشندہ سب سے زیادہ قناعت پسند آدمی تھا۔ کشمیری چارپائی استعمال نہ کرتے تھے۔ دراصل ان کو اس کی ضرورت بھی نہیں تھی تاہم ان کے پنجابی پڑوسی ان کا مذاق اڑاتے (۱)

کانگڑی ان کی دائمی ساتھی بن گئی۔ جس کے بغیر سردیوں میں وہ گزر نہ کرسکتے (۲)

مجموعی طور پر دیہات میں معاشرتی زندگی منجمد اور غیر متحرک رہی۔ دیہاتی باشندوں کو یہ موقع نہ دیا گیا کہ وہ کھیتی باڑی اور مویشی پالنے کے آبائی پیشہ کو تبدیل کرسکیں۔ وہ اپنے آباؤ اجداد کی طرح ہی کمین سمجھے جاتے رہے ہیں۔ مقامی اور مرکزی انتظامیہ میں ان کی کوئی شنوائی نہ تھی اور کوئی آدمی ان کی پرواہ نہ کرتا۔ پھر بھی جب وہ موسم بہار و خزاں میں پیش از وقت برف باری اور شدید بارشوں کی آفت سے محفوظ رہتے تو بہت مسرور اور قانع نظر آتے۔

دوسری طرف معاشرہ کو بنانے بگاڑنے والے سرکاری آدمیوں، مولویوں، پنڈتوں اور زمینداروں کی ایک چھوٹی سی مگر بااثر کمیونٹی تھی جو قصبات اور شہر سری نگر میں رہائش رکھتی۔ وہ شہری مفادات کا تحفظ کرتے اور دیہاتی آبادی کو حقیر سمجھتے، گاؤں کے باشندوں کی جن پر قومی اقتصادیات کا انحصار تھا تضحیک کی جاتی اور ان کو گاما ہا کھر (۳) کہا جاتا۔

۱۔ وہ اکثر کہتے ۔ کشمیری بے پیری نہ منجا نہ پیڑھی (مصنف)

۲ کانگڑی کے ساتھ کشمیریوں کے لگاؤ کا پتہ ان اشعار سے چلتا ہے۔

....کانگڑی اے کانگڑی قربان تو حور و پری

چون در بغل می گیرمت درد از دل من می بری (مصنف)

۳۔ دیہاتی بیل۔

سری نگر میں زندگی

شہر سرینگر معاشرتی، ثقافتی، اقتصادی اور سیاسی زندگی کا مرکز رہا۔ ہر قسم کی تحریکیں یہیں سے شروع ہوئیں۔ سری نگر کشمیر پر حکومت کرتا تھا۔ سری نگر شہر کا خاکہ کشمیریوں کے ذوق جمالیات اور شہری منصوبہ بندی کے بارے میں ان کی ذہانت کا ایک نشان ہے۔

اگرچہ حکومت کے مراکز وقتاً فوقتاً بدلتے رہے مگر شہر مجموعی طور پر ویسا ہی رہا۔ ابتدائی مسلم سلاطین نے عموماً شہر کے شمال مشرقی حصّہ پر قبضہ رکھا۔ شہاب الدین نے ہری پربت پہاڑی کے جنوب مغرب میں واقع حسین ڈھلوان کے اردگرد کو دارالحکومت بنایا۔ زین العابدین نے جو خود بھی ایک پیدائشی معمار تھا شہری منصوبہ ساز مقرر کیا تاکہ وہ اس کے محل کے لیے نیز اس کے شہر، باغات، جھیل ڈل اور جھیل وُلر میں خوبصورت بنگلوں کے لیے نقشے تیار کرے۔ اس کے محل کی بارہ منزلیں تھیں جن میں سے بعض کے پچاس کمرے ہال اور برآمدے تھے۔ یہ ساری پرشکوہ عمارت لکڑی سے بنائی گئی تھی اور اس کی بناوٹ عظیم الشان تھی اسے زین ڈب کہا جاتا تھا۔ جو ۱۴۶۳ء میں تعمیر کی گئی تھی۔

شہر کے مکان عموماً بہت اونچے ہوتے۔ وہ دیودار، صنوبر اور کائل کی لکڑی اور پتھر اور گارے سے بنائے جاتے۔ اکثر پانچ منزلہ ہوتے۔ ہر منزل میں کمرے، ہال، بالکونی اور گنبد ہوتے۔ مرزا حیدر کے بقول ان مکانوں کی بیرونی خوبصورتی ناقابلِ بیان ہے۔ ابوالفضل کے عہد (۱۵۸۷ء) میں بھی شہر کشش کا باعث رہا۔ وہ رقم طراز ہے۔ سرینگر عظیم شہر ہے اور اس کی آبادی گنجان ہے۔

دریائے بہت (جہلم) اس کے وسط سے گزرتا ہے۔ اکثر مکانات لکڑی کے ہیں۔ اور کچھ تو پانچ منزلہ ہیں۔ چھتوں پر یہ لوگ گل لالہ اور دوسرے پھول اگاتے ہیں۔ اور موسم بہار میں یہ رشک چمن بن جاتے ہیں۔ (۱)

جہانگیر اور شاہجہان کے زمانے میں بھی صورت حال یہی رہی۔ جہانگیر لکھتا ہے۔ یہ (چھتوں پر گل لالہ اگانے کا) رواج کشمیریوں سے مخصوص ہے۔ برنئیر کے مطابق دریائے جہلم کے کنارے اکثر مکانوں کے

۱۔ آئینِ اکبری

چھوٹے چھوٹے باغ ہوتے، جو خاص طور سے موسم بہار اور برسات میں جب شائقین کی جمافیں پانی پر رہنے لگتیں بڑا خوشگوار اثر دکھاتے۔ شہر کے اندرونی حصے میں اکثر مکانوں کے ساتھ پھول اور باغیچے لگائے جاتے۔ جھیل کے کنارے پر مکانات نہروں سے ملا دیئے جاتے، جہاں ان کے مالک تفریحی کشتیاں چلاتے۔ یہ مستند تحریریں اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ شہر کی آبادی مسرور صحت مند اور خوش حال تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے نازک مزاجیوں کو پروان چڑھا رکھا تھا۔ وہ دریائے جہلم کا پانی نہیں پیتے تھے کیونکہ یہ بھاری اور ناقابل ہضم تھا۔ جہانگیر لکھتا ہے کہ یہ لوگ جھیل ڈل کا پانی پیتے ہیں تاہم وہ ان کو "جانوروں جیسے کشمیری" کہتا ہے۔ وہ مزید لکھتا ہے اگرچہ اکثر مکانات دریا کے کنارے پر واقع ہیں پھر بھی ان کے بدن کو پانی کا ایک قطرہ تک نہیں چھوتا۔ کشمیری باہر سے بھی اتنے ہی گندے ہیں جتنے اندر سے گندے ہیں۔ (۱) حقیقت یہ ہے کہ اس رائے سے مقامی حالات سے عدم واقفیت کا پتہ چلتا ہے جہانگیر نے غالباً وہ حمام نہیں دیکھے جاتے جو دریائے جہلم پر اور جھیل ڈل سے نکلنے والی نہروں کے کناروں پر بنائے گئے تھے۔ یہ صرف نہانے کے لیے تعمیر کیے گئے تھے۔ ہندوستان کے دوسرے سیاحان کشمیر کی مانند، جہانگیر نے بھی کشمیر کے شدید موسم سرما کا تجربہ نہیں کیا تھا۔ کیونکہ ایک اوسط آمدنی کے آدمی کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اپنا ذاتی حمام رکھتا۔ گرم حمام توکلمن کے دور (بارہویں صدی) میں بھی موجود تھے۔ یہاں تک کہ آج بھی وادی بھر کی مساجد ومنادر کے ساتھ حمام موجود ہیں تاکہ معاشرہ کے غریب لوگ ان کو استعمال کر سکیں۔ پھر سوتی کپڑا نہ ملنے کی وجہ سے لوگ پشمی پوستین پہنا کرتے تھے جن کو سوتی کپڑوں کی طرح بار بار دھویا نہیں جا سکتا تھا۔

شہر کے اندر اور اس کی حدود سے باہر دریائے جہلم کے دونوں کناروں پر آباد شہر میں رہنے والوں کے درمیان فوری مواصلات کے لیے قدیم زمانوں سے ہی کشتی کے پل استعمال ہوتے رہے۔ شرف الدین یزدی کے مطابق ۱۳۹۸ء میں تیس کشتی کے پل دریائے جہلم پر اور ان میں سے سات

---

۱. توزک، ج ۱، ص ۹۳۔

تو فقط شہر کے اندر تھے۔ پہلا مستقل لکڑی کا پل سرینگر میں دریائے جہلم پر زین العابدین کے عہد میں بنایا گیا۔ یہ اسی کی نسبت سے زینہ کدل کہلایا۔ ان کے جانشینوں نے فتح کدل عالی کدل اور حبہ کدل تعمیر کروائے۔ جہانگیر اور عبدالحمید لاہوری چار پلوں کا ذکر کرتے ہیں مگر برنیئر صرف دو کا نام لیتا ہے۔ بیرن ہیوگل کے مطابق ۱۸۳۵ء میں دنیا کے کسی بھی ملک سے زیادہ پل کشمیر میں تھے۔ جو ہر ندی نالے پر بنائے گئے تھے۔ پلوں کی تعمیر و مرمت کا کام حکومت کے ذمے تھا (۱)

لباس

لوگوں کے مختلف معاشرتی و مذہبی طبقوں میں لباس کی یکسانیت نہیں تھی۔ مجموعی طور پر عوام کے لباس میں تھوڑی بہت تبدیلی آتی چلی گئی۔ ہندو حکومت میں مرد عام طور سے باشندگانِ تبت ولداخ اور سکم و بھوٹان کی طرح لمبا کھلا کرتا پہنتے۔ وہ سر نہ منڈوایا کرتے بلکہ لمبے لمبے بالوں کو سفید کپڑے کے ایک ٹکڑے کے ساتھ باندھ لیا کرتے۔ ان کا کرتہ پشمی پٹو سے یا پٹ سن سے یا سوتی کپڑے سے بنایا جاتا تھا۔ ہیون سانگ کے زمانے میں موسم سرما میں شدید سردی سے بچنے کے لیے کشمیری چمڑے کا جیکٹ پہنتے اور سردیوں کے مہینوں میں کانگڑی ان کی رفیق شفیق ہوتی۔ جب گھر سے باہر محنت کا کام کرتے یا لمبے سفر پر نکل کھڑے ہوتے تو وہ پاجامہ پہنتے جو گھٹنوں تک پہنچتا۔ کمر باندھ لیتے اور پرالی کے جوتے۔ پول پہن لیتے۔ سفر کے دوران وہ موزے پہنا کرتے۔ لباس کی یہ تمام چیزیں دیہاتی آبادی میں آج بھی استعمال ہوتی ہیں۔

عورتوں اور مردوں کے لباس میں کوئی زیادہ فرق نہیں تھا۔ عورتیں بھی عام طور سے پاجامہ پہنا کرتیں مگر ان کی ٹانگیں ننگی ہوا کرتیں اور وہ بھی پیٹی کے ساتھ اپنی کمر باندھا کرتی تھیں۔

زیور امیر عورتیں ہی استعمال کرتی تھیں راجہ ہرش (۱۰۸۹-۱۱۰۱) نے حکم دیا تھا کہ عوام

۱۔ ہیوگل ص ۱۴۰

سر کو منڈوایا اور ڈھاٹا باندھا کریں یہ غالباً مسلمانوں کی تقلید میں تھا۔

خود مختار سلاطین کے عہد میں لباس کی شکل و صورت میں کوئی زیادہ تبدیلی نہیں آئی تھی۔ شال اور ابریشمی کپڑا بنانے والے کارخانوں کو زین العابدین کے دور میں حکومت کی پوری پوری سرپرستی حاصل رہی۔ امیر لوگ شال اور ابریشمی لباس ہی استعمال کرتے۔ مگر عوام کا لباس اونی مواد سے تیار کیا جاتا رہا۔ ابوالفضل اپنا مشاہدہ بتاتے ہوئے لکھتا ہے۔ عوامی لباس عام طور سے اونی کوٹ (۱) ہے جو کئی سال تک چلتا ہے جہانگیر نے بھی کشمیریوں کا لباس یہی پایا تھا۔ وہ طنزیہ انداز میں لکھتا ہے وہ پٹو کا کرتہ پہننے میں اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ہوا ان پر اثر انداز نہیں ہوگی۔ اور اس کے بغیر غذا ہضم نہیں ہوگی (۲) وہ یہ بات بھول گیا کہ کشمیر میں سوتی کپڑے کی کمی اور شدید سردی کی فراوانی۔ حقیقت یہی ہے کہ ایک کشمیری سردیوں کے موسم میں غذا اس وقت تک ہضم نہیں کر سکتا جب تک کانگڑی اس کے سینے کے قریب نہ ہو۔ اور اونی فرغل اوڑھ نہ رکھا ہو۔ دستار کو مسلمانوں نے رواج دیا۔ جہانگیر رقم طراز ہے۔ مرد سر منڈواتے ہیں اور ایک گول دستار پہنتے ہیں عام لوگ صاف اور دھلا ہوا لباس نہیں پہنتے۔ وہ پٹو کا کرتہ پہنتے ہیں جو تین چار سال تک کام دیتا ہے (۳)

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ پاجامہ جسے ہندو دور میں مرد اور عورت دونوں استعمال کرتے تھے آہستہ آہستہ عورتوں نے اس کا استعمال ترک کر دیا تھا۔ کیونکہ جہانگیر ہمیں بتاتا ہے کہ یہ عورتیں پاجامہ (شلوار) کے استعمال کو غلط جانتی تھیں وہ ایک لمبا چوڑا کرتہ پہنتیں جو سر سے پاؤں تک بدن کو ڈھانپ لیتا اور وہ پٹی بھی استعمال کرتیں (۴) اورنگ زیب نے جب ۱۶۶۳ء میں کشمیر کی سیاحت کی تو وہ یہ دیکھ کر بہت غصے میں آ گیا کہ عورتیں پاجامہ کے بغیر ہی گھومتی پھرتی ہیں۔ اس نے گورنر عنایت اللہ کو حکم دیا کہ وہ ان کو مجبور کرے

۱۔ پھرن (پیراہن)

۲۔ توزک ج ۲، ص ۱۴۷

۳۔ توزک ج ۲، ص ۱۴۸

۴۔ اقبال نامہ جہانگیری ص ۱۵۴

کر وہ ننگی ٹانگوں کو ڈھانپنے کے لیے پاجامہ استعمال کیا کریں۔ پنجاب میں ہندو عورت بھی مسلمانی شلوار پہنتی تھی لیکن کشمیر میں امراء کو چھوڑ کر ہندو ہو یا مسلمان کوئی عورت ماضی قریب میں بھی یہ لباس نہیں پہنا کرتی تھی۔ اس کا واحد سبب یہی نظر آتا ہے کہ یہاں سوتی کپڑے کی کمی ہے۔

ان تمام حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ کچھ یورپین اہل قلم نے یہ لکھ کر بڑی ہی ناواقفیت کا ثبوت دیا ہے کہ اکبر اعظم نے پھیرن اور کانگڑی جیسی زنانہ چیزوں کو کشمیر میں رواج دیا تاکہ ان کو سست و کاہل بنایا جائے۔ اور ان کی روحِ نبرد آزمائی کو کچل دیا جائے۔

یہاں تک کہ اسلام کے مکمل استحکام کے بعد بھی ایک کشمیری کو خواہ وہ ہندو ہو خواہ مسلمان، جہانگیر پہچان نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ دونوں ہی ایک جیسا لباس پہنتے۔ لباس میں تبدیلی جو بعد میں پنڈت کو مسلمان سے جدا کرنے لگی۔ بگمان غالب، شاہجہان کے عہد میں لائی گئی۔ اکبر کے ہاتھوں فتح کشمیر کے بعد پنڈتوں نے دستار اور جوتا پہننا شروع کر دیا تھا۔ وہ اپنی پیشانی پر قشقہ کھینچتے۔ ۱۷۲۰ء میں ملا عبدالغنی (محتوی خان) نے پابندی لگا دی تھی کہ ہندو گھوڑے پر سوار نہ ہوں۔ کوٹ، جوتا، دستار اور ہتھیار نہ پہنیں، کھیتوں اور باغوں میں نہ جایا کریں۔ مخصوص دنوں میں غسل نہ کیا کریں، پٹھان عہد میں بھی یہی پالیسی رہی۔ پنڈت مسلمانوں کا سا لباس پہنتے اور انہی کی خو خصلت اپناتے تاکہ وہ کسی امتیاز یا جسمانی اذیت سے بچے رہیں۔

خوراک

جس ملک میں ایک طرف مچھلی پرندے بھیڑ بکری اور رس بھرے میوے مثلاً انگور، انار، سیب وغیرہ کی بہتات ہو اور دوسری طرف ٹھنڈا مگر توانائی دینے والا موسم ہو وہاں کے باشندوں کا قدرتی رجحان اچھے کھانے پینے کی طرف ہوتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ کشمیر میں تنترک سسٹم مقبول و مروّج رہا۔ بدھ مت، جین مت اور وشنو مت نہ پھیل سکا اور کشمیر کے بودھ بھکشوؤں میں شادی کرنے اور گوشت کھانے کا رواج رہا۔ اگرچہ چاول لوگوں کا من بھاتا کھاجا ہے۔ پھر بھی سرینگر میں ایک غریب آدمی کی خوراک گھی، دودھ، گوشت، سبزی، مربّہ اور سرکہ پر مشتمل ہوتی ہے۔

سرینگر کے کھاتے پیتے، لوگ دریا کا پانی استعمال نہیں کرتے، پینے کے لیے وہ جھیل ڈل کا پانی استعمال کرتے ہیں جو صاف ہلکا اور زود ہضم ہے۔ جہانگیر کے بقول وہ گرم چاول نہیں کھاتے۔ بلکہ دھیرے دھیرے پکاتے ہیں۔ یہاں تک کہ سارا پانی سوکھ جاتا ہے اور پھر ٹھنڈا کر کے کھاتے ہیں مزدور طبقے مثلاً کسان، قلی، اور ہانجی آج بھی ٹھنڈے چاول کھاتے ہیں۔ کیونکہ یہ اسے صحت بخش سمجھتے ہیں۔ واحد طبقہ جو گوشت نہیں کھاتا تھا وہ ریشی تھے۔ زین العابدین رمضان کے دوران صرف سبزیوں پر اکتفا کرتا۔ اس نے گاؤکشی کی ممانعت کر دی تھی۔ بعد میں اس کے جانشینوں نے سیدوں کے دباؤ میں آکر یہ ممانعت اٹھا دی۔ تاہم یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ مقامی مسلمان گائے کے گوشت سے اور پنڈت سور کے گوشت سے طبعی نفرت رکھتے تھے۔ یہ ان کی طبقاتی ہم آہنگی، دوستی، اور ایک دوسرے کے جذبات کے احترام کی ایک عمدہ مثال ہے۔

تفریح اور دلچسپی کے مشاغل

جب بھی لوگوں کو اندرونی خلفشار سے ذرا سکون ملتا۔ وہ اپنی معاشرتی سرگرمیوں میں غیر معمولی ذوق و شوق کا مظاہرہ کرتے۔ سرینگر میں محلہ کمان گر پورہ آج بھی موجود ہے جو روائتی طور پر تیر و کمان کی صنعت سے متعلق ہے بارود کا کام زین العابدین نے شروع کروایا تھا۔ اور رینہ واری کے بندوق ساز اپنے فن میں مشہور رہے ہیں۔ زین العابدین اپنے خوبصورت محل زینہ لنک میں باقاعدہ جشن منعقد کرواتے تھے۔ جھیل ڈل میں سونہ لنک اور روپا لنک میں بھی ایسے جشن منعقد ہوتے تھے۔ اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں بھی تخت رواں پر اور شالامار، ویری ناگ اور اچھہ بل باغات میں جشنوں کا انتظام کرواتے۔ غریبوں کے اپنے ہی جشن ہوتے تھے۔ وہ مقامی تھیٹریکل تماشے دیکھتے۔ امراء، چوپال، شطرنج، ہوئے، اور گنجفہ جیسے کھیلوں سے تفریح حاصل کرتے تو غریب اخروٹ کھیل کر اور تبنک ناڑی پر کورس و نہ دن گا کر دل بہلاتے۔ مگر ان کی گھریلو زندگی کا بیحد دلچسپ اور ساتھ ہی تعلیمی پہلو وہ ہے جب یہ لوگ للّٰعارفہ، شیخ نورالدین ریشی کی حیات و سیرت سے متعلق تاریخی داستانیں سنتے سناتے، یہ لوگ داستانیں وہی اہمیت

رکھتی ہیں جو اہمیت راماین و مہابھارت کو حاصل ہے۔ ان داستانوں کو وہ مرد اور عورتیں سناتیں جن کے پاس داستانوں اور گیتوں کا ذخیرہ وافر ہوتا۔

ہندو تہوار

اگرچہ ہندوؤں کی تعداد کم تھی لیکن پھر بھی وہ تہوار شوق سے منایا کرتے تہوار عام طور پر "لوائی" یا فصل کٹائی" کے موسموں کے ساتھ مطابقت رکھتے تھے۔ ہندوؤں کے تہواروں میں زیادہ مشہور یہ تھے شیوراتری، ویاتھ ترووا، گڈ پاٹھ، کھیری امواس، دوسہرہ، نگیاتر، اور گن چکر، زین العابدین ویاتھ ترودا (۱) کے تہوار میں ہندوؤں کے ساتھ خود بھی شریک ہوتا تھا۔ نگیاتر اور گن چکر کے تہواروں پر وہ سادھوں کو کھانا کھلاتا اور ان کو روپیہ بھی دیتا۔ اکبر نے دیوالی کشمیر میں منائی تھی۔ کشتیوں پر، دریا کے کناروں پر اور مکانوں کی چھتوں پر، چراغاں کیا گیا تھا، اس سے منظر بے حد خوبصورت ہو گیا تھا۔

جہانگیر ویاتھ ترووا اور دوسہرہ کے تہوار کشمیر میں منانے میں بڑی دلچسپی کا اظہار کرتا تھا، ویاتھ ترووا کے جشن کے بارے میں وہ رقم طراز ہے۔

"۱۳ ر کو جمعرات کی رات کشمیری لوگ دریائے جہلم کے دونوں کناروں پر دیئے۔ قطار در قطار روشن کرتے ہیں۔ یہ پرانا رواج ہے کہ ہر سال اس دن ہر آدمی خواہ وہ امیر ہو یا غریب جس کا بھی مکان دریا کے کنارے ہو وہ چراغ ضرور جلاتا ہے۔ جس طرح شب برات کو ہند میں چراغ جلائے جاتے ہیں میں نے برہمنوں سے اس کی علت پوچھی تو وہ کہنے لگے کہ اس دن جہلم کا منبع معلوم ہوا تھا اور یہ رسم قدیم زمانے سے ہی چلی آتی ہے کہ اس دن کو ویاتھ ترووا کا تہوار ضرور منایا جانا چاہیئے۔ ویاتھ کے معنی جہلم کے ہیں اور یہ لوگ تیرہ کو ترووا کہتے ہیں۔ بیشک چراغوں کی روشنی بہت شاندار تھی میں کشتی میں بیٹھا اور پھر یہ نظارہ دیکھنے کے لیے اردگرد کا چکر لگایا۔" (۲)

۱۔ دریائے جہلم کے منبع کی دریافت کا دن (مصنف)
۲۔ تزکِ جہانگیری

مسلمانوں کے تہوار

رجعت پسندانہ نقطۂ نظر سے بات کی جائے تو اگرچہ مسلمانوں کی زندگی میں معاشرتی تہواروں کی کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن کشمیری مسلمانوں کی زندگی اس سے مستثنیٰ ہے ان کے مقبول تہوار مقامی ہیں۔ وہ ہمیشہ جن تہواروں کے لیے بڑی گرمجوشی کا اظہار کرتے ہیں ان میں قابل ذکر یہ ہیں۔
عرس شاہ ہمدان، عرس مخدوم صاحب عرس چرار شریف اور زیارت حضرت بل، وہ عیدین کے موقعوں پر بہت ہی مسرور ہوتے ہیں مگر شب برات، محرم کے موقعوں پر مغموم نظر آتے ہیں۔

موسیقی

کشمیر میں مشکل ہی سے کوئی گھر ایسا ہوگا جس میں کوئی لڑکی یا لڑکا موسیقی کے فن لطیف سے نوازا نہ گیا ہو۔ یہاں تک کہ ان کے بعض بادشاہ بھی موسیقار اور شاعر پیدا ہوئے تھے۔ زین العابدین جو ایک اچھا شاعر تھا۔ موسیقی کا شائق اور موسیقاروں کا سرپرست بھی تھا۔ کئی موسیقار اور گانے والے اس کے عہد میں ایران، سمرقند، خراسان کابل اور برصغیر سے یہاں آ گئے تھے۔ اُن دنوں امیروں کے پسندیدہ آلات موسیقی عود اور تنبور تھے اور تمبک ناڑی پر گا کر عام طور سے عورتیں وقت گزارا کرتی تھیں۔
حسن شاہ (۱۴۷۲ - ۸۴ء) کمپوزر بھی تھا اور شاعر بھی۔ وہ کشمیری گیتوں کا رسیا تھا۔ یوسف چک (۸۶ - ۱۵۷۹ء) حسن فطرت، اور گیتوں کا رسیا تھا۔ وہ آواز اور ساز دونوں کا دلدادہ تھا۔ اس نے حبہ خاتون سے شادی کی جو بے حد ذہین اور حسین خاتون تھی۔ اس نے اپنے گیتوں کے ذریعے شہرت دوام پائی ہے۔ مغلوں اور پٹھانوں نے موسیقی اور گانے کے فن کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ کشمیری زبان نہیں جانتے تھے۔ ویسے ان کے پاس اتنا وقت بھی تو نہ تھا۔

علم و ادب

کشمیر کی خوشگوار آب و ہوا۔ میووں اور پھولوں کی کثرت،

نیز پر امن ماحول اور حسین و دل کش مناظر فطرت نے بیرونی علمار کا دامن نظر اپنی طرف کھینچ لیا تھا جنہوں نے ثقافتی سرگرمیوں کے لیے اپنی تمام تر ذہانت و قابلیت وقف کر دی تھی۔ وہ مستقلاً یا عارضی طور پر یہاں سکونت اختیار کر لیتے اور پھر مختلف شعبہ ہائے علوم کو مالا مال کر دیتے۔

مسلم اقتدار قائم ہونے کے بعد بھی علم و ادب میں کشمیریوں کی ذہانت اپنے جوہر دکھاتی رہی۔ ہندو اور مسلمان کم نہ ہونے والے جوش و جذبہ کے ساتھ مختلف علوم سیکھنے میں منہمک رہے اور وہ علوم میں بہت کچھ اضافہ کر گئے۔ زیر نظر عرصہ میں ہمیں علمار و صوفیا کی ایک بڑی جماعت نظر آتی ہے جنہوں نے مذہب، طب، تصوف اور تاریخ کے شعبوں میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔

زبان

اظہار کے جس طریقے یا سٹائل کو عام طور سے زبان کہا جاتا ہے وہ آدمی کی بے نظیر متاع ہے اور اس کی آدمیت کا طرۂ امتیاز بھی۔ یہی اس کی ثقافت ہے۔ انسان کی حیثیت سے اس کی اجتماعیت زبان سے ہی بنتی ہے جسے وہ سیکھتا ہے یا جس زبان میں اس سے بات کی جاتی ہے۔ ان پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کشمیریوں کی زبان ان کے دیگر قدرتی ماحول کے پہلوؤں کی طرح ان کی متاع گراں بہا ہے۔ کشمیری زبان دردزبانوں کی ایک شاخ ہے جس میں شینا اور کوہستانی گروپ شامل ہے بول چال کی قدیم ترین کشمیری کے نمونے ہمیں کلہن کی راج ترنگنی میں ملتے ہیں۔ اسلام کے استحکام کے بعد للہ عارفہ اور شیخ نورالدین کے واکیاس (ملفوظات) اس زبان کا نمونہ ہیں جو پندرہویں صدی میں کشمیر میں بولی جاتی تھی۔ للہ عارفہ کے گیت کشمیری سنسکرت، فارسی اور پہاڑی لغات و تراکیب کا ایک ملغوبہ ہیں شیخ نورالدین کے گیتوں کے بارے میں بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے۔ دونوں عارف مروجہ بولی میں بات کرتے جو ان کے وقت میں فارسی، سنسکرت اور پہاڑی الفاظ اور تراکیب سے

مرکب تھی۔ ۱۸۲۵ء میں وینی نے حساب لگایا تھا کہ بول چال کے ایک سو کشمیری الفاظ میں پچیس سنسکرت کے چالیس فارسی کے پندرہ ہندوستانی کے دس عربی کے اور دس تبتی کے الفاظ ہیں یہ حساب ثقافتی انقلاب کے وہ مختلف مراحل دکھاتا ہے جن سے کشمیر کلہن سے لے کر وینی تک چھ سو پچاس سال کے عرصہ میں گزرا تھا۔

بدقسمتی سے کشمیری نے تحریر کی زبان کی حیثیت سے کوئی ترقی نہیں کی تھی۔ ۱۹۴۸ء تک مسلمان اور ہندو اہلِ قلم کی سرپرستی اسے کم حاصل تھی۔ ہندو اپنی تحریریں۔۔۔۔۔ شاردا اور فارسی رسم الخط میں لکھتے اور مسلمان پانصد سالہ عہد اقتدار میں فارسی زبان استعمال کرتے رہے۔ للہ عارفہ اور شیخ نورالدین کے گیت کاغذ پر لکھے ہی نہیں گئے بلکہ وہ کشمیریوں کے دل و دماغ پر ثبت رہے کشمیریوں کا حافظہ ان گیتوں کو حرف بہ حرف، لفظ بہ لفظ، نقطہ بہ نقطہ آئندہ نسل کے سپرد کرتا رہا۔ ڈاکٹر گرایرسن کے بقول کشمیریوں کا حافظہ عام طور سے بھوج پتر یا کاغذ کی تحریر سے زیادہ قابلِ اعتماد ہوتا ہے۔

ہندو حکمرانوں کے دور میں سرکاری زبان سنسکرت تھی مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے کے بہت عرصہ بعد تک بھی فارسی کے پہلو بہ پہلو جو سرکاری زبان تھی سنسکرت بھی حکومتی دفاتر میں استعمال ہوتی رہی۔

مندرجہ ذیل موجود دستاویزات اس نقطۂ نظر کا ثبوت بہم پہنچاتی ہیں۔

۱۔ سرینگر میں بہاؤالدین صاحب کے قبرستان میں سید حسن کی قبر پر دو زبانی کتبہ (محررہ ۱۴۸۴ء) یہ کتبہ سنسکرت (شاردا رسم الخط) اور فارسی میں تحریر ہے ۱۴۸۴ء میں سید حسن کی قبر پر لگایا گیا تھا۔

۲۔ **وصیت نامہ مخدوم شیخ حمزہ۔ (محررہ ۱۵۷۰ء)**

یہ غالباً پہلی دو زبانی دستاویز ہے جو بھوج پتر پر ملتی ہے۔ سنسکرت (شاردا رسم الخط) اور فارسی تحریر آمنے سامنے ہے یہ دستاویز ۳۹۰ سال سے زیادہ قدیم ہے۔ بدقسمتی سے سنسکرت تحریر

تحریر اس قدر خراب ہوگئی ہے کہ اس کا مطلب پوری نہیں نکالا جاسکتا۔ فارسی تحریر کا حال اس سے بہتر ہے یہ دستاویز آج کل سرینگر کے سرکاری میوزیم میں محفوظ ہے۔

۲- ایک کشمیری مہابھارت کا بیع نامہ (محررہ ۱۶۸۲ء)

دو بھائی پنڈت لالہ اور پنڈت سوریا کنٹھ محلہ ویدہ مر سرینگر کے رہنے والے تھے انہوں نے ۱۶۸۲ء میں مہابھارت کے دو خطی نسخے پنڈت آنند راز دان کو جو سرینگر کا باشندہ تھا پنیتالیس (۴۵) ہزار دیناروں میں فروخت کیے تھے۔ یہ بیع نامہ بھی (شاردا) رسم الخط میں اور فارسی میں لکھا گیا تھا۔ یہ ۴۷۵۶ (لوکک) اور ۱۰۹۳ ہجری مطابق ۱ جولائی ۱۶۸۲ء میں تحریر ہوا۔

دو زبانی ہونے کے علاوہ اس دستاویز سے ہمیں یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ سترہویں صدی میں کشمیر میں سنسکرت اور فارسی بیعنامے کس طرح لکھے جاتے تھے۔

زیر ترتیب تاریخ حکمرانوں کے حالات زندگی اور حکمران و رعایا کے درمیان تعلقات کو صحیح طور پر سمجھانے کی ایک کوشش ہے۔ ہم ان تعلقات کے خاص رجحانات پر روشنی ڈال کر تاریخ کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔

مسلم اقتدار کے پورے عرصہ میں کشمیر کو دو قسم کے حکمران ملے۔ مقامی اور بیرونی۔ دونوں گروپ ایک ہی عقیدہ کے مالک تھے اور ایک ہی ثقافت کے علم بردار۔ مگر حکمران کی حیثیت سے ان کا انداز نظر بنیادی طور پر مختلف تھا۔ مقامی حکومت خود مختار سلاطین (۱۳۲۰ - ۱۵۸۶ء) کے ذریعے قائم ہوئی یہ کشمیر کو اسی طرح اپنا گھر سمجھتے رہے۔ جس طرح ترک اور مغل پاک و ہند کو اپنا وطن سمجھتے تھے۔ اسلامی

حکومت قائم ہوئی۔ تو سلاطین ملک کا انتظام ایسے آفیسروں کے ذریعے چلانے لگے۔ جن میں اکثر مقامی تھے۔ ان میں عہد وسطیٰ کے حکمرانوں کی تمام خرابیاں موجود تھیں۔ ان کے جذبات اور میلانات یکسر مقامی رہے وہ وطن کے حوالے سے اپنی پہچان کرواتے اور آپس میں حسد و رقابت رکھتے ہوئے بھی بیرونی جارحیت کے مقابلہ میں متحد ہو کر ڈٹ جاتے۔ ان کی خانہ جنگیوں کا دائرہ سرینگر شہر تک محدود رہتا۔ اور گرد و نواح کی آبادی اپنے آباؤ اجداد کی طرح تنگی ترشی سے زندگی بسر کرتی۔ ہندو راجاؤں نے اسلام قبول کر لیا نئے نظام کے تحت وہ بڑے زمیندار بن گئے۔ اور ڈار، ماگری اور چک جیسے بہادر خاندانوں کی رہنمائی کرنے لگے۔ معاشرے کا جاگیردارانہ نظام بدستور برقرار رہا۔

۱۵۸۶ء میں مغلیہ سلطنت سے کشمیر کے الحاق کے موقع پر معاشرہ و انتظامیہ کے بالکل جدید نظام نے مقامی نظام کی جگہ لے لی۔ مگر مغلوں اور بعد میں پٹھانوں کا قبضہ کشمیر پر آسانی سے نہیں ہوا۔ دونوں قوموں نے شدید اور خونریز جنگوں کے بعد اپنی حکومتیں قائم کی تھیں۔ ان جنگوں نے حکمران اور رعایا کے مستقبل کے تعلقات پر گہرا نفسیاتی اثر ڈالا تھا۔ ان کا فاتح ہونے کا تصوّر بالکل ہی دقیانوسانہ تھا۔ دراصل یہ لوگ احساس برتری کے مریض تھے اور رعایا سے نفرت کرتے۔ وہ اجنبیوں کا سا سلوک کرتے اور جو کچھ کرتے وہ رعایا کو نقصان پہنچانے کے لیے کرتے۔ وہ زندگی کے ہر ملکی، انتظامی، سماجی اور اقتصادی شعبہ کو منتشر کر دیتے۔ ان کے عہد میں لشکر توڑ دیا گیا اور عوام کا استحصال ہونے لگا۔ ان کو ذاتی متاع سمجھا جانے لگا۔ پھر انھوں نے حکمران کی حیثیّت سے اپنے فرائض چھوڑ دیے اور لوگوں کی جائز تکالیف کے ازالہ سے انکار ہی کر دیا۔ فریقین۔ حکمران و رعایا کے درمیان رسہ کشی کی اصل وجہ یہی رہی۔ ان کے درمیان دوستی۔ ہم آہنگی اور افہام و تفہیم دور کی بات تھی۔ اس طرح ماتحت لوگ اپنے اندر ناراضگی غصّے اور نفرت کے جذبات پالتے رہے۔ پھر زخموں پر نمک چھڑکنے کے لیے مغل بادشاہت کے حامیوں نے کشمیریوں کے کردار کو غلط رنگ دینا شروع کر دیا۔ مثال کے طور پر ۱۵۴۳ء میں جب مرزا حیدر دوغلت کے مغل جانشینوں نے کشمیریوں کو غلام بنانے میں ہزیمت اٹھائی تو انھوں نے ان کو "بے دینوں کا مدہوش گروہ" کہا۔

جب اکبر کو کشمیر کی فتح میں پہلی بار ناکامی ہوئی۔ تو کشمیری لوگ نفرت انگیز شئے بن گئے۔ اور تباہی کے مستحق قرار پائے۔ اس کے چاپلوسوں نے کشمیریوں کو بھی ظالم افغانوں اور کینہ پرور کمبوہوں کے ساتھ ملا دیا۔ جن سے وہ تنگ آچکے تھے انہوں نے کشمیریوں کو "بدذات" کہا۔ عام موقعوں پر بے قصور ہونے کے باوجود ابوالفضل نے جب یہ لکھا کہ ہنر اور شرارت کشمیریوں کی خصوصیت ہے (۱) تو وہ بھی اسی صف میں آن کھڑا ہوا۔

دوسری طرف جہانگیر جس نے اپنے متعدد دوروں کے دوران کشمیریوں کو نزدیک سے دیکھا تھا۔ صرف ان کی ظاہری میل کچیل کی وجہ سے ان کا تمسخر اڑاتا ہے۔ اورنگ زیب نے جو چیزوں کو محض نفاست کے نقطۂ نظر سے دیکھنے کا عادی تھا، ان کو "بے پیر و بے تمیز" کہہ کر ذلیل کیا۔ مغل اور پٹھان حکومتوں نے ان کو اس حد تک بزدل بنا دیا تھا کہ ۱۸۳۵ء میں ہیوگل نے دیکھا کہ جو قوم کسی زمانے میں شجاع و دلیر تھی۔ وہ آج کمزور و بزدل بن گئی ہے۔ درمیانی طبقہ نے عزت و اقتدار پر اسی طرح قبضہ کر لیا اور زمینداروں کو بے اثر کر دیا کہ کشمیری قوم قلاش و برہنہ ہو کر رہ گئی۔ مورکرافٹ جس نے ۱۸۱۹ء - ۲۰ میں یعنی پٹھان حکومت کے خاتمہ کے کوئی ایک سال بعد کشمیر کی سیر کی۔ ان کی تباہ حالی کے چشم دید واقعات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے ہر جگہ لوگ بے حد پست حالت میں ہیں۔ قابل زراعت زمینوں کا ایک سترھواں حصہ ہی زیر کاشت ہے اور باشندے جو گھروں میں پڑے مر رہے ہیں ہندستان کی طرف دھکیلے جا رہے ہیں۔ کاشت کار بے حد بُری حالت میں ہیں۔ مناظر فطرت کا سارا حسن ان کسانوں کو دیکھ کر بے جوڑ لگتا ہے۔ ان کے جھونپڑے انگریزوں کی کھڑلیوں سے بھی بدتر ہیں اور ان کا لباس موسم کی سردی سے بچانے کے لیے ناکافی ہے (۲)

آخر کار ظالم و جابر پٹھان گورنروں نے جو آخری مغل گورنروں کے بعد یہاں آئے تھے۔ رہی سہی کسر بھی نکال دی۔ تاہم جلد ہی کشمیریوں کا رویہ سخت ہو گیا۔ اندرونی ناراضگی و بددلی نے خوف ناک

۱۔ اکبرنامہ ج ۲۔ ص ۸۷۷، ۶۵۴ - ۲۔ مورکرافٹ ج ۲، ص ۲۸ - ۱۲۶

مخالفت کی شکل اختیار کر لی، پنجاب اور ملحقہ ریاستوں میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے اقتدار میں توسیع کے بعد پٹھان حکومت کا خاتمہ ضروری و یقینی ہو گیا تھا۔ کشمیر میں مخالف لیڈروں کو رہائی کا ایک موزوں موقع ہاتھ آگیا تھا۔

ان حالات میں بیر بل دھر، جو ایک پنڈت لیڈر تھا، مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس پہنچا اور درخواست کی کہ کشمیر کو ظالم افغانوں سے چھڑایا جائے۔ یہ درخواست قبول کر لی گئی اور رنجیت سنگھ نے ۱۸۱۹ء میں پٹھان حکومت کا تختہ الٹ دیا۔

پٹھان حکومت کے خلاف بغاوت کی تحریک محض ذاتی غرض کے لیے چلائی گئی تھی۔ گو اس میں حب وطن کے جذبات بھی کام کر رہے تھے۔ مگر بڑا مقصد اور فوری منفعت یہ تھی کہ پٹھانوں کے ظلم و ستم سے رہائی مل جائے۔

یہ ماننا پڑے گا کہ شروع میں اسلام کے فروغ نے توہمات و بت پرستی کے تار عنکبوت کو نیست و نابود کر دیا تھا اسلام کی پائیدار خدمت یہ ہے کہ اس نے عوام کی طاقت اور ان کے کردار کی ایک علیحدہ وحدت کے طور پر تعمیر کی۔ انہوں نے اسلام کے بنیادی اصولوں۔ وحدت بشر اور توحید کو اپنا کر اخلاقی اور مادی طاقت حاصل کرنا شروع کی۔ اسلام نے کشمیری عوام کے اذواق و اطوار کی اصلاح کی اور ان کی اخلاقی معاشرتی اور مادی سوجھ کو رفعت و شرافت کا روپ دیا[۱] کشمیر نے اسلام کی روح اور فلسفہ کو بغیر کسی پس و پیش کے قبول کر لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب للہ عارفہ کثرت میں وحدت کے نظریہ اور بین الاقوامی برادری کے فلسفہ کی تبلیغ کر چکی تو اس نے یہ مشعل نورالدین کے ہاتھ میں دے دی اس کی فلاسفی کا جوہر یہ ہے کہ خدا اور انسان کے درمیان اور انسان اور انسان کے درمیان برابری موجود ہے یہی فلاسفی مشہور ریشی سلسلہ کی اساس بنی۔ جس کی بنیاد نورالدین ریشی نے رکھی۔ اس کا نتیجہ ایک عمدہ و منفرد کلچر تھا جس کے گیت ابوالفضل نے ۱۵۸۷ء میں سرینگر میں تمام مذاہب کے

۱۔ استفادہ : تاریخ کشمیر (پارمو)

معبد کی بنیاد رکھتے ہوئے گاتے۔ تین سو ساٹھ سال تک کشمیر کے عظیم صوفیا ر اور دانشوروں نے چند کینہ ور مغل اور پٹھان گورنروں کے شدید غیض و غضب کے باوجود یہ مشعل روشن رکھی۔

مسلمان قوم نے مبلغ اور سپاہی کی حیثیت سے حکومت کی سرکاری اور ثقافتی لحاظ سے وہ بکھرے ہوئے معاشرہ کی شیرازہ بندی کے لیے حکومت کرتی رہی گو ریاست کی مستقبل حیثیت پر ماضی کی طرح اب بھی سلطان کا شخصی اقتدار ہی برقرار رہا۔ تاہم جب سید میرک حسن بیہقی (۸۷-۱۴۸۴) نے اپنے کہے کا پاس نہ کیا اور سات سالہ بچے محمد شاہ کو سلطان اور خود کو اس کا سرپرست و نائب بنا دیا تو اس نے بعض خاص انقلابی اصول ضرور پیش کر دیئے۔ مثال کے طور پر اس نے ذہن نشین کروایا کہ فوت ہونے والے سلطان کی وصیت کو ایک طرف رکھا جا سکتا ہے۔ اتفاقاً اس نے آشوب گروں کے تمام اچھے اور برے اوصاف کشمیری لیڈروں کو ورثہ میں دے دیے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۸۶-۱۵۰۶ کی سیاسی ابتری و بے چینی کے دوران لوگوں میں کوئی جوش پیدا نہ ہوا کیونکہ یہاں تخلیقی فکر کا فقدان تھا۔ ملّی اور معاشرتی احیا، اور اقتصادی بہتری کی طرف کوئی توجہ نہ کی گئی۔

دوسری طرف جو چیز ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کراتی ہے وہ شدید فرقہ وارانہ و قبیلائی اضطراب ہے جو بعض متعصب بیرونی مبلّغین نے پیدا کر دیا تھا۔ جنہوں نے آسانی سے آبادی کو بیوقوف بنا لیا تھا۔ اور ان کے نظام معاشرت کو درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا۔ لیکن جو چیز برقرار رہی اور ان کے بنیادی کردار و اخلاق کو ابھارتی رہی۔ وہ ان کی "موج کشمیر" (۱) کی روح ہے یہ روح اندرونی افراتفری کو ختم کرنے کے لیے بیرونی مدد طلب کرنے میں ظاہر ہوتی رہی۔ اکبری دور کے ہندوستان میں امن و خوشحالی اور قبائلی اتحاد کی رپورٹ نے بعض کشمیری مخلص اور ترقی پسند دانشوروں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی تھی۔ چنانچہ وہ اکبر اعظم کے پاس گئے اور فتح کشمیر کی درخواست کی۔ اس طرح کشمیر مغلیہ سلطنت کا ایک صوبہ بن گیا۔ اقتدار کی تبدیلی نے اندرونی بے چینی کو ختم کر دیا۔ اور مدتوں کے بعد افراد کو تحفظ ذات

۱۔ مادر کشمیر۔

کی ضمانت ملی۔

تاہم مغل باغات، ہری پربت حصار اور ہری پربت قلعہ، فاتح قوم کی نفسیات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ وہ طریقے تھے جن کے ذریعے اس حسین سرزمین کے مفتوح اور بے یارو۔۔ عوام کا استحصال کیا گیا۔

مغل اور پٹھان معاشرتی فلاح وبہبود اور قدرتی آفات، خشک سالی، قحط، غربت اور بیماری جیسے مسائل کو بے ڈھنگے طریقے سے حل کرتے رہے ان کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے لوگوں کے رسم ورواج اخلاق و عادات، روایات اور جذبات کو نہ اپنایا۔ انہوں نے نسلی امتیاز کا زہر پھیلایا اور کشمیریوں کو یہ بتایا کہ وہ معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی لحاظ سے کم تر ہیں۔ اس سے مغل پٹھان حکومت کے تسلسل کا توازن بگڑ گیا اور نتیجتہً ۱۸۱۹ء سکھ اور اس کے بعد ڈوگر حکومت قائم ہوگئی جس کے خاتمہ کے لیے کشمیریوں کو سالہا سال تک مسلسل اور منظم قربانیاں دینا پڑیں۔

BIBLIOGRAPHY

No.	Title	Author	Place	Year
1.	A History of Muslim Role in Kashmir.	R. K. Parmu	Delhi	1969
2.	Ain-i-Akbari. H. S.	H. S. Jarrett	Calcutta	1868 - 94
3.	A Journey from Bengal to England	George Forster	London	1808
4.	Akbar Nama	H. Beveridge	Calcutta	1939
5.	Al-Biruni's India	E. C. Sachav	London	1910
6.	The Ancient Geography of Kashmir	A. Cunningham	London	1871
7.	The Archaeological work in Kashmir 1908	Sir John Marchall	–	–
8.	Babur and Hamayun	Willian Erskine	London	1854
9.	Baharistan-i-Shahi (Mss.)	–	–	–
10.	The book of ser Marco-polo	Henry Yule	London	1903
11.	Buddhist Records	Si-Yu-ki (Beal)	London	1884
12.	Cambridge History of India	–	Cambridge	1927 - 37
13.	Condition of Kashmiri People under Muslim rule	Jadunath Sarkar	–	1949
14.	Dasopadesa	Ksemendra	Poona	1923
15.	The Early History and Culture of Kashmir	S. C. Ray	Calcutta	1957
16.	Encyclopaedia Britannica (Kashmir)	–	–	–
17.	History of Aurangzab	Jadunath Sarkar	Calcutta	1916 - 24

18.	The History of India	H. M. Elliot	London	1867 - 77
19.	Iqbal Nama-i-Jahangiri	Muhammad Khan	Calcutta	1915
20.	Jaina-Raja Tarangini	Srivara (J. C. Datt.)	Calcutta	1935
21.	The Jammu and Kashmir	Federick Drew	London	1875
22.	Kalimat-i-Tayyibat	Aurangzib	–	–
23.	Kuttani Matam	Damodara Gupta	Bombay	1924
24.	Lallavakyani	Grierson	London	1920
25.	Later Mughals	William Irvine	Calcutta	1922
26.	Letters from India	Viotor Jacquemont	London	1825
27.	The life of Hiuen Tsiang	S. Beal	–	–
28.	Lokaprakasa	Ksemendra Weber		–
29.	Majalis-ul-Muminin	Nur ullah Shustri	Tehran	A. H. 1299
30.	Malfuzat-i-Timuri (Mss)	Abu Talab Hussyny Tran. M. C. Stewart	Sangemeel Publication	1975
31.	Muntakhab-ul-Taurikah	Badauni	–	–
32.	Muruj-al-Dhahab	Al. Masudi	London	1841
33.	Narratives of the Missions of George Bagle	–	London	1879
34.	Narmala	Ksemendra	–	–
35.	Raja Tarangini	Stein (Eng Translation)	–	–
36.	Raja Tarangini	Jona (J. C. Dutt) Raja	Calcutta	1879 - 98
37.	Raja valipatika	Suka (J. C. Duttp)	Calcutta	1935
38.	Ruqqat-i-Alamgiri	–	–	–
39.	Tarikh-i-Hassan	Hassan Shah	Srinagar	–
40.	Tabaqat-i-Nasiri	Minhaj-siraj	–	–
41.	Tarikh-i-Kashmir	Haidar Malik Chaudura	–	–

42.	Tarikh-i-Firishta	–	Luchnow	A. H.1321
43.	Tarikh-i-Daudi	Abdulla	–	–
44.	Tarikh-i-Daudi (Mss)	M. Haidar Dughlat		–
45.	Tarikh-i-Azami	Kh. Azam	Lahore	1303
46.	Travels in Kashmir	G. T. Vigne	London	1842
47.	Travels in Kashmir	Hugel	London	1845
48.	Travels in the Mughal Empire	Bernier	West Minister	1891
49.	Travels in the Himalayan Provinces	Moorcroft	London	1841
50.	Tribes of the Hindookoosh	Biddaulph	Calcutta	1880
51.	Tazikarat-ul-Wakiat	Hummanyun M. C. Stewart	London	1832
52.	Tuzuk-i-Jahangiri	A. Rogens and H. Beveridge	Lahore Sangemeel Publication	1909 - 14
53.	The vallery of Kashmir	Lawrence	London	1895
54.	Babir-Nama (Trans.) by	Annette S. Beveridge	Sangemeel Publications	
55.	Humayun-Nama	Gul-Badan Begum (Trans. by A.S. Beveridge	Sangemeel Publications	